معاد

جلد دوم

تالیف

حضرت آیت اللہ محمد تقی فلسفی

مترجم

مولانا حسنین گردیزی

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	معاد جلد دوم
تصنیف	حضرت آیت اللہ محمد تقی فلسفی
مترجم	حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا ذوالفقار علی سعیدی قمی
کمپوزنگ	الحمد گرافکس لاہور فون: 301-7229417
فنی معاونت	قلب علی سیال
ناشر	مصباح القرآن ٹرسٹ۔ لاہور۔ پاکستان
تعداد	ایک ہزار (۱۰۰۰)
طبع	اوّل
قیمت	

ملنے کا پتہ

مصباح القرآن ٹرسٹ

قرآن سینٹر ۲۴۔ الفضل مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کی ان صدقاتِ جاریہ میں سے ہے جس سے لوگ تا قیامت استفادہ کرتے رہیں گے اور موصوف کے درجات عالیہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ مصباح القرآن ٹرسٹ نے تراجم و تفاسیر قرآن سے کام شروع کیا اور پھر ہر وہ کتاب جس کی ملت کو ضرورت تھی شائع کی انشاءاللہ العزیز شائع کرتی رہے گی۔

موجودہ کتاب ''معاد'' حضرت آیت اللہ محمد تقی فلسفی کی تصنیف ہے جو کہ تین جلدوں پر مشتمل ہے اس میں آپ کے ذہن میں پیدا ہونے والے سینکڑوں سوالوں کے جوابات موجود ہیں کتاب کا نام اگرچہ معاد ہے لیکن اس کے مطالعہ کے بعد انشاءاللہ آپ کی دنیا بھی سدھر جائے گی اور آخرت بھی۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب انشاءاللہ آپ کو پسند آئے گی۔

یاد رہے کہ مصباح القرآن نے اپنی تمام کتابیں آپ کے استفادہ کے لئے انٹرنیٹ پر دے دی ہیں۔ ایڈریس ہے:

www.misbahulqurantrust.com

www.misbahulqurantrust.org

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کہیں خامی دیکھیں یا کمی محسوس کریں تو ہمیں مطلع ضرور فرمائیں ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ ادارہ کی ترقی اور اس کے بانی محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کے طالب ہیں۔

ادارہ

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست

معاد جلد نمبر 2

عنوان	صفحہ نمبر
باب نمبر 11	14
دنیا کی عمر کا خاتمہ	14
کائنات اور اس کا آغاز وانجام	14
آسمانوں اور زمین کی عمر	14
انسان کی حتمی اور غیر حتمی اجل	15
وضاحت:	16
اجتناب ناپذیر سرنوشت	17
طبیعی اور غیر طبیعی موت	17
نوع کی نابودی	18
اُمتوں کی اجل	18
انسان اور کائنات کی موت کا موازنہ	19
سورج میں تغیر	20
مستقبل میں زمین کا درجہ حرارت	20
کائنات کی نابودی اور انسانی نسل کا خاتمہ	21
فضا میں ستارے کا دھماکا	21
نظامِ کائنات میں خلل	22
ستاروں کا گرنا	23
کائنات کے عظیم دھماکے	23
دھماکوں کے بارے میں نظریات	24
حرارتی افعال واثرات	24
الٰہی ارادہ اور آفرینش	25
کائنات کی نابودی کا سبب	26
ناگہانی صیحہ	27
گذشتہ امتوں کی ہلاکت	28
ظالم قوم کی موت	28
حضرت صالحؑ کی قوم اور صیحہ جبرئیل	29
بم دھماکے کی صدا	30
سائنس دان اور صوتی لہریں	30
انسان اور سمعی امواج	30
انسان کی قوتِ سماعت کی حدود	31
حیوانات کی قوت سماعت	31
صوتی لہریں اور جاندار	32
ماورائے صوت کی شعاعوں کے اثرات	32
ماردینے والی صیحہ اور کائنات کی فنا	32
محشر کے دن دوسری صیحہ	33
صور کا پھونکنا	33
صوتی لہروں کی پیدائش	34
اسرافیل اور صور کا پھونکا جانا	34
پروردگار کا حکم تکوین	35
سائنسی ترقی اور مسئلے کا حل	36
ماورائے صوت کی تجربہ گاہیں	36

عنوان	صفحہ نمبر
صورِ اسرافیل کیا ہے؟	38
صورِ نور کی شاخ	38
نور اور صوتی لہروں کا منتشر ہونا	39
مشرک اور موحد کی موت میں فرق	40
ایک مجہول مطلب	40
انسانی علم کی نارسائی	41
اہلِ آسمان و زمین کی ہلاکت	42
لرزا دینے والی شدید چنگھاڑ	43
طاقت فرسا دن	44
باب نمبر 12	45
موت کے پیام رساں نفخے سے پہلے	45
خوف و ہراس کا بیان	45
جلد لاحق ہونے والا بڑھاپہ اور خوف	46
کائنات کی فنا کا نفخہ	47
دو نفخوں کا درمیانی فاصلہ	48
صور پھونکنے کے دو متضاد اثر	49
حقیقت صور سے ہماری عدم آگاہی	50
کلمہ الٰہی یا فرمانِ حیات	50
کوتاہ فکر افراد اور باطل خیال	51
دنیا اور آخرت کے قوانین میں فرق	52
شکمِ زمین اور شکم مادر	52
موجود زندہ کی ایک بنیادی اکائی	53
طینت یا عنصر پائیدار	53
عالمِ طبیعت کے بارے میں شبہات	54
انسان کا جز اصلی	54
تغیر ناپذیر حقیقت	55
شکمِ خاک سے مردوں کا باہر آنا	55
بارانِ حیات کا نزول	57
باری باری موت و حیات	59
آخرت اور مطلق حیات	59
زمین کا بات کرنا	60
اجزاءِ زمین کی حیات	61
درخت طوبیٰ	62
حیات کے بلند ترین مدارج	64
سوئے ہوئے اور بیدار انسان میں فرق	64
آخرت اور انسان کا تکامل	64
ابدی عذاب کی توجیہہ	65
انسان اور انتخاب کا حق	66
بکا ہوا انسان	66
انسان اور خودسازی	67
جبلی خواہشات کا ہیجان اور عقل کی تیرگی	67
انبیاء اور عقل کی تقویت	68
ہوائے نفس پر تسلط	69
عمل عدل کے مطابق	69
عقل ہوا و ہوس کی قید میں	70
بداخلاقوں کا حشر و نشر بصورتِ حیوان	70
بندر اور خنزیر کی شکل، لولے اور لنگڑے افراد	71
پیٹ کے بل چلنے والے	72
شکلوں میں تفاوت کا معیار	74
نور اور ظلمت کے سوراخ	74

عنوان	صفحہ نمبر
باب نمبر13	76
مادی نظریہ کائنات	76
جاودانی روح کا انکار	76
بروسیز کی گفتگو روح کے بارے میں	77
اللہ پر ایمان نظریہ کی حد تک	77
انبیاء کی باتوں کا انکار	77
کافروں کی گفتگو	78
مادہ پرست	79
ادیانِ الٰہی سے جنگ	80
کچھ ڈاکٹر ارانی کی گفتگو کے بارے میں	81
کمیونزم اور سرمایہ داری کا تضاد	81
انقلاب اسلامی ایران	82
پروفیسر یونک کی بات	82
ڈاکٹر کارل کی گفتگو	83
ڈاکٹر ارانی کی تحلیل	83
ڈاکٹر ارانی کی باتوں کا جواب	84
منکرِ معاد خدا پرست	84
تبدیلیوں کا الٰہی علم	86
منکرین معاد کو قرآن کا جواب	86
معاد پر ایمان رکھنے والے خدا پرست	87
مسئلۂ معاد	87
علم کلام کی پیدائش	88
فلسفی کتب کا ترجمہ	88
معاد کے بارے میں نظریات	89
ابنِ سینا اور معاد جسمانی	90
اہلحدیث اور متکلمین کا نظریہ	90
جسمانی معاد اور روحانی معاد	90
معاد جسمانی کے منکرین کی دلیل	91
منکرین کی دلیل کا جواب	91
امام صادق علیہ السلام کا کلام	92
شبہہ آکل وماکول	92
متکلمین کے کلام کی تائید	93
صدرالدین شیرازی کا جواب	93
فیض کاشانی کی بات	94
اجزائے بدن میں تبدیلی	95
اجزاء بدن کی تبدیلی	96
عضو کی کمی اور ثابت شخصیت	96
حالات کی تبدیلیوں میں شخصیت کی بقاء	97
جزا اور سزا کا معیار	97
محقق دوانی کی بات	98
معاد جسمانی ضروریات دین میں سے ہے	99
روحانی اور جسمانی اجزاء	99
رضوانِ الٰہی	100
جسمانی سزا	101
روح کی سزا	101
معاد یا قطعی سرنوشت	102
نظامِ تکوینی کا جبر	102
عمر زودگذر	104
عارضی دنیا	105
زندگی ایک خواب ہے	106

عنوان	صفحہ نمبر
مفیداور بار آور بیداری	107
باب نمبر 14	108
دنیااور تکوینی قوانین	108
انسان اور تشریعی قوانین	108
جہان کی فنا اور قوانین کی منسوخی	109
وحشت ناک تین روز	109
آخرت اور نئے قوانین	110
نورِ آفتاب اور زندگی	110
دنیاوی اور اخروی حیات میں فرق	111
بہشت کا دلپذیر نور	111
بہشت کی معتدل آب و ہوا	113
بہشت کی نعمتیں	113
اعمال کا مجسم ہونا	114
عالمِ برزخ اور اعمال کا تمثیل	114
تمثیل عمل اور نیت	115
عمل اور صاحبِ عمل	116
اچھے اعمال کی زیبائی	116
عمل اور صاحبِ عمل کا مکالمہ	117
فلاسفہ اور متکلمین کا نظریہ	118
جوہر اور عرض کی بحث	118
آیات اور اخبار کی تاویل	119
اعمال کے دیکھنے کے بارے میں	120
پیغمبر اکرمؐ کا قیس کو موعظہ	120
اچھائیوں اور بدیوں کا تمثل	121
فلاسفہ کا محدثین پر اثر	123

عنوان	صفحہ نمبر
دنیا اور آخرت کا فرق	123
عارضی دنیا اور جاویدانی آخرت	124
رازوں کا آشکار ہونا	124
صدرالمتالہین کی گفتگو	124
تجسم اخلاق	127
آج کا علم اور تجسم عمل	127
مادے اور انرجی کا رابطہ	128
بقاء توانائی کا قانون	129
فلاسفہ اور فزکس دانوں کا نظریہ	130
عمل کی بقاء یا انرجی کی بقاء	131
قلب و جوارح کے واجبات	132
توانائی کا وجود اصیل	133
اعمال کا عیاں ہونا	133
باب نمبر 15	137
طاقت فرسا دن	137
قرآن اور اسامی قیامت	138
حق و عدالت کا دن	138
منکرین معاد	138
انبیاء الٰہی کی باتیں	139
حتمی الوقوع یوم حق	139
ظلم یا علامتِ عجز	141
انسان اور فردی و اجتماعی زندگی	141
معاشرہ اور ہمہ گیر بلائیں	143
اشرارِ خلق سے بے نیازی	143
دوست و دشمن کے ساتھ عدل کا برتاؤ	144

عنوان	صفحہ نمبر
گناہگاروں سے جنگ	145
پاکیزہ افراد کا غیر پاکیزہ سے جدائی کا دن	146
انفرادی سود وزیاں	147
رازوں کا عیاں ہونا	148
سیاہ چہروں والے	148
شاداب چہرے	149
گنگاہگاروں کے چہرے	150
اچھے اور برے لوگوں کے رخسار	151
روزِ حسرت	151
دردناک افسوس	152
کھیتی آخرت	152
عمر کی بربادی	153
فرصتِ دنیا سے فائدہ اٹھانا	153
قابلِ توجہ نکتہ	154
بے فائدہ ندامت	154
شدید ترین افسوس	156
روز حسرت وندامت	157
برے ساتھی کا خطرہ	158
قیامت یا پیشی کا دن	160
اہل آسمان اور زمین کی ملاقات	161
قیامت یا یومِ مظلوم	162
تمام انسانوں کے جمع ہونے کا دن	162
اخذ کرنے میں غلطی	162
معاملہ محشر میں غبن	163
ضرر رساں تجارت	164

عنوان	صفحہ نمبر
روزِ آگاہی	164
معنوی طاقت کا اثر	164
دولت اور عہدے کی طاقت	165
طاقتوں کے زوال کا دن	165
صاحبِ قلب سلیم	166
پاکیزہ دل انصاری	167
تمام پہلوؤں سے دل کا سالم ہونا	167
مذموم دنیا کی شناخت	168
باب نمبر 16	169
نیند کا عالم اور بیداری	169
وحشت ناک بیداری	169
خوفناک دعوت	170
اعمال کی سزا کا خوف	171
وسائلِ دنیاوی سے انقطاع	172
سیاہ نامہ اعمال	172
ذلت آمیز سزا	173
ایک مقام پر توقف	173
پچاس ہزار سال کا دن	173
گناہوں میں فرق	174
ظلم کی تین قسمیں	174
شرک یا نہ بخشا جانے والا گناہ	175
اہلِ شرک کے متعلق امام کا قول	176
لوگوں کے مالی حقوق	177
شہید اور قرضہ	178
امام اور قرض متوفی	179

عنوان	صفحہ نمبر
عمر اور جوانی کے بارے میں سوال	179
مالی امور کے متعلق سوال	180
معاشرہ اور دولت کے اثرات	181
غلط و حرام پیشے	181
جوا دورِ جاہلیت میں	182
مقروض کی موت کے بعد پریشانی	182
اپنے خود وصی بنو	183
بنی امیہ کا منشی	183
حب اہل بیت	185
جن کی مودت واجب ہے	185
اصحابِ کسا	186
پیغمبر اسلام کا اجر	187
اہل سنت کی روایات	187
کتاب وعترت کی امانت	188
اختیار کی وضاحت	189
مودت معرفت کے بعد	189
ایک روشن مثال	190
محبت حب ذات کی بنیاد پر	190
کشتی نوحؑ کی مثال	191
عوام اور اہلبیت	192
بے اعتنا گروہ	192
دشمن اور ضدی گروہ	192
برتری حاصل کرنے کا انگیزہ	193
نعمت کے بارے میں سوال	194
موت کے بعد پہلا سوال	195

عنوان	صفحہ نمبر
شوہر اور بیوی کو نصیحت	195
مصاحب کے بارے میں سوال	197
باطنی صفات کی تحقیق	197
حیوانات کے متعلق مواخذہ	197
حیوانات کے متعلق مواخذہ	198
زمین کے بارے میں مواخذہ	198
حیوانات کے حقوق	198
حکومت اور مالک پر زبردستی	199
جانوروں پر ظلم یا ترحم	200
دوعورتوں کی جزا و سزا	200
انسان اور زمین کی آبادی	201
زراعت اور شجر کاری	202
تمام گفتگو کا نتیجہ	202
باب نمبر 17	204
لامحدود خواہشات کی تکمیل	204
دنیا میں آزادیٔ بشر	204
ظالم میدانِ قیامت میں	205
دو مطلب مادی نظر میں	205
مادی اور الٰہی فرق	206
سب چیزیں لوحِ محفوظ میں	206
انسان اور عالِم تصور	207
ارادۂ الٰہی	207
ایجاد واحداث	208
تمام انسانوں کا زندہ ہونا	209
الٰہی عدالت	209

عنوان	صفحہ نمبر
دینِ الٰہی یا راہِ سعادت	210
زندہ موجودات اور ہدایت تکوینی	210
انسان اور ہدایت تشریعی	211
طبیعی زندگی اور موت	211
حیات انسانی اور انبیاء الٰہی	211
تکوینی صراطِ مستقیم	212
تشریعی راہِ مستقیم	212
فکر وعمل کا رابطہ	214
کراماً کاتبین	215
قیامت اور نامہ اعمال	215
فراموش اعمال	216
علمِ الٰہی اور اعمال بشر	216
اعمال کا محو اور ثبت ہونا	217
لوگوں کے اعمال کا ثبت ہونا	217
اچھی اور بری سنت کی تاسیس	218
موت کے بعد نیکی اور بدی	219
استوار و محکم اثرات	220
سودمند علم	221
صدقہ جاریہ	221
نیک فرزند کی دعا	222
اولاد کا عملِ خیر	223
عذاب میں گرفتار باپ کی نجات	223
فرد و امت کی مشترک باتیں	224
فرد اور امت کی موت	224
فرد اور امت کا نامۂ عمل	225
فرد اور امت کے گواہ	225
رویے اور روش کی وحدت	226
فرد کی معاشرے میں حیثیت	227
دورِ جاہلیت کے عربوں کے امتیازات	227
اسلام اور رسومِ جاہلیت	227
امت اور فرد کی مسئولیت	228
فرد اور امت کا محاسبہ	228
امت کا نامۂ اعمال	229
لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا	229
وحشیانہ ظلم	230
ظلم کا ریشہ	230
ظلم پر راضی ہونا	231
ایک سوال بغیر جواب کے	232
نامۂ اعمال	232
صحیفۂ عمل یا کتاب لوح	233
سرنوشت سے آگاہی	234
کتابِ ابرار اور کتابِ فجار	235
مقربین کا گروہ	236
پاکیزگی اور خلوص کے نمونے	236
باب نمبر 18	238
الٰہی انسان کا جذبہ	238
جزا و ثواب کی خدا سے امید	238
مادہ پرست شخص کا جذبہ	238
ایک سوال کا جواب	239
دنیا اور آخرت کے طلب گار	239

عنوان	صفحہ نمبر
خدا کی خاطر خدمتِ خلق	240
ہوا وہوس کی خاطر خدمت	240
خلوص نیت اور اخروی ثواب	242
سراب کی مانند اعمال	242
غیر قابلِ عفو گناہ	243
دکھاوے کی عبادت	244
خلوص عمل کیا ہے؟	245
عمل کی پاکیزگی	245
خلوص کے درجات	246
احرار کی عبادت	247
قیامت میں باز پرس	247
ثروت مندوں سے باز پرس	248
میدانِ جنگ کا مقتول اور حساب و کتاب	249
ریاکاروں کی جزا	249
ظاہر نیک باطن برا	250
سائنسدانوں کا ثواب	250
اساتذہ کی تشویش اور نوبل انعام	251
اعمالِ صالحہ کے لئے بلائیں	251
انحراف کا حبطِ عمل پر اثر	253
آیاتِ الٰہی سے کفر	254
منادیاں عدل کا قتل	255
دنیا کے پجاری	256
اعمال اور زراعت میں مشابہت	257
حبطِ اعمال کے مختلف عوامل	257
گناہوں کی پردہ پوشی	258

عنوان	صفحہ نمبر
اسلام قبول کرنے سے پہلے کے گناہ	260
شہادت اور گناہوں کی بخشش	260
گناہانِ صغیرہ سے درگذر	261
تائب راہزن	626
راہزن کی مستجاب دعا	264
اعلانیہ صدقہ دوسروں کی ترغیب کے لئے	265
سب یا بعض گناہوں کی معافی	265
خوف ورجا کا نور	266
خوف ورجاء کے درمیان حرکت	266
خوف ورجاء میں توازن	267
روح اور جسم کے ایک دوسرے پر اثرات	268
باب نمبر 19	270
اجتماعی زندگی اور خواہشات کی محدودیت	270
قانون کی پناہ میں امان	270
ناجائز قوانین کی منظوری	271
حق، باطل سے مخلوط	271
افراد اور قوموں کے حقوق کی پامالی	271
قیامت اور حق کا قیام	272
اول: حاکمیت الٰہی	272
روزِ جزا کی فرمانروائی	273
حکومت خدا سے مخصوص ہے	274
دنیا میں بشر کی حکومت	275
آخرت میں اختیار کا خاتمہ	275
دوم: عدل وانصاف پر مبنی فیصلے	275
ظلم سے پاک فیصلہ	276

عنوان	صفحہ نمبر
بے انصافی کی وجہ	277
ظلم سے مبرا ذات	277
استحقاق کی بنیاد پر جزا و سزا	278
گناہگاروں کی بخشش	278
نیکوں کی جزا اور وعدہ خلافی	279
بروں کو سزا اور اللہ کی مرضی	279
ایک نیکی کا ثواب	279
ایک گناہ کی سزا	280
خدا کے لئے نیتِ گناہ کا ترک کرنا	281
امام سجادؑ کا کلام	281
سات سو گنا سے بھی زیادہ اجر	282
دنیاوی وسائل کا بے اثر ہونا	282
رشتہ داریاں اور قرابتیں	283
والدین اور اولاد	283
مال اور اولاد	284
زیرِ بحث آیات کا نتیجہ	285
مجرم اور جرم کا انکار	285
بے گناہی کی قسم	286
آج کی دنیا میں ذرائع	286
واقعہ جرم کی فلم	286
ٹیپ ریکارڈ	287
مجرم کی انگلی کے نشانات	287
اللہ کی عدالت میں گناہگاروں کا طریقہ کار	288
انبیاء اور امتوں سے پوچھ گچھ	288
مشرکین کی جھوٹی قسمیں	289
گناہگار اور فرشتوں کی گواہی کا جھٹلانا	290
گناہگاروں کے اعضاء کی شہادت	291
مجرموں کا اپنے جوارح پر اعتراض	291
مجرموں کو اعضاء کا جواب	292
جھوٹے افراد دنیا اور آخرت میں	293
شاہد گناہ خود روزِ جزا کا قاضی ہے	294
امتوں اور افراد کے درمیان مشترکات	295
قیامت میں امتوں کا گواہ	295
امت اسلام کا گواہ	296
آئمہ امت پر گواہ اور پیغمبر آئمہ پر گواہ	297
رسولوں کا پیغمبر اکرمؐ سے گواہی چاہنا	297
افراد پر گواہ	298
فرشتوں کی گواہی	298
زمین کی گواہی	299
کوزہ اور کوزہ گر کی صدا	300
نمازی کے لئے مسجد کی شہادت	300
دنوں کی شہادت	301
نعمتوں کی شہادت	302
باب نمبر 20	304
قیامت اور احکامِ الٰہی	304
عدلِ الٰہی اور باریک حساب	304
عفوِ الٰہی اور تفضّل	304
فضل و رحمت کی امید اور عدل سے ڈر	305
غریب مقروضوں سے حسن سلوک کا اثر	306
انسان فضلِ الٰہی کا محتاج ہے	306

عنوان	صفحہ نمبر
صحیفۂ سجادیہ کی دعا	307
رحمتِ الٰہی پر اعتماد	307
فیضِ الٰہی کے لئے نا قابلیت	308
فضلِ الٰہی صفت کمال	308
رحمتِ خدا کی امید	309
خدا پر حسن ظن	310
امیدوار شخص کی بات	311
اللہ کا بندوں سے سلوک	311
رحمت کے حصول کا بہترین ذریعہ	312
علمِ الٰہی کے بارے میں بدگمانی	313
ناامیدی کا خطرہ	314
توبہ امید ہے	314
گناہوں کے داغوں کو دھونا	315
وجدان کے خلاف گناہ	315
دیوانگی ضمیر کے شکنجے	316
اموی قاضی اور بے گناہ کا قتل	317
قاضی کا پاگل پن	317
موت کے وقت خدا پر حسن ظن	319
خوف ورجاء میں توازن	320
سرکشی اور غرور امید کے نام پر	321
امید کی پہچان اسلام کی کسوٹی پر	321
امید کے متعلق گفتگو	322
انبیاء اور خوف ورجا	322
بشارت اور انذار کی بنیاد پر دعوت	322
ڈاکٹر اور مریض	323

عنوان	صفحہ نمبر
ایمرجنسی مریض اور خطرے کا الارم	323
پیغمبرؐ اسلام اور لوگوں کو انذار	324
ننگا ڈرانے والا	324
دشمن کے حملے کا خطرہ	325
امام کاظمؑ کی حدیث	325
امید اور خوف کا معیار	326
خوف ورجا کے درمیان سفر	327
دو کبیرہ گناہ	327
امید وخوف کے مابین	328
مومن افراد کی روش	328
رحمت کی امید اور عذاب کا ڈر	329
خدا پر حسن ظن کے معنی	329
سوال اور جواب	329
خدا سے ڈر یعنی اپنے گناہوں سے ڈر	330
خدا سے خوف	331
علم وآگاہی کا مقام	332
عادل وزیر انصاف کا ڈر	332
انسانی قتل اور وزیر انصاف کا عہدہ	332
مغفرت اور عفو الٰہی	334
اولیاء دین اور امید وخوف کی وصیت	336

باب نمبر 11

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دنیا کی عمر کا خاتمہ

مَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً تَاۡخُذُہُمۡ وَ ہُمۡ یَخِصِّمُوۡنَ ﴿۴۹﴾ فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ تَوۡصِیَۃً وَّ لَاۤ اِلٰۤی اَہۡلِہِمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۵۰﴾ [1]

کائنات اور اس کا آغاز وانجام

یہ عظیم کائنات اور اس کے تمام موجودات نہ ازلی ہیں اور نہ ابدی، نہ یہ ہمیشہ سے تھے اور نہ یہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان سب سے خاص شرائط اور معین حالات کے تحت جامعہ ہستی زیب تن کیا ہے، ان کی عمر محدود اور اجل معلوم ہے اور جیسے ہی ان کے ایام گذر جائیں گے اور ان کا دور ختم ہو جائے گا تو یہ نظام تکوین کے جبر کے تحت نابود وفنا ہو جائیں گے اور یہ ایک ایسی بات ہے جو دین اور علم کی نظر میں ثابت اور محقق ہے۔

قرآن شریف نے آسمانوں اور زمین کی محدود عمر کے بارے میں اور اسی طرح تمام ارضی وسماوی موجودات کی محدود عمر کے بارے میں مختلف الفاظ اور پیرائے میں بات کی ہے۔ اور اس حقیقت کا جو ان سب کا قطعی مقدور ہے۔ مختلف تعبیروں سے ذکر کیا ہے۔ ان الفاظ میں سے ایک لفظ ''اجل'' اس عالم کے تمام موجودات کی محدود عمروں کے بارے میں استعمال ہوا ہے۔ اور خدا کی کتاب میں یہ کلمہ بار بار تکرار ہوا ہے۔ یہاں پر ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

آسمانوں، زمین اور ان میں موجود مخلوقات کی خلقت کے بارے میں اور یہ کہ وہ معین ''اجل'' رکھتے ہیں، فرمایا:

آسمانوں اور زمین کی عمر

مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ [2]

---

[1] (یٰسٓ۔۴۹۔۵۰)

[2] روم۔۸

اللہ نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کو خلق نہیں کیا مگر حق وعدالت کے ساتھ، اور یہ سب مقرر مدت اور معلوم عمر کے لیے ہیں۔

سورج اور چاند کے محدود دوران کے بارے میں فرمایا:

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ [1]

اللہ نے سورج اور چاند کو مقہور اور مسخر فرمایا ہے اور یہ دونوں مقرر مدت تک اپنے تکوینی راستے پر چلتے رہیں گے۔

انسانوں کی خلقت اور ان کی اجل کے بارے میں ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ [2]

وہ وہ خدا ہے جس نے تمھیں پانی سے مخلوط مٹی سے خلق کیا اور ہر ایک کے لیے ایک مدت مقرر کی اور خدا کے نزدیک ہے قطعی اجل جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔

قابل غور نکتہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے آسمان، زمین اور ان کے درمیان پائے جانے والے تمام موجودات، اسی طرح سورج اور چاند کے بارے میں ''اجل مسمی'' کا ذکر کیا ہے لیکن انسان کے بارے میں کلمہ ''اجل'' استعمال کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ''اجل مسمی'' کا بھی ذکر ہے اس کے بعد یاد دلایا ہے کہ یہ اجل مسمی اللہ کے نزدیک ہے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کے لیے کیوں دوبار لفظ ''اجل'' استعمال کیا گیا ہے۔ اور ان دو ''اجل'' کا آپس میں فرق کیا ہے؟

مفسرین نے انسان کی اجل اور اجل مسمی جو انسان کے لیے استعمال ہوئی ہے، کے بارے میں مختلف احتمالات ذکر کئے ہیں ان میں سے بعض نے یہ احتمال ذکر کیا ہے: پہلی اجل ولادت سے لے کر موت تک اور اجل مسمی موت سے لے کر قیامت تک ہے۔

انسان کی حتمی اور غیر حتمی اجل

لیکن جو کچھ معصومینؑ کی روایات میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ پہلی اجل سے مراد غیر حتمی اجل ہے اور یہ قابل تغیر ہے اور

---

[1] رعد۔ ۲

[2] انعام۔ ۲

اجل مسمی حتمی اور قطعی ہے۔حمران کہتا ہے:

عن حمران، عن ابی جعفر علیہ السلام قال: سئلته عن قول الله عزوجل "قضیٰ اجلا واجل مسمی عنده" قال هما اجلان اجل محتوم واجل موقوف[1]۔

میں نے امام باقر علیہ السلام سے "اجل" اور "اجل مسمی" کے بارے میں سوال کیا تو آپؑ نے جواب میں فرمایا: یہ دو اجل ہیں ایک اٹل اور حتمی اجل ہے اور دوسری مشروط اور قابل تغیر۔امام صادق علیہ السلام نے دو اجل کی تفسیر میں فرمایا:

عن ابی عبد الله علیه السلام فی قوله تعالیٰ "ثم قضیٰ اجلا و اجل مسمی عنده "قال: الاجل الذی غیر مسمی موقوف یصنع الله ما یشاء واجل محتوم۔[2]

غیر مسمیٰ اجل موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے گا عمل کرے گا یعنی مقدم ومؤخر ہوسکتی ہے جب کہ دوسری اجل حتمی اور تغیر ناپذیر ہے۔حصین نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے دو اجل کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

عن حصین عن ابی عبد الله علیه السلام فی قوله "قضیٰ اجلا و اجل مسمی عنده "قال: ثم قال ابو عبد الله (ع) الاجل الاول هو ما نبذه الی الملئکة والرسل والانبیاء والاجل مسمی عنده هو الذی ستره الله عن الخلائق۔[3]

پہلی اجل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انبیاء کو القاء کرتا ہے اور انھیں اس سے آگاہ کرتا ہے اور اجل مسمی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے پوشیدہ رکھتا ہے اور اس کا روبہ عمل آنا ذاتِ باری تعالیٰ سے مخصوص ہے۔

وضاحت:

موت انسان کے لیے حتمی انجام اور قطعی مقدر ہے کوئی بھی شخص اپنے آپ کو مقام ومرتبے کی وجہ سے یا کسی حیلے اور تدبیر کے ذریعے سے موت کے چنگل سے نہیں چھڑا سکتا اور خود کو اس اجتناب ناپذیر قضاء سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔

---

[1] کافی، جلد اول، باب البداء ص ۱۴۷

[2] تفسیر المیزان، ج ۷ ص ۱۲

[3] تفسیر برہان، ج ۱ ص ۵۱۷

اجتناب ناپذیر سرنوشت

اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ [1]

تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں ضرور آ لے گی اگرچہ تم بلند و بالا اور محکم حصاروں اور برجوں میں ہی کیوں نہ جا رہو۔

انسان کی موت دو صورتوں میں واقع ہوتی ہے طبیعی یا غیر طبیعی۔ وہ شخص جو صحت کے اصولوں کا تمام مراحل میں خیال رکھتا ہے اپنی زندگی کے دوران میں موت کے منہ میں پہنچانے والے یا بیماری کا سبب بننے والے حادثات کا شکار نہیں ہوتا اس کی عمر کا دھاگہ اتنا لمبا ہوتا ہے کہ آخر کار بڑھاپے کی شدت اور زندگی کی توانائیاں ختم ہونے کی وجہ سے اس جہان سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ یہ شخص طبیعی موت مرا ہے۔ وہ شخص جو اپنی زندگی کے سفر میں آدھے راستے میں کسی جان لیوا حادثے کے سبب مر جاتا ہے اور اس کا چراغِ زندگی طبیعی وقت سے پہلے خاموش ہو جاتا ہے۔ جب کہ اس کے بدن کی توانائیاں ابھی باقی ہوتی ہیں۔ ایسا شخص غیر طبیعی موت مرا ہے۔

طبیعی اور غیر طبیعی موت

وہ اموات جو صدقے، صلہ رحمی، دعا اور ان کی طرح دیگر امورت کی وجہ سے ممکن ہے تاخیر میں پڑ جائیں اور اسی طرح وہ اموات جو بعض گناہوں کے اثر سے جلدی واقع ہو جائیں ان کو ''اجل'' کہا جاتا ہے۔

لیکن وہ اموات جن کا وقت قضاء الٰہی کے مطابق حتمی ہے اور جسے خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ان کو قرآنِ مجید میں ''اجل مسمی'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ موت کسی صورت میں بھی مؤخر نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں اس کو نفی ابد یعنی ناممکن امر، سے یاد فرمایا ہے:

وَلَنۡ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُہَا ؕ وَاللّٰہُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ [2]

اجل مسمی یعنی ناقابل تغیر موت، صرف کچھ اشخاص سے مخصوص نہیں بلکہ انسان اور سب حیوانات کے لیے اجل مسمی ہے جس کا علم پروردگار عالم کے پاس ہے۔ ان میں کسی ایک کی عمر جس وقت اختتام پذیر ہوتی ہے اور اس کی اجل مسمی آ پہنچتی ہے ایک لمحہ کی تقدیم و تاخیر کے بغیر وہ نابود ہو جاتا ہے اور موت اس کی حیاتِ نوعی کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

---

[1] النساء۷۸

[2] المنفقون۔۱۱

نوع کی نابودی

اب تک ہونے والی تحقیقات اور ریسرچ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گذشتہ زمانوں میں روئے زمین پر حیوانات کی ایسی انواع موجود تھیں جن کی عمر لاکھوں برس تھی ان کی اولاد ہوئی اور نسلیں چلیں۔ جونہی ان کی اجل پہنچی اور ان کی عمر اختتام پذیر ہوئی۔ قضاء تکوینی الٰہی سے ان کی انواع نابود اور ہلاک ہوگئیں اور انسان اپنی علمی کاوشوں سے فقط ان کی ہڈیوں کے ڈھانچے دریافت کرسکا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ [1]

زمین پر حرکت کرنے والا کوئی حیوان اور اپنے دو پروں سے اڑنے والا کوئی طائر ایسا نہیں کہ جو تمہاری طرح امتوں سے تعلق نہ رکھتا ہو۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ [2]

ہر امت کے لیے ایک حتمی اور قطعی اجل مقرر ہے اور جب اس کا وقت آن پہنچے گا ایک لحہ بھر کی تاخیر اور تقدیم کے بغیر ان کی زندگی ختم ہو جائے گی۔

اُمتوں کی اجل

جیسا کہ انسان کے لیے لفظ امت استعمال ہوتا ہے۔ پہلی آیت میں زمین پر تمام حرکت کرنے والوں اور سب ہوا میں اڑنے والوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ دوسری آیت میں امت کی موت کا تذکرہ ہے اور یاددہانی کروائی گئی ہے کہ افراد کی مانند امتوں کے لیے بھی اجل مسمی ہے۔ جونہی مقررہ وقت پہنچتا ہے وہ بغیر لمحے بھر کے تقدم وتاخر کے ان کو آ لیتی ہے۔

سورج، چاند، آسمان، زمین اور ان کے درمیان کی مخلوق انسان اور حیوانات کی طرح اجل مسمی اور ناقابل تقدیم و تاخیر انجام سے دوچار ہوں گے اس بات کے پیش نظر کہ اجل مسمی کا علم ذات باری تعالیٰ سے مخصوص ہے۔ یہ کہنا پڑے گا کہ اس کائنات کی نابودی کے قطعی وقت سے اور اسی طرح اس کی کیفیت سے اللہ جل شانہٗ کے علاوہ کوئی بھی آگاہ نہیں ہے اور اگر علمِ فلکیات کے ماہرین اس بارے میں کوئی بات کرتے ہیں تو یہ ایک فرض اور احتمال کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

کبھی نہایت دانا اور حاذق طبیب ایک پچاس سالہ شخص کا ہر لحاظ اور تمام جہتوں سے اس کا معائنہ کرتا ہے اور

---

[1] الانعام۔ ۳۸

[2] الاعراف۔ ۳۴

ضروری ٹیسٹوں کے بعد تمام پہلوؤں سے یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ یہ شخص بالکل صحت مند ہے اگر طبیعی زندگی گزارے اور کسی حادثے سے دوچار نہ ہوں مثلاً کرنٹ لگنا، جل جانا، غرق ہوجانا، بلندی سے گرنا، بس کا حادثہ وغیرہ وغیرہ، تو یہ شخص سوسال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ طبیب یہ نہیں جانتا کہ یہ شخص کسی جان لیوا حادثے کا شکار ہوگا یا نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ خود جانتا ہے کہ بنا برفرض اگر مذکورہ شخص کسی خطرناک حادثے کا دوچار نہ ہوا اور ناگہانی موت اس کو نہ آئے، تو پھر بھی اس کی عمر کی آخری حد کو معین کرنے کے لیے سو کا عدد قطعی نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے وہ سوسال سے چند سال یا چند ماہ پہلے مرجائے یا سوسال کے بعد دنیا کو خیرباد کہے۔ مختصر یہ ہے کہ ڈاکٹر جتنا بھی ماہر ہو وہ اپنے علمی حساب کی بنیاد پر ہر کسی شخص کی طبیعی موت کا بالکل صحیح اور عین وقت کا تعین نہیں کرسکتا۔

انسان اور کائنات کی موت کا موازنہ

کائنات کی موت انسان کی موت کی طرح طبیعی بھی ہوسکتی ہے اور غیر طبیعی بھی ممکن ہے چمکتا ہوا سورج ہائیڈروجن کے تمام ذخائر کے ختم ہونے سے رفتہ رفتہ تاریکی آغوش میں چلا جائے، اپنے نور سے ہاتھ دھو بیٹھے اور آخرکار ایک مردہ جرم کی صورت میں اس بیکراں فضا میں سرگرداں ہوجائے اور ہوسکتا ہے کہ یہ اپنی نصف عمر کو پورا کرنے کے بعد اور حرارت پیدا کرنے والے مواد کے ختم ہونے سے پہلے، ایک دھماکے سے، یا کسی اور بڑے سیارے سے ٹکرا کر تباہ ہوجائے۔ یا کوئی اور عامل اس کی نورانی زندگی کا خاتمہ کردے اور اس طرح ناگہانی موت کے ذریعے اس کی میعاد پوری ہوجائے۔ بہرحال قرآن مجید کی واضح دلیل کی بنیاد پر آفتاب ''اجل مسمی'' اور مدت معین رکھتا ہے۔ اور اس کی میعاد (عمر) ذاتِ اقدس الٰہی کی حتمی تقدیر سے متعین ہے۔ لیکن اس قطعی انجام کار اور اس کے وقوع پذیر ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات کے علاوہ کوئی آگاہ نہیں ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ سائنس دانوں کا نظریہ یہ ہے کہ سورج کی روشنی اس کے اندر موجود ہائیڈروجن کے ایٹموں کا آپس میں ٹکرا کر، ہیلیم HELEEM میں تبدیل ہونے کا نتیجہ ہے اور انہوں نے اس جرم فلکی کی طبیعی عمر کے تعین کے بارے میں جو حساب لگایا ہے اس کے مطابق وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سورج لاکھوں سال سے نور افشانی کررہا ہے اور اس کے موجودہ ہائیڈروجن کے ذخائر اتنی مقدار میں باقی ہیں کہ طبیعی طور پر مزید لاکھوں سال تک روشنی دے سکتا ہے اور اپنی نورانی زندگی کو جاری رکھ سکتا ہے۔

انہوں نے کہا ہے کہ سورج کی ہائیڈروجن بتدریج ختم ہوجائے گی اور پھر ''ہیلیم'' جو کہ سورج کے مرکز میں واقع ہے، کی جلادینے والی شعاعیں پھیلنا شروع ہوجائیں گی اس وقت آفتاب کا درجہ حرارت اس قدر شدید ہوگا کہ جانداروں کے لئے

زندہ رہنا ناممکن یا حداقل بہت سخت اور دشوار ہو جائے گا۔ اس لحاظ سے ہمارے دور کے بعض سائنسدانوں سے اس ماحول اور محیط کے حالات کے بارے میں مفروضے قائم کئے ہیں اور اس دور میں انسان کے زندہ رہنے کے لئے پیش گوئیاں کی ہیں۔

سورج میں تغیر

کتاب پیدائش و مرگ خورشید کے صفحہ ۱۳۲ پر لکھا ہے:

''سورج کی چمک اور شعاعیں سو گنا ہو جائیں گی، سطح زمین کا درجہ حرارت ۱۰۰ درجے (BOILING POINT) سے بڑھ جائے گا۔ خیال یہ کیا جاتا ہے کہ ان حالات اور ماحول میں مشکل ہے کہ کوئی جاندار سطح زمین پر زندہ رہ سکے۔ لیکن قوی گمان یہ ہے کہ آئندہ آنے والے لاکھوں سال کے عرصے میں سائنس اور ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر جائے گی کہ انسان زمین کے نیچے اپنے لئے مناسب تہہ خانے بنالے گا اور ان میں اپنی طبیعی زندگی جاری رکھے یا یہ کہ انسان کسی دور دراز سیارے جس کا درجہ حرارت کم ہوگا، کی طرف نقل مکانی کر جائیں گے اور وہاں زندگی گزاریں گے۔ اس نکتے کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ سورج کی حرارت میں تبدیلی اچانک رونما نہیں ہوگی بلکہ یہ تبدیلیاں بہت ہی آہستہ آہستہ اور سست روی سے انجام پائیں گی۔ جو کچھ سائنسی اندازوں سے حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس تمام دوران میں آفتاب اپنے ہائیڈروجن ذخیرہ کا سواں حصہ خرچ کرے گا۔ اس بنا پر سورج کے مرکز میں ہونے والے ایٹمی عمل اور ردعمل کا نتیجہ پورے نظام فلکی میں کسی بڑے حادثے کی صورت میں نہیں نکلے گا۔ بلکہ جو حالات پیش آئیں گے ان کے لئے پیش گوئی کی جا سکتی ہے اور یہ احتمال بھی موجود ہے کہ کسی اور ستارے مثلاً نیچپون کی تسخیر کے ذریعے سے نوع انسانی پر متوقع طور پر چھا جانے والے مصیبتوں کے سیاہ بادل چھٹ سکتے ہیں۔''

اسی طرح یہ احتمال بھی قوی ہے کہ زمین کے درجہ حرارت میں آہستہ آہستہ اضافہ دنیا کے جانداروں میں ایسی تبدیلیاں ضرور اپنے ہمراہ لائے گا کہ سطح زمین پر درجہ حرارت کے اضافے کے ساتھ ساتھ زندگی ہم آہنگ ہوتی چلی جائے گی۔

مستقبل میں زمین کا درجہ حرارت

اگر مقدر قطعی الٰہی یہ ہو کہ سورج اپنے نور افشانی اور حرارت کے دور کو طبیعی طور پر گزارے اور اپنے راستے میں کسی غیر متوقع حادثے سے دو چار نہ ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ سورج کی تقریباً عمر وہی ہے جس کا اندازہ سائنس دانوں نے اپنے علمی تحقیقات کی بنیاد پر لگایا ہے کہ سورج آئندہ لاکھوں سال تک نور افشانی کرتا رہے گا۔

اسی طرح اگر انسان کے بارے میں مقدر قطعی الٰہی یہ ہو کہ انسان طبیعی طور پر اپنی زندگی کو دوام بخشے اور آدھے راستے میں کسی حادثے کا شکار نہ ہو اور زمین پر اپنی نابودی کے اسباب فراہم نہ کرے تو وہ اسی طرح زندہ رہے گا اور زندگی گذارتا رہے گا۔ اور اگر ایسا دن آ گیا کہ سورج کی حرارت کی شدت کی وجہ سے سطح زمین پر انسانوں کے لیے زندگی گذارنا ناممکن ہو جائے تو جناب ''جارج گاموف'' کے قول کے مطابق یا تو انسان زیر زمین اپنے لئے پناہ گائیں بنائے گا تا کہ گرمی سے محفوظ رہے یا پھر کسی اور کرے کا رخ کرے گا جہاں پر زندگی گذارنے کے حالات مساعد اور شرائط فراہم ہوں گی۔

اگر خدا نے اپنی قطعی قضا سے سورج اور ستاروں کے لئے غیر طبیعی طور پر فنا ہونا مقرر کیا ہوا اور ان اجرام کی اجل مسمّی یہ ہو کہ وہ اپنی زندگی کے سفر کے دوران میں ایک ناگہانی حادثے کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے تو پھر سورج کی عمر کا اندازہ لگانے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اسی طرح اگر یہ طے ہوا، ہو کہ نسلِ انسانی ایک غیر معمولی عامل کے ذریعے سے اچانک اور ناگہاں طور پر فنا ہو جائے تو اس وقت پناہ گاہیں بنانے کی یا کسی دوسرے سیارے کی طرف ہجرت کرنے کا موقع پیش نہیں آئے گا۔

کائنات کی نابودی اور انسانی نسل کا خاتمہ

اسی فصل میں کی جانے والی وضاحت کے مطابق قرآن شریف کی آیات اور اولیاء دین کی روایات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انسانی نسل اور دوسرے زندہ موجوداتِ عالم اسی طرح اس جہان اور سورج اور ستاروں کی عمر کا خاتمہ اچانک ہو گا اور ایک یا متعدد شدید ضربات کے اثر سے جن کا سرچشمہ ہمارے لئے مجہول ہے اور اس کی کیفیت ناقابلِ تصور ہے، تمام آسمانی اور زمینی موجودات یک لخت ہلاکت سے دوچار ہوں گے۔

زندگی کا قانون ختم ہو جائے گا۔ سورج کی بساط لپٹ جائے گی اور وہ تاریک ہو جائے گا، ستارے گر پڑیں گے سمندر پھٹ جائیں گے۔ پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی مانند اڑنے لگیں گے۔ نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا اور اس کائنات اور اس کے باسیوں کی عمر اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی جیسا کہ قرآن کی آیات اور معصومین علیہم السلام کی روایات سے حاصل ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات اور حالات کہ جن کا وقوع قضاء حتمی الٰہی سے وابستہ ہے۔ زنجیر کی کڑیوں کی طرح آپس میں پیوستہ ہیں اور یکے بعد دیگرے ناگہانی طور پر وقوع پذیر ہوتے جائیں گے۔

فضا میں ستارے کا دھماکا

ماہرین فلکیات (ASTRONOMERS) یہ کہتے ہیں کہ کبھی کبھار فضاء کے اندر ایک ستارہ جو بہت ہی معمولی

اور کمزور دکھائی دیتا ہے۔ اچانک حیران کن اور تعجب انگیز طور پر اس میں دھما کا ہوتا ہے اور اس کا نور لاکھوں گنا بڑھ جاتا ہے اور وہ درخشندہ ترین اور روشن ترین ستاروں میں سے ایک بن جاتا ہے۔ لیکن اس کی یہ نورانیت اور درخشندگی وقتی اور عارضی ہوتی ہے اور بہت کم مدت میں زائل ہوجاتی ہے۔ سائنسی کتب میں یہ بات موجود ہے کہ اس قسم کے دھما کے اس بیکراں فضا اور دور دراز کہکشاؤں میں بہت زیادہ وقوع پزیر ہوتے ہیں ان میں سے بعض تو دوربینوں سے بھی دکھائی نہیں دیتے البتہ ہمارے نظام شمسی میں ایسے دھما کے سالانہ بیس کے قریب رونما ہوتے ہیں۔

نظامِ کائنات میں خلل

یہ دھما کے جو کبھی کبھار ستاروں میں واقع ہوتے رہتے ہیں، اس جہان کے اختتام پر ہونے والے یک لخت اور اختتامی دھماکوں سے قابل موازنہ نہیں ہیں۔ کبھی کبھار ہونے والے دھما کے مقامی ہیں اور بہت محدود علاقے تک ان کا اثر ہوتا ہے۔ جب کہ کائنات کی فنا کے وقت رونما ہونے والے دھما کے عالمی اور ہمہ گیر ہیں، ان کے اثرات بہت وسیع اور کہکشاؤں کی سطح تک ہوں گے۔ مقامی دھما کے نظم کائنات کو درہم برہم نہیں کرتے اور قوانینِ آفرینش میں کوئی خلل نہیں ڈالتے لیکن ہمہ گیر دھما کے زمین وآسمان کے نظام کو الٹ پلٹ کر دیں گے۔ نظامِ عالم کے نگہبان قوانین اور اساس کو ختم کر دیں گے۔

مقامی دھماکوں کے حتی کرہ زمین پر جو اس عالم کا بہت چھوٹا جرم ہے، چنداں ضرر رساں اثرات نہیں ہوتے۔ لیکن پورے جہان میں ہونے والے دھما کے کرہ زمین کی حالت کو بالکل الٹ پلٹ کر دیں گے، پورے کرہ ارض پر بسنے والے تمام جانداروں کو ہلاک کر دیں گے، قانونِ حیات کا خاتمہ کر دیں گے اور نباتی، حیوانی اور انسانی زندگی کا نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ اس فصل میں ہماری بحث سے مربوط آیات اور روایات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝١ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ۝٢ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝٣ [1]

جب خورشید لپٹ کر تاریک ہوجائے گا، جب ستارے تیرہ وتار ہوکر گر پڑیں گے اور جب پہاڑ اپنے مقام سے اکھڑ جائیں گے اور گرد وغبار کی مانند اڑنے لگیں گے۔

چوں شود پیچیدہ درہم آفتاب
تیرہ گردد و عالم پر انقلاب
تیرہ گردند و سیاہ استارگان
کوہہا گردد ز جای خود روان

---

[1] التکویر ۱، ۲، ۳

نی سما بینی نہ اختر نی وجود
جز خدائ واحد حی و دود

(جب سورج کی بساط لپٹ جائے گی تو یہ انقلابات سے پر جہاں تاریک ہوجائے گا۔ ستارے سیاہ اور تاریک ہوجائیں گے۔ پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ کر اڑنے لگیں گے تو اس وقت نہ تم آسمان کو دیکھو گے اور نہ کسی ستارے کا وجود ہوگا۔ صرف خدائے واحد جو حی اور ودود ہے کی ذات باقی رہ جائے گی،)

ستاروں کا گرنا

إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ [۱]

''جب آسمان شق ہوجائیں گے اور جب ستارے نیچے گر پڑیں گے اور جب سمندر پھٹ جائیں گے۔''

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ﴿۸﴾ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۹﴾ [۲]

جس دن آسمان پگھلے تانبے کی طرح ہوجائے گا اور پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح ہوجائیں گے۔

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ﴿۹﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿۱۰﴾ [۳]

جس دن آسمان ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح حرکت کریں گے، اور پہاڑ حرکت میں آجائیں گے۔

إِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿۴﴾ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا ﴿۶﴾ [۴]

جب زمین پرزوردار زلزلہ آئے گا اور پہاڑ چلنے لگیں گے اور غبار کی طرح ہوا میں بکھر جائیں گے۔

کائنات کے عظیم دھماکے

کائنات کے خوفناک دھماکوں کی وجہ سے جو کچھ اس عالم کے فنا ہونے میں وقوع پذیر ہوگا اور جن کی طرف آیات

---

[۱] انفطار۔۱،۲،۳

[۲] المعارج۔۸،۹

[۳] الطور۔۹،۱۰

[۴] الواقعہ۴،۵،۶

اور روایات نے اشارہ کیا ہے۔ وہ اس قدر حیرت انگیز اور عظیم ہے کہ نہ صرف عام افراد اس کے ادراک سے عاجز ہیں بلکہ دنیا کے سائنس دان بھی ان ناقابل تصور واقعات کے سمجھنے پر قادر نہیں۔

ایک اور بات کا ذکر بھی ہو جانا چاہیے کہ سائنس دان اس تمام پیش رفت کے باوجود جو انہیں علم فلکیات میں حاصل ہوئی ہے، ابھی تک سال بھر میں وقوع پذیر ہونے والے ستاروں کے بعض مقامی دھماکوں کی علت کو دریافت نہیں کر سکے اور صریحاً یہ کہتے ہیں کہ:

ہم نہیں جانتے کہ بعض اوقات کوئی ستارہ ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے جب کہ قبل ازیں اس کے کوئی علائم اور آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ اس بارے میں فقط مختلف نظریات قائم کئے گئے ہیں لیکن ابھی تک ان میں سائنسی طور پر کوئی بھی نظریہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکا۔ یہاں پر مزید آگاہی کے لئے ان میں سے چند نظریات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دھماکوں کے بارے میں نظریات

''کون سی فزیکل کیفیت اس بات کا سبب بنتی ہے کہ ستارے جو ظاہراً معمول کے مطابق نظر آتے ہیں، پھٹ جاتے ہیں؟

ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ فی الحال اس بارے میں کچھ نہیں جانتے ہم صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ وہ مختلف وجوہات جو ان خوفناک حوادث کی بنیاد بن سکتی ہیں، کے بارے میں تحقیق کریں۔''

شاید سادہ ترین مفروضہ قائم کیا جا سکے کہ یہ حادثہ کسی بیرونی علت کا نتیجہ ہے۔ مثلاً ستارہ اپنے راستے میں کسی رکاوٹ اور مانع سے دوچار ہوا اور یہ حادثہ وقوع پذیر ہو جائے۔''

''دوسری بات یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ ستاروں کے درمیان فضا بہت زیادہ لطیف و رقیق مواد سے پر ہے کہ جو ستاروں کی خلقت کے بعد باقی رہ گیا ہے۔ ستاروں کے درمیان بادل جو ''گیس اور غبار کے بادلوں'' کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اکثر اپنے نزدیکی ستاروں کے نور سے روشن ہو جاتے ہیں اور غول پیکر روشن بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور چونکہ ایک ستارہ بہت تیزی کے ساتھ فضا سے عبور کرتا ہے تو وہ ایسے لطیف مواد کے بادل میں داخل ہوتے ہی بہت زیادہ روشنی کے ساتھ پھٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ آسمانی پتھر جیسے ہی زمین کی حدود میں داخل ہوتے ہیں بہت زیادہ روشن ہو جاتے ہیں۔''

حرارتی افعال و اثرات

ستاروں کے پھٹنے کے دو سبب ہو سکتے ہیں یا ایٹمی تبدیلیاں اس کا سبب ہیں جو ان کی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت

کی حامل ہیں۔ یا پھر ایٹمی حرارت کے عمل اور ردعمل ان کے پھٹنے کا باعث بنتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ستارے کے مرکزی حصے کا درجہ حرارت اس کے تکامل کے ضمن میں انتہائی حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو پھر ایسے اثرات اور عمل اور ردعمل واقع ہوتے ہیں۔''[۱]

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ آسمان وزمین سورج چاند ستارے اور تمام ارضی وسماوی موجودات اجل رکھتے ہیں۔اور جیسے ہی ان کی اجل آئے گی تو وہ پروردگار عالم کی قطعی قضاء سے فنا اور منقرض ہوجائیں گے۔

الٰہی ارادہ اور آفرینش

خداوند قدیر کسی چیز کو وجود میں لانے کے لئے اور کسی موجود کو فنا کرنے کے لئے اسباب اور وسائل کا محتاج نہیں بلکہ خالق کے ارادہ اور مشیئت سے اس کی مراد پوری ہوجاتی ہے اور اس مطلب کی طرف آیات اور روایات میں توجہ دلائی گئی ہے۔

اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَيۡـًٔا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ۝۸۲[۲]

امرِ الٰہی کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کے وجود کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف اس کے ارادے سے وہ چیز ہوجاتی ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

کن منه صنع وما یکون به المصنوع[۳]

خداوندمتعال کا ''امر کن'' عمل ہے اور ''یکون'' مصنوع ہے۔

ذاتِ توانا الٰہی اپنی آفرینش وخلقت میں وسائل اور اسباب کا محتاج نہیں۔کسی چیز کا اس کا ارادہ ہی وجود بخش دیتا ہے اور اس کے چاہنے سے خواہش وجود میں آجاتی ہے لیکن اس کی حکیمانہ مشیئت کا اس سے ضرور تعلق ہوتا ہے۔

کیونکہ جہان ہستی نظم وقانون کی اساس پر استوار ہے اور یہ بات بعید از قیاس ہے کہ وہ کائنات کے امور کو اپنے مقرر کردہ وسائل کے بغیر چلائے۔امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

---

[۱] پیدائش ومرگ خورشید ص ۲۰۳

[۲] یٰسین ۸۲۔

[۳] تفسیر صافی۔ص ۴۵۳

ابی اللہ ان یجری الا شیئا الا باسباب فجعل لکل شئ سببا [1]

اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا کہ وہ اشیاء عالم کو وسائل اور اسباب کے بغیر چلائے پس اس نے ہر چیز کے لئے کوئی سبب قرار دیا ہے۔

شفا بخشنے والا خدا ہے، البتہ اس فیض کا وسیلہ طبیب اور دوا ہے۔ رازق پروردگار عالم ہے لیکن رزق پانے کا طریقہ اور راستہ زراعت و کاشتکاری ہے۔ ہادی خدا ہے لیکن ہدایت الٰہی انبیاء کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچتی ہے۔ مختصر یہ کہ ذاتِ مقدس الٰہی نے حکمت اور مصلحت کے مطابق ارادہ فرمایا ہے کہ اس کائنات کے معاملات اور امور کو اسباب و وسائل کے ذریعے سے چلائے۔ لیکن اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے اپنے آپ سے قدرت کو سلب کرلیا ہے اور اس علل و اسباب کے دائرے سے ہٹ کر اپنے ارادے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا۔ بلکہ وہ عین قدرت اور تمام قدرت ہے اور قدرت اللہ تعالیٰ کی عین ذات ہے اور کبھی بھی اس سے جدا نہیں ہوسکتی۔ جس چیز کا ارادہ فرمائے وہ وجود میں آجاتی ہے اور وہ وسیلے اور اسباب کا محتاج نہیں ہے۔

قرآن مجید متعدد آیات کے ضمن میں اس جہان کی نابودی کی خبر دیتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ جب اس جہان کی 'اجل' آن پہنچے گی اور اس دنیا کی عمر اختتام کو پہنچے گی تو آفتاب تاریک ہوجائے گا اور اس کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔ ستارے گر پڑیں گے۔ ارضی وسماوی زندہ موجودات کو نہ آلے گی۔ مختصر یہ کہ عالمِ خلقت کی یہ عظیم عمارت تباہ و برباد ہوجائے گی اور نظامِ آفرینش کا تمام نظام درہم برہم ہوجائے گا۔

اس بات کے پیش نظر کہ خداوند حکیم نے اس جہان کو علل واسباب کی بنیاد پر استوار فرمایا ہے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورج کے تاریک ہونے اور ستاروں کے پراگندہ ہونے کا سبب کیا ہے؟ کون سے وسیلے سے زمین و آسمان کی زندہ مخلوقات کی حیات کا خاتمہ ہوجائے گا؟ قرآن شریف نے اس سوال کا جواب تفصیلی طور پر تو نہیں دیا لیکن بعض آیات میں بعض ایسے نکات کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس فصل میں مختصر طور پر زیرِ بحث لائے جائیں گے۔ ان کے مطالعے اور تحقیق سے ممکن ہے اہلِ فکر ونظر کے لیے راستے کھل جائیں۔

کائنات کی نابودی کا سبب

کائنات کی نابودی کے وقت نوع بشر کی اچانک اور ہمہ گیر موت اور اسی طرح آسمانوں اور زمین کے زندہ

[1] کافی۔ ج ا، ص ۱۸۳

موجودات کی موت کے بارے میں دولفظ قرآنِ مجید میں استعمال ہوئے ہیں ایک ''صیحہ'' اور دوسرا ''نفخ''، یعنی اسرافیل کا صور پھونکنا، یہاں پر ہردوالفاظ کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

عربی لغت میں صیحہ کا معنی بلند اور چھا جانے والی آواز ہے۔اور اس دنیا کے خاتمہ پر روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان صیحہ کے ذریعے سے ہلاک ہو جائیں گے۔

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٠﴾ [1]

اس دن روئے زمین پر لوگوں کے لئے ایک مہیب اور وحشت ناک آواز گھیر لے گی۔ جب وہ بازاروں میں خرید و فروخت میں سرگرم ہوں گے اور آپس میں بحث و گفتگو کررہے ہوں گے جھگڑ رہے ہوں گے کہ اس صیحہ کی تباہ کن موجیں انہیں آلیں گی اور وہ اس تیزی کے ساتھ پٹخے جائیں گے اور ہلاک ہوں گے کہ اس بات کی طاقت نہیں رکھتے ہوں گے ایک دوسرے کو وصیت کرسکیں یا چند لمحوں کے لئے اپنے گھروں کو چلے جائیں اور اپنے گھر والوں کو دیکھ سکیں۔

ناگہانی صیحہ

فی الحدیث تقوم الساعة والرجلان قد نشرا ثوبهما یتبایعانه فما یطویانه حتی تقوم۔ والرجل یرفع اکلته الی فیه فما تصل الی فیه حتی تقوم والرجل یلیط حوضه لیسقی ماشیته فما یسقیها حتی تقوم۔ [2]

حدیث میں آیا ہے کہ جب کائنات کی فنا کا وقت آن پہنچے گا تو دو اشخاص جنھوں نے اپنے لباسوں کو فروخت کرنے کے لیے پھیلایا ہوگا۔ چنگھاڑ ان کو لپیٹنے اور سمیٹنے کی مہلت نہیں دے گی۔ دوسرا شخص جس نے منہ میں ڈالنے کے لیے لقمہ اٹھایا ہوگا چنگھاڑ اس کو منہ میں ڈالنے کی مہلت نہیں دے گی۔ اور گڈریا جو اپنے ریوڑ کو تالاب کے کنارے سیراب کرنے کے لیے لایا ہوگا چنگھاڑ اسے اس بات کی فرصت نہیں دے گی۔

قال ذلك فی آخر الزمان یصاح فیهم صیحة وهم فی اسواقهم یتخاصمون

---

[1] سورہ یٰسین۔ ۴۹، ۵۰

[2] تفسیر مجمع البیان، جلد ۷، ۸ ص ۴۲۷

فیموتون کلھم فی مکانھم لا یرجع احد منھم الی منزلۃ ولا یوصی لوصیۃ۔ [1]

امام علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرماتا ہے: آخری زمانے میں لوگوں کے درمیان ایک صیحہ گونجے گی۔ جب وہ اپنے بازاروں میں کاروبار کررہے ہوں گے اور لڑ جھگڑ رہے ہوں گے سب اپنی اپنی جگہوں پر مرجائیں گے ان میں کوئی بھی اپنے گھر تک واپس نہیں جاسکے گا اور نہ ہی کوئی وصیت کرسکے گا۔

گذشتہ امتوں کی ہلاکت

جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے بعض گذشتہ اقوام اور ملل کو گناہ اور ناپاکی کی وجہ سے صیحہ کے ذریعے سے ہلاک کیا ہے۔ ان میں سے اکثر انبیاء الٰہی سے دشمنی رکھتے تھے اور ان سے جھگڑتے تھے، مختلف انداز میں ان کی ہتک اور توہین کرتے تھے ان کو آزار و تکلیف پہنچاتے تھے اور ان پر مظالم ڈھاتے تھے۔ انہوں نے بعض انبیاء کو اس حد تک ستایا کہ ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور انہوں نے درگاہِ الٰہی میں ظالم لوگوں کو سزا دینے کی درخواست کی اور جسے نبی زمان کی درگاہ الٰہی میں درخواست منظور ہوگئی ہے تو حکم آیا کہ پیغمبر اپنے پیروکاروں سمیت شہر کو ترک کردیں اور عذاب کے مستحق لوگوں سے کنارہ کش ہوجائیں۔ پھر وعدے کے مطابق مقرر وقت پر عذابِ الٰہی نازل ہوا اور وہ ہلاک ہوگئے۔

ظالم قوم کی موت

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ [2]

اور جب عذاب کا وقت آن پہنچا، تو ہم نے شعیب اور ان لوگوں کو جو اس پر ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بلاؤں کے محیط سے نجات دی۔ پھر اس کے بعد ہمیشہ کے لئے سلا دینے والی صیحہ نے ظالموں کو گھیر لیا اور جب صبح ہوئی تو ان کے مردہ اور بے جان جسم زمین پر پڑے تھے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾ [3]

چنگھاڑ نے حق و عدالت کی اساس پر قوم ہود کو گھیر لیا اور ان کو خشک پودوں کی طرح زمین پر دے پٹخا۔

---

[1] بحار، ج ۳ ص ۱۸۳

[2] سورہ ہود، آیہ ۹۴۔

[3] سورہ المؤمنون، آیہ ۴۱۔

زمین پر بس ظالم قوم رحمت باری تعالیٰ سے دور ہے۔

وَاَخَذَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الصَّیۡحَۃُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیَارِہِمۡ جٰثِمِیۡنَ ﴿٦٧﴾[١]

صالح کی قوم اپنے ظلم وستم کی وجہ سے صیحہ کے عذاب میں مبتلا ہوگئی جس کی وجہ سے وہ مر گئے اور انہوں نے اس حالت میں صبح کی کہ ان کے بے جان اور مردے جسم زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

حضرت صالحؑ کی قوم اور صیحہ جبرئیل

حضرت امام صادق علیہ السلام نے ایک مفصل حدیث میں صالحؑ کے کام اور اس کی قوم کی تشریح فرماتے ہوئے آخر میں عذاب صیحہ کو یوں بیان فرمایا:

فلما كان نصف الليل اتاهم جبريل فصرخ لهم صرحة خرقت تلك الصرخة اسماعهم وخلقت قلوبهم وصدعت اكبادهم فماتوا جميعا فى طرفة عين صغيرهم و كبيرهم۔[٢]

جیسے ہی آدھی رات کا وقت ہوا جبریلؑ ان کے پاس آئے اور بہت بڑی چنگھاڑ بلند کی۔ جس کی وجہ سے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ دلوں میں شگاف پڑ گئے اور جگروں میں سوراخ ہو گئے اور اس حادثے کے پیش آنے کی وجہ سے وہ سب چھوٹے بڑے چشم زدن میں مر گئے۔

قرآن حکیم نے ایسی چنگھاڑوں کی حکایت کی ہے جنہوں نے بعض گذشتہ ظالم اور گناہگار قوموں کو ہلاک کیا ہے۔ یہ سب مقامی تھیں۔

اور ان میں سے ہر ایک کسی ایک شہر کے لوگوں کی نابودی اور موت کا باعث بنیں لیکن وہ چنگھاڑ جو کائنات کے فنا کے وقت بلند کی جائے گی وہ عالمی اور ہمہ گیر ہے اور اس کی مہلک اور سخت امواج اس کرۂ خاکی کو پورے طور پر گھیر لیں گی اور روئے زمین کے تمام انسان ان امواج کے دباؤ کے باعث ایک ہی ساتھ ہلاک ہوجائیں گے اور انسانی نسل بہت کم مدت میں نابود ہوجائے گی۔

---

[١] سورہ ہود، آیہ ٦٧

[٢] تفسیر برہان۔ ج ٢، ص ٢٢٦

بم دھماکے کی صدا

پہلے وقتوں میں سب سے بڑی آواز جو کبھی کبھار انسان کو سنائی دیتی وہ بادل کی گرج تھی۔لیکن اس ایٹمی دور میں کبھی جیٹ طیاروں کی شدید آواز کانوں سے ٹکراتی ہے اور کبھی کسی مقام پر طاقت ور بم پھٹتے ہیں۔ان کی آواز نسبتاً دور دور تک سنائی دیتی ہے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ کبھی بم کے دھماکے کی شدت سے اطراف کی عمارتوں کے شیشے ٹوٹ جاتے ہیں اور کبھی نزدیک کی دیواریں گر جاتی ہیں یا عمارتوں میں شگاف پڑ جاتے ہیں اور کبھی عمارتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔

سائنس دان اور صوتی لہریں

بہت پہلے کی بات ہے کہ سائنس دانوں نے دوسرے طبیعی فزیکل PHYSICAL مسائل کی طرح صوتی لہروں پر غور و فکر کیا اور ان کو زیرِ مطالعہ قرار دیا اس بارے میں انہوں نے بہت زیادہ تحقیق اور ریسرچ کی ہے اور نتیجے کے طور پر مجہول حقائق سے آگاہ ہوئے اور نامعلوم اسرار سے پردہ اٹھایا۔اب تک انجام دیئے گئے تجربوں کی اساس پر صوتی امواج کی خاص حد تک شناخت ہو چکی ہے، اس پر بہت سی کتب تحریر میں لائی جا چکی ہیں اور آج خشکی اور سمندر میں ان سے مختلف شکلوں میں مختلف مقاصد کے لئے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔

صوتی امواج کے ذریعے سے بہت تیزی کے ساتھ سمندروں کی گہرائی کا اندازہ لگایا جاتا ہے امواج صوتی کے وسیلے سے دشمن کے سمندروں کے نیچے موجود اشیاء کو دور سے ہی پہچان لیا جاتا ہے۔صوتی امواج سے زمین کے اندر معدنیات کا کھوج لگایا جاتا ہے۔مختصر یہ ہے کہ صوتی لہروں کی بدولت اب تک فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی میں درخشاں نتائج حاصل ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے۔

انسان اور سمعی امواج

صوتی امواج کی بحث میں جو مطالب پیشِ نظر رکھے گئے ہیں ان میں سے ایک انسان کی حد سماعت کا تعین ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ اصوات جن کی (FREQUENCY) ایک سیکنڈ میں کم از کم ۱۶ اور زیادہ سے زیادہ ۱۶ ہزار ہو وہ عام انسانوں کے لئے قابلِ سماعت ہیں۔بعض نے اس حد کو کم از کم ۲۰ اور زیادہ سے زیادہ ۲۰ ہزار تک ذکر کیا ہے۔

بہر حال اس عالمِ طبیعت میں صوتی لہریں بہت زیادہ موجود ہیں لیکن انسان کی قوت سماعت محدود ہے وہ ان سب کو نہیں سن سکتا۔اس لئے سائنس دانوں نے انسان کی سماعت کو معیار قرار دیتے ہوئے کم از کم حد سے نیچے امواج کو زیر صوت اور زیادہ سے زیادہ حد سے اوپر امواج کو ماوراء صوت کا نام دیا ہے۔اور ان دو حدوں سے بیرون امواج اگرچہ وہ صوتی

امواج ہیں لیکن انسان کے کان ان کے سننے پر قدرت نہیں رکھتے۔ اور یہ محدودیت ذاتِ اقدس کے عظیم الطاف میں سے ایک ہے کیونکہ یہ محدودیت ذات انسان کی زندگی میں ذہنی آرام وسکون اور فکری آسائش کا باعث ہے۔

انسان کی قوتِ سماعت کی حدود

''جب آواز کی لہریں ایک سیکنڈ میں ۲۰ لہروں WAVES سے کم ہوتو مشکل سے سنائی دیتی ہیں البتہ مختلف اشخاص میں یہ قوت مختلف ہوتی ہے۔ بعض لوگ ۱۸ درجے کی لہروں کو صحیح طور پر سن لیتے ہیں۔''

''اگر ایک سیکنڈ میں ۵۰۔۱۰۰ تک لہریں ہمارے کانوں کی لہروں سے ٹکرائیں تو ہم کہیں کہ ہم درست طور پر آواز سن رہے ہیں۔ جتنا آواز کی لہروں میں اضافہ ہوگا ہم صدا کو اسی مقدار میں اچھے طریقے سے سنیں گے۔ البتہ کان کے پردے کی صلاحیت محدود ہے۔ یعنی جب لہریں ایک معین حد تک پہنچتی ہیں تو پھر اس سے آگے کانوں میں ان کے سننے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور یہ حد ایک سیکنڈ میں ۲۰ ہزار لہریں ہیں۔ اکثر کان ۲۰ ہزار لہروں سے زیادہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور اس حالت میں سکوت چھا جاتا ہے۔''[1]

''عام طور پر ایک سیکنڈ میں ۲۰ ہزار یا اس سے زیادہ دور (CYCLES) کی حامل لہروں کو ماوراصوت کہا جاتا ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ یہ ارتعاش (FREQUENCY) عام افراد کے لئے ہے۔ لیکن بچے ایک سیکنڈ میں ۳۰ ہزار دور کی حامل لہروں کو سن سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے ماوراءصوت لہروں کے لئے ۲۰ ہزار دور کی حد حتمی (EXACT) نہیں ہے۔

حیوانات کی قوت سماعت

بعض حیوانات کی بصارت اور سماعت انسان کی نسبت زیادہ قوی ہے۔ وہ ایسی آوازوں کو سن لیتے ہیں جن کو سننے کے لئے انسان کے کان قاصر ہیں۔ مثلاً زلزلہ آنے سے پہلے بہت سے وحشی حیوانات جنگلوں میں زیرِ زمین صوتی ارتعاشات کو سن لیتے ہیں اور خطرے کو بھانپ لیتے ہیں، اسی لئے وہ زلزلہ آنے سے پہلے اس علاقے کو ترک کر دیتے ہیں اور یوں اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں۔ کتاب صوت میں ہے:

''کتوں کو بلانے کے لئے ایسی آوازیں بنائی گئیں کہ جو ہمیں سنائی نہیں دیتیں۔ جب ان میں سے کسی آواز کو پہنچایا جاتا ہے تو گویا یوں لگتا ہے کہ کوئی آواز ہی پیدا نہیں ہو رہی۔ یہ آوازیں ماوراءصوت لہریں ایجاد کرتی ہیں اگرچہ انسان ان کو نہیں سن سکتا لیکن کتے ان کو سن لیتے ہیں۔''

---

[1] نجوم برائے ہمہ۔ ص ۶۰

''بہت سے اور حیوانات کچھ ایسی لہروں کو سن سکتے ہیں جو انسان کے لئے نا قابلِ سماعت ہیں اور اس کے لئے ماوراء صوت شمار ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر چمگاڈر کا نام لیا جا سکتا ہے۔ یہ پرندہ ۱۴۵ ہزار دور فی سیکنڈ والی ارتعاش کو سن لیتا ہے۔''[1]

صوتی لہریں اور جاندار

آواز کی لہروں کے اثرات پر کئے جانے والے تجربات جنہوں نے بہت سی مجہول حقیقتوں کو معلوم کیا ہے۔ یہ ایسی آزمائشیں (EXPERIMENTS) ہیں جو سائنس دانوں نے جانداروں کے بارے میں انجام دی ہیں۔ اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ اگر وہ بہت سے مجہولات سے آگاہ ہو گئے ہیں اور انہوں نے نہایت اچھے نتائج حاصل کئے ہیں۔ مستقبل میں بھی وہ امید رکھتے ہیں کہ نئے انکشافات ہوں گے اور مزید چھپے ہوئے حقائق ان پر آشکار ہوں گے۔

ماورائے صوت کی شعاعوں کے اثرات

کتاب چہ می دانیم؟ ماوراء صوت میں ہے کہ پہلے پہل ماوراء صوت کے زندگی کے آثار کا مشاہدہ ''پی لانژون'' نے کیا ہے۔ اس نے ایک کیلوواٹ کی طاقت کو پانی میں بھیج کر تجربہ کیا کہ وہ ہاتھ جو ماوراء صوت کی شعاعوں کو زد میں آیا ہے اس میں اسے جلن کی طرح کا تیز درد محسوس ہوا۔ مچھلیاں بھی شعاعوں کی زد میں لائی گئیں وہ ان کے سامنے نہ ٹھہر سکیں اور بہت جلد ختم ہو گئیں اور اسی طریقے کے تجربے کے ذریعے سے مینڈکوں کو بھی ختم کیا جا سکتا ہے۔

ماوراء صوت کے حیاتیاتی BIOLOGICAL) اثرات کی طرف آخری چند سالوں میں بہت زیادہ توجہ دی گئی ہے اور کسی شک وتردد کے بغیر مستقبل قریب میں اس کے روشن نتائج کی توقع ہے جن کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ان چند جملوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ماوراء صوت لہریں کہ جن کے سننے سے انسانی کان عاری ہیں، جانداروں میں گہرا اثر کرتی ہیں۔ اور اگر انسان کا کوئی عضو ان شعاعوں کی زد میں آجائے تو اسے سوزش و درد سے دوچار کر سکتی ہیں اور اسی طرح مچھلیوں اور مینڈکوں کی زندگی کو ختم کر سکتی ہیں۔

مار دینے والی صیحہ اور کائنات کی فنا

اگرچہ سائنسی لحاظ سے صوتی امواج کا وسیع معنی ہے اور اس کے تمام درجات اور مراتب پر مشتمل ہے۔ خواہ اس کی

---

[1] کتاب صوت۔ ص ۵۷

حدود متوسط ہوں کہ انسان کے کان اس کو سن سکیں۔خواہ یہ حدود زیر صوت اور ماوراء صوت ہوں کہ انسان کی قوت سامعہ جنہیں اپنی گرفت میں نہ لے سکے اور انسان ان کے سننے سے عاجز ہو۔لیکن وہ مہلک اور سخت چنگھاڑ جو اس کائنات کی نابودی کے وقت پورے عالم میں گونجے گی اور وہ تمام عالم کو گھیر لے گی۔ یہ صوتی لہروں کی وہ قسم ہے جسے روئے زمین پر بسنے والے انسان سن سکتے ہیں۔اس کی شدت اور اثرات اس قدر سخت ہوں گے کہ ان کی وجہ سے یک لخت تمام حیوان اور انسان ہلاک ہوجائیں گے،عمارتیں مٹی کا ڈھیر بن جائیں گی،آبادیاں ویران اور پہاڑ ریزہ ریزہ اور ہمارے سیارے کا تمام نظام ختم ہوجائے گا۔درحقیقت یہ کہا جاسکتا ہے یہ صیحہ حیرت انگیز اور ناقابلِ تصور ہے۔اور ذات پروردگار کے اس کائنات کی عمر کے خاتمے اور جہان کی تمام زندہ مخلوقات کی ہلاکت کے فرمان کے جاری ہونے کا وسیلہ ہے۔

محشر کے دن دوسری صیحہ

روزِ محشر ایک اور صیحہ بکھراں فضا پر چھا جائے گی اور یہ آواز سنائی بھی دے گی۔البتہ یہ صیحہ نابود کرنے اور مارنے والی نہیں ہوگی بلکہ مردوں کے زندہ کرنے اور قبروں سے باہر آنے کے لئے خدا کے امر تکوینی کے پہنچانے کا ذریعہ ہوگی۔

قرآن شریف نے اس بارے میں فرمایا ہے:

يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝۴۲ [1]

جس دن لوگ قیامت کے بپا ہونے کا صیحہ برحق سنیں گے۔اس دن افراد قبروں سے باہر نکلیں گے اور عالمِ محشر میں قدم رکھیں گے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس دنیا کے اختتام پر جو چیز عالم کو ویران کردے گی اور انسان اور دیگر جانداروں کی زندگی کا خاتمہ کردے گی وہ مار دینے والی صیحہ یا بہت زیادہ طاقت ور صوتی لہریں ہیں کہ جن کی آواز سب جگہ پر پہنچ جائے گی اور یہ ایک تکوینی عامل کی صورت میں ذات اقدس الٰہی کے فرمان کو اجراء کرے گی اور بہت ہی کم مدت میں اپنا یوں حیرت انگیز اثر چھوڑے گی۔

صور کا پھونکنا

قرآن حکیم میں دنیا کی نابودی کے وقت تمام انسانوں کی اچانک موت کا ایک ذریعہ صیحہ بتایا گیا ہے۔علاوہ ازیں صور پھونکنے کی خبر بھی دی گئی ہے۔نیز یاد دلایا گیا ہے کہ جیسے ہی صور پھونکا جائے گا تمام آسمانی اور زمینی موجودات ایک ساتھ

---

[1] سورہ ق ۴۲۔

مرجائیں گے مگر جن کا خداوند ارادہ فرمائے گا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ [1]

اور صور پھونکا جائے گا اور زمین و آسمان میں حیات کی نعمت سے بہرہ مند تمام موجودات صور کی شدید آواز سے مرجائیں گے۔ مگر ان کے علاوہ جن کی موت کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں فرمایا۔

صوتی لہروں کی پیدائش

صیحہ کی طرح صور کا پھونکنا صوتی لہروں کو پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ آیات اور روایات میں ملتا ہے کہ آخری زمانے میں نسلِ انسانی کی ہلاکت کی موجب صیحہ جس کی قرآن شریف نے بھی خبر دی ہے سے مراد وہی نفخ صور ہی ہے البتہ اس فرق کے ساتھ کہ خداوند نے صیحہ کے صرف ایک پہلو نوع بشر کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے اور نفخ صور (پھونکنے) کے بارے میں تمام پہلوؤں سے بات کی ہے اور فرمایا ہے: صور پھونکنے سے آسمانوں اور زمین کی تمام جاندار مخلوقات ایک ساتھ مرجائیں گی۔ اور روایات میں آیت نفخ کے ذیل میں انسانوں کی ہلاکت کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

اسرافیل اور صور کا پھونکا جانا

رسولِ اکرمؐ کا ارشاد ہے: اسرافیل کو پروردگارِ عالم کی طرف سے حکم دیا جائے گا کہ موت کے صور کو پھونکے اور اہلِ آسمان وزمین کی زندگی کو ختم کردے اس حالت میں کہ لوگ بالکل غافل ہوں گے:

فمن الناس من هو فى وطنه ومنهم من هو فى سفره ومنهم من يأكل فلا يرفع لقمة الى فيه حتى يخمد ويصعق ومنهم من يحدث صاحبه فلا يتم الكلمة حتى يموت فتموت الخلائق كلهم عن آخرهم واسرافيل لا يقطع صيحته فبحارها حتى تغور عيون الارض وانهارها وبناء ها واشجارها وجبالها ويدخل الكل بعضهم فى بطن الارض والناس خمود وصرعى فمنهم من هو صريع على ظهره ومنهم من هو صريع على جنبه ومنهم من هو صريع على خده ومنهم من تكون اللقمة فى فيه فيموت فما ادرك ان

---

[1] سورہ زمر۔ ۶۸۔

يبتلها... وتموت ملائكة السموات السبع والحجب والسرادقات وبقى جبريل وميكائيل واسرافيل وملك الموت عليهم السلام. [1]

جب صور پھونکا جائے گا تو اس وقت بعض لوگ حضر میں اور بعض سفر میں ہوں گے۔ بعض دسترخوان پر بیٹھے لقمہ اٹھا رہے ہوں گے اور ابھی منہ میں نہیں ڈالا ہوگا کہ وہ مر جائیں گے۔ بعض آپس میں گفتگو کر رہے ہوں گے کہ ان کی بات ختم نہیں ہوگی کہ شدید صور کی وجہ سے جان دے دیں گے۔ مختصر یہ ہے کہ سب لوگ مر جائیں گے اور جب تک تمام نہریں اور چشمے زمین میں دھنس نہ جائیں، تمام عمارتیں، درخت، پہاڑ اور سمندر درہم برہم ہو کر مٹی میں نہ مل جائیں اسرافیل اسی طرح صور پھونکتے رہیں گے۔ زمین پر پڑے ہوئے مردوں میں سے بعض اوندھے منہ بعض پہلوؤں کے بل اور بعض چت پڑے ہوں گے۔ بعض کے منہ میں لقمہ ہوگا کہ چنگھاڑ نے اس کو اندر لے جانے کی مہلت نہ دی ہوگی۔ صور کا پھونکنا جاری رہے گا اور اس کے اثر سے آسمانوں اور حجابوں پر مامور اور دوسرے فرشتے سب مر جائیں گے فقط جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل باقی رہ جائیں گے۔

پروردگار کا حکم تکوین

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ صور کی صدا اور اس کی لہریں اتنی کم مدت میں آسمانوں اور زمین پر پہنچ جائیں گی اور تمام سماوی وارضی مخلوقات کو ہلاک کر دیں گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیز اہل آسمان اور زمین سے حیات سلب کرے گی وہ کلمۃ اللہ یعنی موت کا تکوینی حکم ہے کہ جو ربوبیت کے بلند و بالا مقام سے صادر ہوگا اور فرمانِ الٰہی زبان و مکان کی حدود میں محصور نہیں ہوتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ارادہ الٰہی یہ ہو کہ وہ اپنے تکوینی امر کا عام وسائل کے ذریعے سے اجراء کرے، اس صورت میں اسرافیل صور پھونک کر کس طرح اس حکم کے جاری ہونے کا سبب بن سکتا ہے۔ اور کس طرح بہت ہی تھوڑی مدت میں آسمانوں اور زمین کے تمام باسیوں کی حیات کو ختم کر سکتا ہے؟

---

[1] تفسیر برہان۔ جلد ۴، ص ۸۵

سائنسی ترقی اور مسئلے کا حل

حقیقت یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ ''صور'' کس طرح کا وسیلہ ہے اور کس طرح سے مہلک لہروں کو قلیل مدت میں تمام آسمانوں اور زمین پر پہنچا دے گا اور تمام جانداروں کو نیست و نابود کر دے گا۔ البتہ موجودہ دنیا میں، انسان کو مختلف علوم میں حاصل ہونے والے انکشافات کی وجہ سے ایک حدتک مجہول اور نامعلوم مسائل واضح ہوئے ہیں، دشمنوں کے عناد اور تکذیب میں کسی حدتک کمی واقع ہوئی ہے۔ اور یہ بات صاف ذہن رکھنے والے افراد کے لئے بعض دینی حقائق سمجھنے کا سبب بنی ہے۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ:

صوتی لہروں کی پیدائش اور ان کا منتشر ہونا ایسے انکشافات میں سے ہیں جو کسی حدتک صور پھونکنے اور موت والی صیحہ (آواز) کے حوالے سے پیش آنے والے سوال کا جواب بن سکتے ہیں اور اس مجہول کی شناخت میں لوگوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

اس صنعتی دور میں طاقت ور بموں کے دھماکوں کی وجہ سے بہت زیادہ قوی اور بہت زیادہ شدید صوتی لہریں پیدا ہوتی ہیں جو کانوں میں سنائی دیتی ہیں۔ ان دھماکوں سے دور و نزدیک کی عمارتوں میں رہنے والوں افراد یا ان کے اردگرد سڑکوں پر گزرنے والے افراد پر کم یا زیادہ برے اثرات اور کبھی کبھار تو خطرناک اور مہلک اثرات پڑتے ہیں۔ بعض ہمیشہ کی نیند سو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ سائنس و ٹیکنالوجی میں پیش رفت اور ترقی کے باعث سائنسدانوں نے ایک طرف تو فنی وسائل کے ذریعے سے ماوراء صوت لہروں کی تعداد میں مطلوبہ مقدار کے مطابق اضافہ کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے اور دوسری طرف وہ پیدا شدہ ماوراء صوت لہروں کو بجلی کی توانائی سے بہت تیزی کے ساتھ بہت وسیع سطح پر منتشر کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

جیسا کہ آواز کے بارے میں ایک کتاب میں لکھا ہے:

ماورائے صوت کی تجربہ گاہیں

''فی الحال ماوراء صوت [1] کی تجربہ گاہوں میں عام طور پر ایسی آوازیں پیدا کی جاتی ہیں جس کی فریکونسی (FREQUENCY) دس کروڑ ہوتی ہے۔ یہ سادہ سی اطلاع ظاہر کرتی ہے کہ کس حدتک صوت کے تجربات میں وسعت پیدا ہوئی ہے اور توقع سے بڑھ کر علمی اور فنی نتائج حاصل ہوئے ہیں۔''

---

[1] ALTRASOUND WAVES

کتاب ''چہ میدانم؟ ماوراء صوت'' کے صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے۔

''ضمناً اب جب کہ لانژون کے طریقے نے ارتجاعی نوسالوں کو باری باری برقی نوسالوں میں تبدیل کرنے کی راہ کھول دی ہے بلند فریکونسی (FREQUENCY) پیدا کرنے والے اس فن نے آخری بیس سالوں میں بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ اور ماوراء صوتوں نے اس ترقی سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔

کتاب صوت کے صفحہ ۳۴ پر درج ہے کہ

جدید سونا[1] رساٹھ لاکھ فیرڈ کی شدت کے ساتھ صدائیں صادر کر سکتے ہیں۔ اور سمندر کی تہہ میں موجود چیز کا چند کلومیٹر دور سے تشخیص کر سکتے ہیں۔ اس کے باوجود سمندر کی تہہ میں کھوج لگانے والے آلات ابھی تک ترقی کے مراحل میں ہیں ایسی ترقی جو سمندر میں دشمن کی آبدوزوں کا ہزاروں کلومیٹر دور سے پتہ لگا لے۔ یہ پروگرام اس امر کے درپے ہے کہ ایک ایسا آواز پیدا کرنے والے عظیم آلے کو زیر استعمال لایا جائے جو برقی توانائی کو صوتی لہروں میں تبدیل کر دے۔[2]

ہم جانتے ہیں کہ صوتی لہروں کی رفتار نسبتاً کم اور ان کی رینج (RANGE) کوتاہ ہے۔ اور جیسے ہی فاصلہ محدود حد سے بڑھ جائے آواز سنائی نہیں دیتی لیکن موجودہ دور کا انسان۔ اپنی عقل اور تجربے کی بنا پر برقی توانائی اور فنی وصنعی آلات کے وسیلے سے ریڈیو کی آواز کو حیران کن رفتار سے پوری دنیا میں منتشر کر سکتا ہے اور اس کو ایک ہی لمحے میں دنیا کے دور ترین مغربی نقطے سے مشرق کے کروڑوں انسانوں کے کانوں تک پہنچا سکتا ہے۔ سائنسی معلومات کے ایک رسالے میں لکھا ہے:

''کون آواز کو پہلے سنتا ہے؟ ریڈیو کے سٹوڈیو میں بولنے والے شخص سے دس میٹر کے فاصلے پر ایک اور آدمی بیٹھا ہے۔ جب وہ بولنا شروع کرتا ہے کیا یہ شخص جو بولنے والے سے دس میٹر کے فاصلے پر ہے پہلے آواز سنے گا یا وہ شخص جو سوا کلو میٹر دور ریڈیو کو سن رہا ہے؟

ہوا میں آواز کی رفتار ۳۴۰ میٹر فی سیکنڈ ہے اور روشنی کی رفتار ۳۰۰،۰۰۰ کیلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔ دوسرے الفاظ میں آواز کی رفتار روشنی کی رفتار سے ۱۰ لاکھ درجے سست ہے اور چونکہ ریڈیو کی لہروں کی سپیڈ روشنی کی سپیڈ کے مساوی ہے اس لئے ریڈیو کی امواج لاکھوں درجے پہلے پہنچ جاتی ہیں۔[3]

قرآن شریف اور اسلامی روایات میں ''صور'' کے لفظ سے یاد دلایا گیا ہے کہ دنیا کی فنا کے وقت اسرافیل اس میں پھونکے گا اور اس طرح اہلِ آسمان وزمین کی موت کے متعلق اللہ تعالیٰ کے تکوینی حکم کو عملی جامہ پہنائے گا اور صور کی ہولناک

---

[1] یہ سمندری آبدوزوں کا سراغ لگانے کے لئے رڈار کی طرح کا آلہ ہوتا ہے۔

[2] کتاب صوت۔ ص ۳۴۔

[3] دانستینہای جہانِ علم۔ ص ۷

شدت سے سب مرجائیں گے۔

صورِ اسرافیل کیا ہے؟

صور لغت میں ایسی شاخ کو کہتے ہیں جس میں پھونکا جاتا ہے (الصور بالضم القرآن ینفخ فیه) جو یہ بات نہیں جانتا تھا کہ صور کیا ہے؟ اور کس طرح اس میں پھونکنے سے مہلک آواز پیدا ہوگی اور وہ کس طرح کوتاہ مدت میں تمام آسمانوں اور زمین کو گھیر لے گی اور ہر جاندار کو ہلاک کر دے گی اس کی جستجو اور تلاش کی حس نے اسے ابھارا کہ وہ صور کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرے۔

صورِ نور کی شاخ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ نور کیا ہے؟

"فقال: قرن من نور التقمه اسرافیل۔ [۱]"

آپؐ نے جواب میں فرمایا: صور نور کی ایک شاخ ہے جو اسرافیل کے منہ میں ہے۔"

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ:

"الصور قرن من نور فیه اثقاب علی عدد ارواح العباد۔" [۲]

امام سجاد علیہ السلام سے ایک حدیث مروی ہے کہ:

ان الصور قرن عظیم له راس واحد و طرفان و بین طرف الاسفل الذی یلی الارض الی طرف الاعلیٰ الذی یلی السماء مثل ما بین تخوم الارضین الی فوق السماء السابعة فیه اثقاب بعدد ارواح الخلائق۔ [۳]

صور ایک بہت بڑی شاخ ہے جس کا ایک سر اور دو طرف ہیں۔ اس کے زمین کی طرف والے سرے کا آسمان کی طرف والے سرے کا آپس میں فاصلہ زمین کی گہرائیوں اور آسمان کی انتہا بلندیوں جتنا ہے۔ اور اس صور میں مخلوق کی ارواح کی تعداد جتنے سوراخ ہیں۔

---

[۱] علم الیقین۔ص ۸۹۲

[۲] لئالی الاخبار۔ص ۴۵۳

[۳] لئالی الاخبار۔ص ۴۵۳

مذکورہ صور پھونکنے اور اس کے مہلک اثرات کے بارے میں جو سوال پیش آیا وہ یہ تھا کہ صوتی لہروں کی رینج محدود ہے اور یہ تھوڑے سے فاصلے پر ختم ہو جاتی ہیں۔ اگر مشیت ایزدی یہ ہو کہ آخری زمانے میں تمام اہل آسمان اور زمین کی موت عام طریقے سے اور ایک طبیعی امر سے وقوع پذیر ہو تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک محدود رینج والی پروردگار عالم کے تکوینی حکم کو عملی جامہ پہنا سکے اس کی ہولناک لہریں تمام آسمانوں اور زمین کو گھیر لیں اور ایک ہی لمحے میں تمام ارضی وسماوی جانداروں کی زندگی کا خاتمہ کر دیں۔

نور اور صوتی لہروں کا منتشر ہونا

ہمیں معلوم نہیں کہ ان چند اور ان کی طرح دیگر روایات جو کہ احادیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں سے صدرِ اسلام کے لوگ کیا سمجھتے تھے اور کس طرح اپنے ذہنوں میں اس کی توجیہ اور تفسیر کرتے تھے البتہ ہمارے دور کے لوگ جو روشنی کی رفتار سے آگاہ ہیں اور دن رات روشنی کے پرتو میں ساری دنیا کی صوتی لہروں کو سن رہے ہیں۔ ان روایات کو ایک اور نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ ان کی تفسیر و توجیہ خاص عقل و دانش کے ساتھ کرتے ہیں اور ان روایات سے انھوں نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ صور پھونکنے اور تمام اہلِ آسمان اور زمین کی ایک ساتھ موت کے بارے میں پیدا ہونے والے اعتراض کا بھی جواب ہو سکتا ہے۔

پہلی حدیث میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: صور یعنی اسرافیل کی آواز کو پھیلانے کا وسیلہ نور اور روشنی ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اس کے علاوہ کہ صور نور سے ہے اس میں خدا کے تمام بندوں کی روحوں کے برابر سوراخ اور راستے ہیں۔

تیسری حدیث میں امام سجاد علیہ السلام نے صور کی عظمت اور بڑائی بیان فرمائی ہے:

ایک ایسا وسیلہ ہے کہ اسرافیل کے کنٹرول میں دیا جائے گا، اس کا ایک سر اور دو طرف ہیں پھر آپؑ نے اس کی وضع قطع کو اس انداز سے بیان فرمایا ہے کہ حدیث کا قاری سمجھ جاتا ہے کہ صور تمام اطراف عالم پر محیط اور مسلط ہے اور حقیقت میں اس نور کی بھیجی جانے والی طاقت ور لہریں تمام آسمانوں اور زمین کو اپنے تحت لے لیں گے۔ اس لحاظ سے جب اسرافیل اس میں پھونکیں گے اور ذاتِ اقدس الٰہی کی طرف سے اپنی انتہائی شدید آواز میں موت کا اعلان کریں گے تو اس وقت یہ آواز روشنی کی لہروں کی مدد سے ایک ہی لمحے میں تمام علوی و سفلی عوالم تک پہنچ جائے گی اور آسمانوں اور زمین کے باسی سب کے سب مر جائیں گے۔ بعد میں آنے والی فصل میں دی گئی شرح کے مطابق اسرافیل قیامت کے برپا ہونے کے لیے لوگوں کو زندہ کرنے کے لیے بھی صور پھونکیں گے اور ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے اولین و آخرین مخلوق کے زندہ ہونے کے حکم کو اسی نور کے وسیلے سے پہنچائیں گے۔

مشرک اور موحد کی موت میں فرق

یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس روایت میں دوسری روایت کی طرح صور میں خدا کے بندوں کی ارواح کے برابر سوراخ ذکر کئے ہیں۔ شاید ان دو حدیثوں میں اس جملے سے مراد یہ ہو کہ دنیا میں آخری زمانے کے لوگوں کی موت اور قیامت میں تمام انسانوں کا زندہ ہونا یکساں نہیں ہے۔ جیسا کہ موحدوں اور مشرکوں کی، مومنوں اور کافروں کی، پاکوں اور ناپاکوں کی، موت رحمت وعذاب کے لحاظ سے متفاوت ہے اور عزرائیل ہر شخص کی روح کو اس کے عمل اور نیت کے تناسب سے سختی یا آرام کے ساتھ قبض کرتا ہے اسی طرح اسرافیل کے صور پھونکنے سے، دنیا کے خاتمے کے وقت بھی اچھے اور برے انسانوں کی ایک سات موت، رنج اور راحت کے لحاظ سے ایک جیسی نہیں ہوگی۔ اگرچہ اسرافیل آخری زمانے کے سب انسانوں کی موت کے الٰہی حکم کو ایک ہی صور پھونکنے سے جاری کریں گے۔ لیکن ہر فرد اسرافیل کی چنگھاڑی لہروں کو جو کہ الٰہی فرمان ہے نورانی صور میں موجود اپنی روح کے مخصوص سوراخ سے سنے گا۔

مذکورہ آیات اور روایات سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ مشیتِ الٰہی یہ ہے کہ دنیا کی فنا اسرافیل چنگھاڑ اور صور میں پھونکنے سے انجام پائے اور اسرافیل کی چنگھاڑ سے پیدا ہونے والی طاقت ور صوتی لہریں نورانی صور کے وسیلے سے منتشر ہوں۔ اور یہ لہریں اس قدر شدید اور ہمہ گیر ہوں گی کہ تمام آسمانی وزمینی جاندار مخلوقات ان کے مہلک اثرات کے ساتھ ہلاک ہوجائیں گے، زمین متزلزل ہوجائے گی، عمارتیں زمین بوس ہوجائیں گی، پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر گردوغبار کی طرح ہوا میں پھیل جائیں گے۔

ایک مجہول مطلب

کیا دنیا کی فنا میں، سورج کو تاریک کرنے والا، ستاروں کو پراگندہ کرنے والا، آسمانوں کو آپس میں ٹکرا دینے والا اور اس منظم جہان کو خاتمہ دینے والا، طاقت ور ترین عامل وہی صور پھونکنے کی شدید ضرب اور اس کی ہولناک صوتی لہریں ہوں گی یا حوادث کا کوئی اور سبب ہوگا۔ دینی اور سائنسی نظر سے یہ حقیقت ابھی تک مجہول اور نامعلوم ہے۔ قرآن مجید نے نہ تو اس کی وضاحت کی ہے اور نہ اس پنہاں راز کو آشکار کیا ہے اور سائنس کی ترقی بھی اس مجہول کو معلوم نہیں کرسکی اور نہ ہی اس نے سائنسدانوں کو جہان کے مستقبل کے حالات وواقعات سے آگاہ کیا ہے۔

جہان شناسی کے بعض سائنس دانوں کی کتب میں جو کچھ اس بارے میں کہا گیا ہے وہ سورج کے اچانک دھماکے کا احتمال ہے۔ اس احتمال کا باعث بعض ستاروں میں کبھی کبھار ہونے والے دھماکوں کا مشاہدہ ہے جس کے نتیجے میں اچانک کوئی

ستارہ حیرت انگیز طور پر ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا ہے۔ اسی چیز نے سائنس دانوں کی توجہ اس عظیم تباہ کن حادثے کے وقوع پذیر ہونے کے امکان کی طرف مبذول کرائی ہے۔

جناب جارج گاموف نے اس بارے میں یوں کہا ہے:

''جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک ستارہ بالکل پرسکون اور غیر قابل توجہ ہے اور وہ کسی بھی لحاظ سے دوسرے لاکھوں ستاروں سے فرق نہیں رکھتا، اچانک چند گھنٹوں میں وہ ایک ہولناک دھماکے کا شکار ہوجاتا ہے۔ لامحالہ طور پر یہ فکر ذہن میں پیدا ہوتی ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہمارا سورج آج یا کل یا آئندہ برس میں ایسی ہی بلا ومصیبت سے دوچار ہوجائے؟ اگر کسی بدقسمت دن سورج ایک نیا ستارہ بننے کا فیصلہ کرلے، اس دن زمین اور اسی طرح دوسرے تمام سیارے ایک دم لطیف و باریک گیس کی صورت میں تبدیل ہوجائیں گے۔ یہ حادثہ اتنی تیزی سے وقوع پذیر ہوگا کہ کسی کو اتنی فرصت بھی نہیں ملے گی کہ وہ سمجھے کہ ہوا کیا ہے؟''[1]

''بعض دوسرے ستاروں میں دھماکوں کی بناء پر سورج کے پھٹنے کا امکان ایک فرضی موازنے اور ایک احتمال بدون دلیل کے علاوہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ خلائی سائنسدان خود معترف ہیں کہ ابھی تک وہ علم کی نارسائی کی وجہ سے ستاروں میں دھماکوں سے پہلے ان میں پیدا ہونے والی علامتوں اور نشانیوں کو نہیں جان سکے کہ ان علامتوں کی سورج میں چھان سکیں۔ اور نہ ہی وہ ستاروں میں دھماکوں کے سبب سے آگاہ ہیں کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ ممکن ہے وہ سبب سورج میں بھی موجود ہو جو اس کے پھٹنے کا موجب بنے۔''

انسانی علم کی نارسائی

مذکورہ سائنسدان ہی نے مزید لکھا ہے:

''اس بات کو کشف کرنے کے لیے کہ کیا ہمارا سورج اس وقت پھٹنے والی حالت رکھتا ہے یا نہیں مستقیم طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کی خصوصیات کا دوسرے ستاروں جو پھٹنے والے ہیں، کی خصوصیات سے موازنہ کیا جائے اس طرح کے موازنے سے ممکن ہے پھٹنے کے قریب ستاروں کی علامتوں سے تھوڑی سی بات معلوم ہوجائے اور اس کا سورج میں فقدان اس بات کا ضامن ہوگا کہ یہ فلکی نیر نسبتاً طولانی مدت تک اپنی پائیدار حالت کو برقرار رکھے گا۔ افسوس کے ساتھ کہنا چاہیے کہ فی الحال ستاروں کے پھٹنے سے پہلے مراحل کے بارے میں ہمیں کافی معلومات نہیں ہیں۔ اس طرح یہ بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ ہم ستاروں سے پھٹنے کے اسباب سے بھی بالکل ناآگاہ ہیں اور ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ مستقبل دور یا

---

[1] پیدائش ومرگ خورشید ص ۱۹۶، ۱۹۸ اور ۲۰۵ (یہ کتاب کے فارسی ترجمے کا حوالہ ہے)۔

نزدیک میں ستاروں کی مانند سورج بھی پھٹ جائے گا یا نہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ایسا سانحہ پیش نہیں آئے گا۔"[۱]

مختصر یہ ہے کہ اس وقت آفتاب اور ستاروں کی موت اور نظام کائنات کے درہم برہم ہونے کی کیفیت کے بارے میں انسان کچھ نہیں جانتا۔ البتہ آسمانوں اور زمین میں حیات کے خاتمے اور اسی طرح کرۂ زمین کے انجام کے بارے میں کی گئی وضاحت کے بناء پر اسلام کے پیروکار آیات و روایات کے ذریعے سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کائنات کی فنا میں اسرافیل حکمِ الٰہی سے صور پھونکیں گے اس اسرافیل کی چنگھاڑ سے شدید صوتی لہریں پیدا ہوں گی جو بہت ہی کم وقت میں تمام علوی و سفلی عوالم پر چھا جائیں گی، اہلِ آسمان کو مار دیں گے، تمام انسانوں اور دوسرے زمینی جانداروں کو ہلاک پہاڑوں کو ریزہ ریزہ اور زمین کو ویرانے میں تبدیل کر دیں گے۔

اہلِ آسمان و زمین کی ہلاکت

اہلِ آسمان کی موت کے بارے میں حدیث میں آیا ہے:

لا یبقی بعد النفخة الاولیٰ الا جبریل ومیکائیل واسرافیل وملك الموت۔[۲]

اسرافیل کے پہلے نفخہ کے بعد تمام آسمان والے ہلاک ہو جائیں گے اور کوئی بھی باقی نہیں رہے گا مگر جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت۔

اہل زمین کی موت کے بارے میں آیا ہے:

فاذا سمعوا صوت الصور تقطعت قلوبهم واکبادهم من شدته فیموتون دفعة واحدة۔[۳]

جب روئے زمین پر بسنے والے صور کی آواز سنیں گے اس کی شدت سے ان کے دل اور جگر پارہ پارہ ہو جائیں گے اور وہ سب ایک ہی دفعہ مر جائیں گے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿۱۴﴾[۴]

ایک دن ایسا آئے گا کہ زمین اور پہاڑ متزلزل ہو جائیں گے اور ان کے اس شدید تزلزل کی وجہ سے

---

[۱] پیدائش و مرگ خورشید، ص ۱۹۶، ۱۹۸، ۲۰۵

[۲] لئالی الاخبار، ص ۴۵۴، ۴۵۵

[۳] لئالی الاخبار، ص ۴۵۴، ۴۵۵

[۴] المزمل۔ ۱۴۔

محکم واستوار پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اور ریت کے ذروں کی طرح اڑتے پھریں گے۔

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

فمن شدة صيحة اسرافيل تتحرك الارض من مشرقها الى مغربها فلا يبقىٰ عليه بناء الا انهدم [1]

اسرافیل کی چنگھاڑ شدت سے زمین مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرے گی اوراس پرکوئی عمارت ایسی نہ ہوگی کہ جوگر کر تباہ نہ ہوجائے۔

اور یہ بات نہ رہ جائے کہ دنیا کے خاتمے پر انسانوں کی موت اور پھر قیامت کے بپا ہونے پر اولین وآخرین مخلوق کے زندہ ہونے کے لیے قرآن شریف میں ''صیحہ'' اور ''نفخ'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ان کے علاوہ دیگر الفاظ بھی بعض آیات میں آئے ہیں جن کی ذیل میں وضاحت کی جائے گی اوران الفاظ کے معانی بھی چنگھاڑ ہی ہیں۔یعنی انتہائی شدید صوتی لہریں۔

لرزادینے والی شدید چنگھاڑ

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝٦ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝٧ [2]

تفسیر مجمع البیان میں آیا ہے ''الراجفة ،صيحة ،عظيمة فيها تردد واضطراب۔''

راجفہ سے مراد ایسی عظیم اور شدید چنگھاڑ جس کا نتیجہ اضطراب اور لرزش ہو۔

مذکورہ بالا آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس دن راجفہ یعنی عظیم اور مہلک چنگھاڑ کہ جو نفخہ اول ہے۔پورے عالم کو گھیر لے تمام زندہ موجودات ہلاک اور سب چیزیں تباہ ہوجائیں گی اوراس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا تو اس وقت قیامت برپا ہوگی اور لوگ زندہ ہوجائیں گے۔

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۝١٣ فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝١٤ [3]

دوسرا نفخہ (زجرہ واحدہ) یعنی ایک صیحہ ہے کہ جس کی وجہ سے لوگ اپنے آپ کو میدان قیامت میں پائیں گے۔

---

[1] لئالی الاخبار،ص ۴۵۴،۴۸۵

[2] سورۃ النازعات۔٦،٧

[3] سورۃ النازعات۔١٣،١٤

طاقت فرسا دن

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوۡرِ ۙ﴿۸﴾ فَذٰلِکَ یَوۡمَئِذٍ یَّوۡمٌ عَسِیۡرٌ ۙ﴿۹﴾ [۱]

جب ناقور (صور) میں پھونکا جائے گا وہ دن بہت سخت اور طاقت فرسا ہوگا۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّۃُ ﴿۳۳﴾ یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡہِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّہٖ وَ اَبِیۡہِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِہٖ وَ بَنِیۡہِ ﴿۳۶﴾ [۲]

جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا اور قیامت بر پا ہوگی، اس دن انسان اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنے دوست اور اپنے بیٹے سے فرار کرے گا۔

ملاحظہ فرمائیں ان آیات میں رجف، زجر، نقر اور صاخہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور یہ سب صیحہ کے معنوں میں ہیں۔ آیات سے مجموعی طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی حتمی قضاء یہ ہے کہ دنیا کا خاتمہ صوتی لہروں سے ہوگا اور صوتی لہروں ہی سے قیامت بر پا ہوگی۔

---

[۱] سورۃ مدثر ۸،۹

[۲] سورۃ عبس۔ ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶

باب نمبر 12

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَنُفِخَ فِي الصُّوۡرِ فَاِذَا هُمۡ مِّنَ الۡاَجۡدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمۡ يَنۡسِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾ (یٰسٓ:۵۱)

گذشتہ فصل میں آیات اور روایات کی مدد سے جو تشریح کی گئی ہے اس کے مطابق جب اس دنیا کی عمر تمام ہوجائے گی اور اس کے فنا کا وقت آ پہنچے گا تو اللہ تعالیٰ کا مقرب فرشتہ اسرافیل ذاتِ حق تعالیٰ کی طرف سے قضاء الٰہی کو اجراء کرنے پر مامور ہوگا۔ وہ نور کے صور میں پھونکے گا، اس کی مہلک اور شدید چنگھاڑ تمام عالم کو گھیر لے گی اور آسمان والوں اور زمین والوں سب کی زندگی کا خاتمہ کردے گی۔

موت کے پیام رساں نفخے سے پہلے

صور کے موت کے پیام رساں اور بیہوش کردینے والے نفخہ سے پہلے اہلِ آسمان اور زمین ایک جانکاہ وحشت اور طاقت فرسا اضطراب سے دوچار ہوں گے اور اس کی شدت کا یہ عالم ہوگا کہ انھیں کسی چیز کا کوئی ہوش نہ ہوگا۔ زندگی کے تمام معاملات میں بہت بڑا خلل واقع ہوجائے گا۔ پریشانی اور خوف و ہراس کا یہ عالم قیامت (ساعت) کی علامتوں میں سے ہے جس کی قرآن مجید نے خبر دی ہے اور اسے بھی صور پھونکنے کے مراحل میں سے قرار دیا ہے۔

خوف و ہراس کا بیان

وَيَوۡمَ يُنۡفَخُ فِي الصُّوۡرِ فَفَزِعَ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اللّٰهُ ؕ [1]

''جس دن صور پھونکا جائے گا تمام آسمان اور زمین والے سخت خوف و ہراس اُن پر طاری ہوجائے گا مگر وہ لوگ اس وحشت سے محفوظ رہیں گے جن کو خدا چاہے گا۔''

دنیا کی اواخر عمر میں زمین پر بسنے والوں کے حال واحوال، جو تمام قیامت کی شرائط ہیں کے بارے میں آیات اور روایات کا مورد نظر وہ آثار اور عوارض میں جو پہلے خوف ناک نفخہ صور سے پیدا ہوں گے۔

---

[1] سورہ الحج۔ آیہ ۱، ۲

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

اے لوگو! عذاب الٰہی سے بچو اور آگاہ رہو کہ وہ زلزلہ جو اس کائنات کی فنا کی نزدیکی کا اعلان کرے گا، بہت عظیم ہے اس دن مائیں خوف کے مارے اپنے شیر خوار بچوں کو بھول جائیں گی، حاملہ عورتیں ڈر کی وجہ سے اپنے حمل گرادیں گی اور لوگ پریشانی اور اضطراب کی وجہ سے مست نظر آئیں گے جب کہ وہ مست نہیں ہوں گے بلکہ خدا کا عذاب شدید ہوگا۔

جلد لاحق ہونے والا بڑھاپہ اور خوف

ويصير الناس يميدون ويقع بعضهم على بعض كانهم سكارى وماهم بسكارى ولكن من عظيم ماهم فيه من الفزع وتبيض لحى الشبان من شدة الفزع۔ [۱]

لوگ غیر متوازن پر چل رہے ہوں گے اور ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے جیسے وہ مست ہوں لیکن وہ مست نہیں ہوں گے ان کی یہ حالت نفخ (آواز) کی وحشت اور خوف و پریشانی کی یہ حالت جوانوں کی ریش کو سفید کردے گی اور وہ بہت جلد لاحق ہونے والے بڑھاپے سے دوچار ہوجائیں گے۔

خوفناک نفخے کی وجہ سے یہ جہان فنا نہیں ہوگا اور نظامِ عالم درہم برہم نہیں ہوگا اور کرۂ زمین پر نسلِ بشر ختم نہیں ہوگی۔ لیکن اس سے لوگ وحشت اور شدید اضطراب کا شکار ہوجائیں گے اور ان کو بہت سخت و سنگین قسم کی تبدیلیوں کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن وہ نفخہ جو دنیا کی زندگی کا خاتمہ کرکے اور زمینی و آسمانی تمام زندہ مخلوقات کی ہلاکت کا موجب بنے وہ نفخہ ''صعق'' ہے۔

قرآن مجید اس بارے میں یوں فرماتا ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ [۲]

---

[۱] لئالی الاخبار۔ص ۴۵۴

[۲] سورۂ زمر۔آیت ۶۷

صور پھونکا جائے گا اور جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ اس کی ہولناک چنگھاڑ کی شدت اور سختی سے بیہوش ہوجائیں گے اور مر جائیں گے مگر وہ افراد بیہوشی اور موت سے محفوظ رہیں گے جن کو خداوند متعال چاہے گا۔

کائنات کی فنا کا نفخہ

اس نفخے کی تباہ کن لہروں کی وجہ سے سمندر پھٹ جائیں گی۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے۔عمارتیں زمین بوس ہوجائیں گے اور اس کرہ ارض پر تباہی اور بربادی کے علاوہ کچھ نہیں بچے گا۔

ایک دراز مدت پر زمین خاموش اور ساکت رہے گی اور اس میں تحرک اور حیات کا اثر دکھائی نہیں دے گا۔ یہاں تک کہ قیامت کی گھڑی آن پہنچے گی اور اول و آخر تمام مخلوقات کو حساب و کتاب کے لیے زندہ کرنے کا وقت آجائے گا۔اس موقعہ پر اسرافیل ذات باری تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہوجائیں گے۔

فیقول الجبار لاسرافیل التقم الصور والصور قرن من نور فیه انقاب علی عدد ارواح العباد[1]

خداوند جبار اسرافیل کو حکم کرے گا کہ صور کو منہ میں لے کر پھونکنے کے لیے تیار ہوجاؤ،صور نور کی ایسی شاخ ہے جس میں خدا کے بندوں کی ارواح جتنے سوراخ ہیں۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴿۶۸﴾[2]

پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور جس سے تمام گذشتہ لوگ زندہ ہوجائیں گے اور وہ اٹھ کھڑے ہوں گے اور وحشت زدہ ہو کر قیامت کے حالات کو دیکھتے ہوئے عالمِ محشر میں قدم رکھیں گے۔اس لحاظ سے پہلی مرتبہ صور پھونکنے سے ارضی وسماوی مخلوقات مر جائیں گے اور دنیا کا خاتمہ ہوجائے گا اور دوسری بار صور پھونکنے سے تمام مردے زندہ ہوجائیں گے اور قیامت برپا ہوجائے گی۔

ان دو نفخوں (صور کا پھونکا جانا) کے بارے میں متعدد مطالب پر بحث اور تحقیق ہوسکتی ہے لیکن اختصار کے پیشِ نظر فقط دو کی مختصر طور پر وضاحت کی جائے گی۔

---

[1] تفسیر برہان۔جلد ۴،ص ۸۷

[2] سورۂ زمر۔آیت ۶۸

ا۔ذاتِ اقدس الٰہی کی طرف سے دونفخوں یعنی دنیا کے خاتمے کا نفخہ اور قیامت کے قائم ہونے کے نفخے کے درمیان کتنا فاصلہ مقرر کیا گیا ہے؟ البتہ اس سوال کا جواب وحی الٰہی کے بغیر کسی راستے سے ناممکن ہے اور قرآن مجید نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں کیا۔اور کرۂ زمین کی خاموشی اور سکون کی مدت کو معین نہیں کیا۔اس موضوع پر ہادیانِ اسلام سے جو روایات نقل ہوئی ہیں وہ متفاوت ہیں بعض میں تو مدت کا ذکر ہی نہیں ہوا اور بعض میں نامعلوم مدت بتائی گئی ہے۔

دونفخوں کا درمیانی فاصلہ

حضرت امام سجاد علیہ السلام سے دونفخوں کے درمیانی مدت کے بارے میں پوچھا گیا۔

قال ما شاء الله۔ [1]

آپ نے جواب میں فرمایا: جتنا اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

عبد بن حمید سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا:

بلغنی ان رسول الله صلی الله علیه وآله قال بین النفختین اربعون یقول الحسن فلا ندری اربعین سنة او اربعین شهراً او اربعین لیلة۔ [2]

ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اکرم (ص) نے فرمایا ہے کہ دونفخوں کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہے۔حسن کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ چالیس سے مراد چالیس سال ہیں، یا چالیس ماہ ہیں یا چالیس راتیں۔

۲۔ ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ کس طرح صوتی لہریں دو متضاد عمل انجام دیں گی ایک طرف تو دنیا کو فنا و برباد اور اس کی ہلاکت و موت کا موجب بنیں گی اور مخلوقات کے پیوستہ اجزاء کو جدا جدا کر دیں گی جب کہ دوسری طرف قیامت کے وقت مردوں کو زندہ کر دیں گی اور پراگندہ ذرات کو آپس میں جوڑ دیں گی؟

اس بات کو بہتر انداز میں سمجھنے کے لیے آغاز میں اس طرح کی طبیعت میں موجود مثالوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔اس کے بعد سوال کا دینی لحاظ سے دیئے گئے جواب کی وضاحت کی جائے گی۔

اول: حکیم الٰہی فیض کاشانی مرحوم محی الدین عربی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اس بارے میں کہا ہے:

---

[1] تفسیر صافی۔ص۴۶۹

[2] درالمنثور،جلد ۵ ص ۳۳۹

قال فی الفتوحات الفخة نفختان نفخة تطفئ النار و نفخة تشعلها۔ [1]

آ گ میں پھونکنا دو قسم کا ہے۔ایک ایسا پھونکنا جو آ گ کو بجھا دیتا ہے اور دوسرا پھونکنا آ گ کو بھڑ کا دیتا ہے۔

صور پھونکنے کے دو متضاد اثر

پھونکنا ایک ہے لیکن آ گ میں دو متضاد اثر رکھتا ہے ایک اس کے شعلوں کو بجھا دیتا ہے دوسرا اس کو بھڑکا دیتا ہے۔ اسرافیل کا صور پھونکنا بھی ایسے ہی ہے۔دنیا کی فنا کے وقت زندگی کے شعلے کو خاموش کر دیتا ہے اور لوگوں کو مار دیتا ہے اور قیامت کے برپا ہونے کے وقت ان کو حیات بخشتا ہے اور ان کو فروزاں کر دیتا ہے۔

دوم: اس سلسلے میں کتاب ''چہ میدانم وماوراءصوت'' سے کچھ اقتباس نقل کرتے ہیں:

''ہوا کے غبار کا منجمد ہونا: جب کچھ ذرات مثلاً سگریٹ کے دھوئیں کے ذرات کسی گیس میں ٹھہر جائیں۔اگر اس گیس کو ماوراءصوت کے اثرات کے تحت قرار دے دیں تو یہ مشاہدہ کیا جائے گا کہ دھواں بہت تیزی کے ساتھ جم جائے گا اس اثر کے انجام پانے کے لیے فقط چند سیکنڈ کافی ہیں۔

''اس انجماد کے عمل کے مطالعے سے بہت خوبصورت تجربات سامنے آئے ہیں ماوراء صوت کو ٹھہرے ہوئے ذرات میں سے عبور اضافی حرکات کا سبب بنتا ہے جس کے نتیجے میں مالیکیولوں کا آپس میں اختلاط اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہونے کا امکان زیادہ ہوجاتا ہے۔جب چند ذرے آپس میں جمع ہوجاتے ہیں تو حاصل شدہ مجموعہ بہت زیادہ بھاری ہوجاتا ہے اور ظرف کی دیواروں پر جمنا شروع ہوجاتا ہے۔'' [2]

خوردبین سے دیکھے جانے والے کچھ موجودات کو ماوراءصوت کی لہروں کے اثرات کی زد میں لایا گیا ہے۔معمولاً جو اثر مشاہدہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ زیرِ تجربہ موجود قطعہ قطعہ ہوجاتا ہے۔

ٹھہرے ہوئے ذرات کے بارے میں مذکورہ مکانیزی عکس یہاں پر موجود ہے۔وہاں پر چھوٹے ذرات ایک دوسرے سے جڑ کر بڑی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ایک بڑا مجموعہ تشکیل دیتے ہیں جب کہ یہاں چھوٹے جاندار چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔'' [3]

---

[1] علم الیقین، جلد ۲ ص ۸۹۴

[2] چہ میدانیم؟ ماوراءصوت ص ۸۷

[3] چہ میدانیم؟ ماوراءصوت ص ۹۸

اس بناء پر طبیعی (فزکس) لحاظ سے مختلف موقعوں پر صور کے پھونکنے اور صوتی لہروں کے پیدا ہونے سے متضاد اور مخالف اثرات کے مرتب ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔جس طرح نظام خلقت کے کبھی پھونکنا آگ کے بجھنے کا اور کبھی آگ کو بھڑکانے کا سبب ہے۔اسی طرح ماوراء صوت کی لہریں کبھی ذرات کو آپس میں جوڑتی ہیں اور کبھی ذرات کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں۔

حقیقت صور سے ہماری عدم آگاہی

البتہ مذکورہ سوال کا جواب یہ ہے کہ ہم نہ تو صور کی حقیقت سے آگاہ ہیں اور نہ یہ کہ حضرت اسرافیل کس طرح صور پھونکیں گے اور کس طرح وہ موت وحیات کا اثر رکھتا ہے۔جو چیز مسلم ہے اس کی قرآن مجید نے خبر دی ہے اور اعلان کیا ہے کہ صور کی دو چنگھاڑیں ہیں۔ایک چنگھاڑ مہلک اور تباہ کن ہے جس کی وجہ سے یہ دنیا تباہ و برباد ہو جائے گی اور آسمانوں اور زمین کے باسیوں کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا اور دوسری چنگھاڑ حیات بخش ہے کہ جو قیامِ قیامت کے وقت رونما ہو گی جس کے اثر سے اول و آخر کی تمام مخلوقات زندہ ہو جاویں گی۔یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حیات بخش چنگھاڑ کے بارے میں یوں فرمایا ہے:

يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝۴۲ [1]

ایک دن آئے گا کہ لوگ حق وعدل کے ساتھ چنگھاڑ کو سنیں گے اور وہ دن زندہ ہونے اور قبروں سے باہر آنے کا دن ہے۔

اس بات کے پیشِ نظر کہ سننا زندہ موجودہ کے اوصاف میں سے ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو صیحہ سنی جائے گی وہ کلمہ الٰہی اور فرمانِ حیات ہے کہ جو ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے القاء ہو گا اور چونکہ کلمہ الٰہی کا القاء لوگوں کا زندہ ہونا اور اس کلمے کا سننا ایک ہی لمحہ میں وقوع پذیر ہو گا اس لئے قرآن نے فرمایا ہے:

کلمہ الٰہی یا فرمانِ حیات

"يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ"

در حدیث آمد کہ روز رست خیز
امر آید ہر یکی تن را کہ خیز

---

[1] ق۔۴۲۔

حدیث میں آیا ہے کہ قیامت والے دن ہر ایک شخص کو اٹھنے کا حکم ہوگا۔

نفخ صور امراست از یزدان پاک
کہ بر آرید ای ذرا ری سرز خاک

صور کا پھونکا جانا یزداں پاک کی طرف سے حکم ہے کہ اے تہہ خاک سونے والو اٹھ کھڑے ہو۔

باز آید جان ہر یک در بدن
ہمچو وقت صبح ہوش اندر بتن

ہر ایک کے بدن میں جان لوٹ آئے گی جس طرح صبح کے وقت جسم اندر ہوش آ جاتا ہے۔

عالمِ آخرت سے مربوط تمام مباحث میں جن اہم ترین اور بنیادترین مطالب پر ہمیشہ پوری توجہ دینی چاہیے ان میں ایک یہ ہے کہ سورج کے تاریک ہونے، ستاروں کے گرنے، پہاڑوں کے بکھرنے، دریاؤں کے پراگندہ ہونے، اہل زمین اور آسمانوں کے مرنے، مختصر یہ کہ اس جہان کے تباہ و برباد اور اس کی عمر ختم ہونے سے، ہر چیز اور ہر کوئی فنا ہو جائے گا اور دنیا اور زندگی کے تمام امور کا اپنے تمام تر تکوینی قوانین اور اصولوں کے ساتھ خاتمہ ہو جائے گا اس کے بعد خالق قادر کے ارادے سے جہان دوبارہ وجود میں آئے گا، نئے قوانین اور اصول جاری ہوں گے اور جب صور پھونکنے سے لوگ زندہ ہوں گے اور میدانِ قیامت میں قدم رکھیں گے تو وہ ایسے عالم کا سامنا کریں گے کہ جس کی مخلوقات، موجودات اور قوانین و اصول کا، دنیا کی مخلوقات، قوانین اور نظاموں سے موازنہ نہیں کیا جا سکے گا۔

کوتاہ فکر افراد اور باطل خیال

کوتاہ فکر اور محدود سمجھ رکھنے والے افراد دنیا اور اس کے قوانین کے علاوہ کسی اور جہان کو دیگر اصول وقوانین کا تصور نہیں کر سکتے۔ جب وہ عالمِ آخرت کے حالات و واقعات اور لوگوں کے دوبارہ زندہ ہونے کی باتیں سنتے ہیں جو اس دنیا کے تکوینی معیاروں پر پورا نہیں اترتیں تو وہ ان کو غیر ممکن اور محال خیال کرتے ہیں۔ اور اپنے اس باطل خیال کی بنیاد پر عالمِ آخرت کی نفی کرتے ہیں لیکن مکتب انبیاء کے سچے پیروکار جو اس جہان کو خدا کی مخلوق سمجھنے میں ان کا یہ ایمان ہے کہ قدرت اور علم الٰہی نامحدود ہے اور وہ جس چیز کا ارادہ فرمائے وہ ہو جاتی ہے۔ اسی لئے وہ یہ بھی یقین رکھتے ہیں آخرت اور حساب کا دن ضرور آئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس قطعی اور یقینی امر کی وحی کے ذریعے سے پیغمبروں کو خبر دی ہے اور اپنی ہر گز ناقابل تغیر حیثیت کے بارے میں ان کو آگاہ کیا ہے۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ [1]

بے شک قیامت کی گھڑی ضرور آئے گی اور حکم الٰہی سے تمام لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

دنیا اور آخرت کے قوانین میں فرق

اگرچہ آئندہ آنے والی فصلوں میں یہ بات اچھی طرح واضح ہوجائے گی کہ دنیا کے طبیعی وتکوینی قوانین اور سنن کا آخرت کے قوانین واصولوں سے کتنا فرق ہے لیکن ذہنوں کی آمادگی کے لئے اس فصل میں نمونے کے طور پر چند فرق بیان کرتے ہیں:

شکمِ زمین اور شکم مادر

۱۔ دنیا میں مٹی کا شکم پھولوں اور درختوں کے بیجوں کی نشوونما کے لئے رحم مادر کی طرح ہے۔ پودوں اور پھولوں کے بیج تمام طبیعی شرائط کا خیال رکھتے ہوئے مٹی کے نیچے دبا جانے کے بعد نظام خلقت کے معیار اور دستور کے مطابق تدریجاً تکامل کے مدارج کو طے کرتے ہیں۔ پھر مقررہ وقت پر ایک کمزور پودے کی صورت میں زمین سے پھوٹتے ہیں۔ اور خاک کی چادر پر اپنی بنائی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ انسان کا نطفہ بھی رحم مادر میں ٹھہرنے کے بعد طبیعی طور پر کمال کے مدارج کو طے کرتا ہے اور مقررہ وقت پر ایک ناتوان نوازد کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔ اور زندگی کے سفر کو قدم بقدم طے کرتا ہے۔ لہٰذا نظامِ خلقت کے اصول کے مطابق دنیا میں زمین کا پیٹ پودوں اور درختوں کے بیجوں کے پرورش کی جگہ ہے اور ماں کا پیٹ نطفۂ انسان کی نشوونما کے لئے۔

جب قیامت برپا ہوگی تو انسان کا تکوینی قانون بدل جائے گا۔ زمین کا پیٹ رحم مادر کی جگہ لے لے گا اس دن تمام زمانوں میں ماؤں کے شکموں سے پیدا ہونے والے، دنیا میں آنے کے بعد ایام زندگی گزار کر مرنے والے ذات اقدس باری تعالیٰ کی مشیت وارادے سے دوبارہ شکم زمین سے پیدا ہوں گے اور قبروں سے باہر آئیں گے، اس فرق کے ساتھ کہ دنیا کے نومولود ولادت کے آغاز میں ماؤں کے شکموں سے بہت ضعیف اور کمزور باہر آتے ہیں اور آہستہ آہستہ طاقت ور بنتے ہیں۔ لیکن آخرت میں ایک ایک طاقت ور انسان کی شکل میں صحیح فہم وادراک اور مکمل اعضاء وجوارح سے بہرہ مند مٹی کے شکم سے خارج ہوں گے۔ اور قیامت کے میدان میں قدم رکھیں گے اور ان سے حساب لیا جائے گا اور پوچھ گچھ کی جائے گی۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ۝۵۱ [2]

---

[1] الحج۔ ۷

[2] یٰس ۵۱

اور صور پھونکا جائے گا اچانک لوگ قبروں سے نکل پڑیں گے اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے حساب کے لئے مقررہ جگہ کی طرف تیزی سے جائیں گے۔

موجود زندہ کی ایک بنیادی اکائی

انسان اور پودے کی پیدائش ایک بنیادی واصلی اکائی وہ پنسل کے سلوں کے نام سے جاندار ذرہ ہے۔ جو رحم مادر اور خاک کے اندر قرار پاتا ہے۔ غذا کے ذریعے سے طبیعی عناصر اور معدنی مواد کو جذب کرتا ہے اور اپنے رشد کے لئے اسباب فراہم کرتا ہے۔

قیامت کے دن خاک کے بطن سے انسان کی پیدائش کی بنیادی اکائی ایک ایسی چیز ہے جو امام صادق علیہ السلام کی حدیث میں ''طینت'' سے تعبیر کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہمیشہ پائیدار اور ثابت ہے یہ دنیا میں خلقت انسان کا اصلی جزء ہے اور آخرت میں بھی انسان کی پیدائش کی بنیادی اکائی ہوگی۔

عمار بن موسیٰ کہتے ہیں کہ امام صادق علیہ السلام سے سوال پوچھا گیا کہ کیا قبر میں میت کلی طور پر بوسیدہ اور بالکل نابود ہوجائے گی؟ آپ نے جواب میں فرمایا:

قال: نعم حتیٰ لا یبقی له لحم ولا عظم الا طینة التی خلق منها فانها لا تبلی تبقی فی القبر مستدیرة حتی یخلق منها کما خلق اول مرة۔ [1]

ہاں یہاں تک کہ نہ اس کا گوشت باقی رہے گا اور نہ ہی کوئی ہڈی۔ فقط اس کی طینت جس سے وہ خلق کیا گیا ہے بوسیدہ نہیں ہوگی اور قبر کی حالت میں تمام تر تغیرات اور تبدیلیوں کے باوجود ویسی کی ویسی باقی رہے گی۔ یہاں تک کہ دوبارہ پہلی مرتبہ کی طرح اسی طینت سے انسان پیدا کیا جائے گا۔

طینت یا عنصر پائیدار

ہم طینت کی حقیقت کو نہیں جانتے اور نہ ہی یہ جانتے ہیں کہ حقیقت جو ہر انسان کے لئے ایک ثابت اصل اور ناقابل تغیر اساس ہے، کس طرح ہے؟ لیکن امام کے کلام سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ پوری زندگی میں انسان کے جسم میں ہونے والے تغیرات اور تبدیلیوں سے یہ ختم نہیں ہوتی اور نہ ہی جسم کے اجزاء کے نابود ہونے سے نابود ہوتی ہے۔ بلکہ قیامت کے برپا ہونے تک زمین میں باقی رہے گی اور ہر انسان اپنی پہلی طینت سے پیدا کیا جائے گا۔

---

[1] کافی، جلد ۳ ص ۲۵۱

عالمِ طبیعت کے بارے میں شبہات

علامہ مجلسی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب مراۃ العقول میں فرماتے ہیں:

مختلف مسلک کے افراد نے اس حدیث کا معنی اپنے مسلک کے مطابق کیا ہے۔ اس کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بعض افراد لفظ ''متدیرہ'' کو اس کی تقسیم ناپذیری کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور بعض دوسروں کی نظر میں ''متدیرہ'' سے مراد وہ تبدیلیاں اور تغیرات ہیں جو طینت میں واقع ہوں گی۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حدیث کے بعض نسخوں میں لفظ ''متدیرہ'' کی بجائے لفظ ''متدیمہ'' آیا ہے۔ یعنی پائیدار اور ہمیشہ باقی رہنے والی طینت۔ [۱]

لزاقی مرحوم نے ''مشکلات العلوم'' کے صفحے ۷۷ پر اس حدیث کو زیر بحث لاتے ہوئے کچھ احتمالات کا ذکر کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر انسان کی طینت سے مراد ذرات میں سے ایک ذرہ ہے کہ جس سے روز ازل اللہ نے سوال کیا تھا۔ قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛ [۲]

انسان کا جزاصلی

اس احتمال کی بنیاد پر ہر انسان کا اصلی جزء وہی ذرہ ہے جو اس کی اصل بنیاد ہے اور باقی اجزاء اس سے پیوستہ ہیں اور یہ اصلی جزء انسان پر آنے والے تغیرات اور تبدیلیوں کی وجہ سے نابود نہیں ہوتا بلکہ اسی طرح باقی رہتا ہے۔ یہاں تک کہ قیامت میں بدن کے اجزاء اس ذرے سے جڑ جائیں اور بدن وجود میں آ جائے۔

کتاب چہ میدانیم؟ جنایت کے صفحہ ۳۶ پر درج ہے کہ:

''ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والی ننھی جان نفسیات کے اعتبار سے پہلے انسانوں پر شبیہ ہو سکتی ہے۔ اس کا چہرہ اور کھوپڑی ناموزوں ہو سکتی ہے۔ ماتھا نکلا ہوا کان تیز اور نہ چمٹے ہوئے ہو سکتے ہیں۔ ان علامتوں کا ظہور وراثت سے وابستہ ہے اور ایک قسم کی اصل یعنی اپنے اجداد کی بازگشت ہے۔ اس شخص میں پہلے والے انسان کے جبلی انداز کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ کبھی کبھار حیوانات کے درمیان قدیم زمانے کے ناپید اور نابود حیوانات کے آثار دیکھے جا سکتے ہیں۔''

---

[۱] مراۃ العقول۔ جلد ۳، ص ۱۰۲

[۲] الاعراف۔ ۱۷۲

تغیر ناپذیر حقیقت

کہتے ہیں کہ ایک انسان کا بدن چند سالوں میں ایک دفعہ بالکل تبدیل ہوجاتا ہے، پرانے خلیے ختم ہوجاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے خلیے لے لیتے ہیں۔لیکن وراثت کا وہ کہنہ عامل جو اسلاف کی خصوصیات اور صفات کا حامل ہے ایک تغیر ناپذیر حقیقت ہے۔ یہ عامل تمام زمانوں میں تبدیلیوں سے محفوظ رہتا ہے، فنا نہیں ہوتا اسی طرح انسانوں کے بدلتے ہوئے وجود میں باقی اور پائیدار رہتا ہے اور ایک فرد سے دوسرے فرد میں، ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتا ہے یہاں تک کہ آخری شخص تک پہنچ جاتا ہے اور حالات کو سازگار پاکر مخفی پردے سے نکل آتا ہے۔

حدیث میں مذکورہ انسان کی طینت ایک مجہول حقیقت ہے اول تو یہ کہنہ وراثتی عامل کی مانند ہمیشہ باقی اور پائیدار ہے اور جسم کے سیلوں کے تبدیل ہونے سے نابود نہیں ہوتی۔ دوم یہ کہ یہ مجہول حقیقت آدمی کا بنیادی اور اصلی جز ہے یہ موت کے بعد بھی اسی طرح باقی رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور ہر انسان کا بدن خدا کے حکم سے اسی طینت کی قائم ودائم اساس پر رحم خاک میں بنایا جائے گا اور اپنے حساب وکتاب کے لئے ذاتِ اقدس الٰہی کی درگاہ میں حاضر ہوگا۔

شکمِ خاک سے مردوں کا باہر آنا

۲۔ دنیا کے تکوینی نظام میں انسانوں کی شکم مادر سے پیدائش تدریجی ہے۔ پورے عالم میں ہر زمانے میں کچھ لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں اور کچھ لوگ مرتے رہتے ہیں۔لیکن قیامت میں اول وآخر کی تمام مخلوقات ایک ہی دفعہ زندہ ہوں گی اور سب لوگ خالقِ اکبر کے حکم پر صور پھونکنے سے اکٹھے زمین کے پیٹ میں وجود میں آجائیں گے اور سب باہم شکمِ خاک سے باہر آئیں گے۔ جو کچھ صریح آیات اور روایات سے حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عالمِ آخرت میں لوگوں کے دوبارہ وجود پانے کا قانون نباتات کے قانونِ حیات کے مطابق ہے۔

یہ مطلب قرآن شریف نے بار بار یاد دلایا ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴿۵۷﴾[1]

وہ وہ خدا ہے جو ہوا کی لہروں کو رحمت کی بشارت دینے پر مامور کرتا ہے اور پانی سے لدے ہوئے

---

[1] سورہ اعراف۔آیت ۵۷

بادلوں کو مردہ زمینوں کی طرف بھیجتا ہے ہم ان بادلوں سے بارش برساتے ہیں اور بارش کے ذریعے سے طرح طرح کے پھلوں کو باہر نکالتے ہیں اور قیامت میں بھی ہم اسی طرح مردوں کو باہر نکالیں گے۔

وَاللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ﴿۹﴾ [1]

اللہ تعالیٰ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ بادلوں کو اپنے دوش پر اٹھائیں اور مردہ زمین کی طرف لے جائیں ہم اس ذریعے سے زمین کو موت کے بعد زندہ کرتے ہیں اور قیامت کے دن بھی ایسا ہی کریں گے۔

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ [2]

وہ ایسا خدا ہے جو آسمان سے ایک اندازے کے مطابق پانی برساتا ہے اور مردہ زمین کو زندہ اور متحرک کرتا ہے اور تم سب بھی اسی طرح قبروں سے خارج ہو گے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾ [3]

خدا کی آیات میں سے ایک یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ زمین خشک اور بیابان ہوتی ہے۔ جب ہم اس پر بارش برساتے ہیں تو وہ حرکت میں آجاتی ہے وہ ابھر کر نرم ہو جاتی ہے وہ اللہ ہے جو مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے وہ مردوں کو بھی حیات بخشے گا۔ وہ ہر چیز پر قادر اور توانا ہے۔

جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے قیام اور مردوں کے زندہ ہونے کو مردہ زمین کے زندہ ہونے اور اس سے پودوں کے اگنے سے مشابہ قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے درحقیقت موجودیت انسان کی کیفیت کے بارے میں ایک نئے قانون کا اعلان کیا گیا ہے۔

قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ قرآن شریف نے سب جگہ پر زمین کے زندہ ہونے کی بات کرنے سے قبل بارش کے برسنے کی بات کی ہے اور پانی نازل ہونے جو حیات کا اصل سرمایہ ہے، ذکر کیا ہے اور قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کے

---

[1] سورہ فاطر۔ آیت ۹

[2] سورہ زخرف۔ آیت ۱۱

[3] سورہ حم سجدہ۔ ۳۹

موقعہ پر بھی ان روایات میں جو رسول اکرمؐ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام سے ہم تک پہنچی ہیں، بارش کا برسنا بتایا گیا ہے۔

بارانِ حیات کا نزول

عن قتادہ قال قال رسول الله (ص) بین النفختین اربعون قال اصحابه فما سئلنه عن ذلك وما زاد غير انهم كانوا يرون من رأيهم انها اربعون سنة قال وذكر لنا انه يبعث في تلك الاربعين مطر يقال له مطر الحياة حتى تطيب الارض وتهتز وتنبت اجساد الناس نبات البقل ثم ينفخ النفخه الثانية فاذاهم قيام ينظرون۔ [1]

قتادہ رسول اکرمؐ سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے: دو نفخوں کے درمیان چالیس کی مدت ہے آنحضرتؐ کے اصحاب نے کہا ہم نے اس چالیس کے بارے میں سوال نہیں کیا اور اس کی وضاحت نہیں چاہی اور آنحضرتؐ نے بھی چالیس کے لفظ سے زیادہ کچھ نہیں فرمایا۔ لیکن اصحاب نے جو چیز اس سے اخذ کی وہ چالیس سال تھے۔ آپؐ نے فرمایا: اس چالیس کے دوران اللہ تعالیٰ ایک بارش برسائے گا جس کا نام بارانِ حیات ہے۔ اس کے برسنے سے زمین پاک ہو جائے گی اور حرکت میں آ جائے گی اور انسانوں کے اجساد پودوں کی مانند اس میں اگیں گے پھر صور کا دوسرا نفخہ پھونکا جائے گا اچانک لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور قیامت کے حیرت انگیز منظر کو دیکھنے لگیں گے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

اذا اراد الله عزوجل ان يبعث الخلق امطرا السماء على الارض اربعين صباحا فاجتمعت الاوصال ونبتت اللحوم۔ [2]

جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو اٹھانے کا ارادہ فرمائے گا، چالیس دن تک آسمان سے زمین پر پانی برسے گا۔ جس کے اثر سے ہڈیاں آپس میں جڑ جائیں گی اور ان پر گوشت چڑھ آئے گا۔

۳۔ اس جہان کے تکوینی اصول وضوابط کے مطابق اس عارضی اور راہ گذر دنیا میں کوئی بھی چیز پائیدار اور ابدی نہیں ہے۔ اس کی تمام مخلوقات ہمیشہ تغیر وتبدل کی حالت میں ہیں اور انسان جو انھی موجودات میں سے ہے اس بنیادی اور اصلی

---

[1] الدر المنثور۔ جلد ۵، ص ۳۳۹

[2] امالی صدوق۔ ص ۱۰۷

اصول اور کلی قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔اس کی جوانی کے ہمراہ پیری، طاقت کے ساتھ ضعف، سلامتی کے ساتھ اور آخر کار زندگی کے ہمراہ موت قرار دی گئی ہے۔خداوند قدوس نے ان تبدیلیوں اور تغیرات کا قرآن مجید میں ذکر کیا ہے اور متعدد آیات میں ان تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ۝۵۴ [1]

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ضعیف نطفے اور ناتوان جسم کے ساتھ خلق کیا ہے۔پھر اس کمزوری اور ناتوانی کے بعد تمہارے لئے بڑھاپے کا ضعف قرار دیا وہ جس طرح چاہے پیدا کرے۔اور وہ دانا و توانا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ [2]

اس اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو خلق فرمایا تاکہ دارِ تکلیف میں تمھیں آزمائے اور واضح کرے کہ تم میں سے کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے۔

عالمِ آخرت میں دنیا کے برخلاف تبدل و تغیر نہیں ہے۔وہاں پر پیری و فرسودگی، ضعف و ناتوانی، درد و بیماری اور موت و نابودی کے لیے کوئی راہ نہیں ہے۔عالمِ آخرت ایک اور جہان ہے جو اور اصول و قوانین کے تحت چلے گا۔اس عالم کے حالات ثابت اور پائیدار ہیں۔اس کی نعمتیں ابدی ہیں۔وہاں پر نہ کوئی ولادت ہے کہ لوگوں کی تعداد بڑھ سکے اور نہ موت کا وجود ہے کہ بہشتیوں اور دوزخیوں کی تعداد میں کمی واقع ہو سکے۔آخرت کی زندگی ہمیشہ کے لیے اور زوال لا پذیر ہے۔قرآن مجید نے اس بارے میں فرمایا ہے:

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝۶۴ [3]

عالمِ آخرت میں حیات ہمیشہ باقی اور برقرار ہے اور ہرگز زوال و فنا کی زد میں نہیں آئے گی۔

راغب اپنی کتاب مفردات میں کہتے ہیں:

ان الحیوان الحقیقی السرمدی الذی لا یفنی لا ما یبقی مدۃ ثم یفنیٰ۔

حیات حقیقی ایسی حیات ہے جو دائم اور سرمدی ہے نہ کہ ایسی حیات جو کچھ مدت باقی رہے اور پھر فانی

---

[1] سورہ روم۔۵۴

[2] سورہ ملک۔۲

[3] سورہ عنکبوت۔۶۴

ہو جائے۔

قال رسول اللہ: یا عجبا کل العجب للمصدق بدار الحیوان وھو یسعیٰ لدار الغرور۔ [1]

امام باقر علیہ السلام سے رسولِ اکرم (ص) کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: کتنا حیرت انگیز ہے اس انسان کا عمل جو آخرت اور جاودانی زندگی کا قائل ہے لیکن وہ اپنی ہمت وکوشش کو عارضی اور غرور کے دنیاوی گھر کے لئے بروئے کار لاتا ہے۔

باری باری موت وحیات

ایک اور نکتہ جو دنیاوی اور اخروی زندگی کے درمیان تفاوت وفرق کے طور پر ذکر کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہے کہ اس جہان کے اول عناصر اور معدنی مواد طبیعی لحاظ سے بے جان ہے فقط ان میں سے کچھ جب وہ اصولِ حیات کے راستے میں قرار پاتے ہوئے اس عالم کے جانداروں میں سے پودوں یا حیوانوں یا انسانوں کے جزو بن جاتے ہیں تو اس وقت خالق توانا کے ارادہ تکوینی سے ان کے اندر حرکت وجود میں آ جاتی ہے۔ لیکن اس نکتے کی طرف توجہ کرنے سے کہ اس جہان کی زندگی محدود ہوئے۔ دوبارہ مردہ ہو جائیں گے۔ عالمِ طبیعت کے مردہ خانوں میں واپس چلے جائیں گے اور یہ زندہ سے مردہ میں تبدیلی مردہ سے زندہ میں تبدیلی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانیوں میں سے ایک ہے اور قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر اس اہم کام کی انجام دہی کو ذاتِ اقدس الٰہی کی خصوصیات میں سے قرار دیا ہے۔

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ [2]

اللہ تعالیٰ زندہ کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو موت کے بعد زندہ کرتا ہے اور قیامت کے دن لوگوں کا قبروں سے نکلنا بھی اسی طرح ہوگا۔

آخرت اور مطلق حیات

عالمِ آخرت جو کہ بلند وعالی اور تکامل کا جہان ہے اس میں موت اور مرنا موجود نہیں ہے۔ وہاں پر سب اشیاء اور

[1] الدر المنثور جلد ۵، ص ۱۴۹

[2] سورہ روم۔ ۱۹

جہان کے تمام اجزاء زندہ ہیں اور ہر کوئی اور ہر چیز حیات کی نعمت سے بہرہ مند ہے اور ہر جاندار اپنی حیثیت کے مطابق فروغ زندگی کے پرتو میں ایک قسم کے شعور وادراک کا حامل ہوگا۔ کرۂ زمین دنیا کے اندر جامد اور مردہ ہے لیکن قیامت کے دن تبدیل ہوجائے گی اور کمال حاصل کر کے زندہ ہوجائے گی۔ یہ زندگی کا اثر ہے کہ وہ حقائق کو ادراک کرے اور اس کے علاوہ اپنے ادراکات کی تشریح کرنے پر بھی قادر ہے اور جس چیز سے وہ آگاہ ہوئی ہے اس کو بتا سکتی ہے۔ آیات اور روایات میں بھی یہ بات آئی ہے۔

يَوْمَىِٕذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝۴ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝۵ [1]

قیامت میں، زمین ان اچھے اور برے کاموں کے بارے میں بتائے گی جو اس پر انجام دیئے گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو وحی فرمائی ہے اور اس کو مامور کیا ہے کہ وہ اپنے واقعات کو بیان کرے۔

زمین کا بات کرنا

رسالت مآبؐ نے فرمایا:

اتدرون ما اخبارها قالوا الله ورسوله اعلم قال اخبارها ان تشهد علی کل عبد وامة بما عمل علیٰ ظهرها تقول عمل کذا و کذا ویوم کذا و کذا۔ [2]

کیا تم جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ جواب دیا گیا کہ خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپؐ نے فرمایا: اس کی خبریں یہ ہیں کہ وہ ہر مرد اور عورت کے بارے میں گواہی دے گی جو کچھ انہوں نے زمین کے اوپر انجام دیا ہوگا اور یہ کہے گی کہ فلاں نے فلاں دن ایسا کیا ویسا کیا۔

که زمین آنروز آید در سخن
بد هد اخبار از عملها تن بتن
هر چه هر کس کرده اندر پشت او
باز گوید بی تأمل مو بمو
او فتد از پرده بیرون راز ها
ماند از خجلت بکام آوازها

---

[1] سورہ زلزلہ۔ ۴و۵

[2] تفسیر مجمع البیان۔ جلد ۱۰ ص ۵۲۶

زمین اس دن بولے گی اور ہر فرد کے اعمال کی خبریں دے گی جس نے ابھی اس کے اوپر جو کچھ انجام دیا ہوگا۔ وہ سب کسی تامل کے بغیر ہو بہو کہے گی۔ راز پردے سے باہر نکل آئیں گے اور آوازیں خجالت کی وجہ سے دہان میں ہی رہ جائیں گی۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ: حافظوا علی الوضوء و خیرا اعمالکم الصلوۃ وتحفظوا من الارض فانہا امکم ولیس فیہا احد یعمل خیرا او شراً الا وھی مخبرۃ بہ۔ [1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: ہمیشہ وضو اور اپنے بہترین اعمال یعنی نماز کی حفاظت کرو اور اپنے آپ کو زمین سے جو تمہاری ماں کی طرح ہے، سے بچاؤ کیونکہ کوئی بھی شخص اس پر برا اور اچھا کام انجام نہیں دیتا مگر یہ کہ وہ مقررہ وقت پر اس کی خبر دے گی۔

انس بن مالک نے رسول اللہؐ سے حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان الارض لتخبر یوم القیمۃ بکل ما عمل علی ظھرھا وقراء رسول اللہ الآیۃ ثم قال اتدرون ما اخبارھا جائنی جبرئیل قال خبرھا اذا کان یوم القیامۃ اخبرت بکل عمل عمل علی ظھرھا۔ [2]

قیامت میں زمین ان اعمال کی خبر دے گی جو اس پر انجام دیئے گئے ہوں گے اس کے بعد آپ نے آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا زمین قیامت کے دن ہر اس کام کی خبر دے گی جو اس کی پشت پر انجام دیا گیا ہوگا۔

اجزاءِ زمین کی حیات

قیامت میں نہ صرف تمام تر کرۂ زمین زندہ ہوگا بلکہ کرّۂ خاک کے پیکر کا ہر ذرّہ گویا ایک زندہ اکائی ہوگا جیسا کہ دنیا میں ہر سیل ایک جاندار وجود میں زندہ اکائی ہے۔ شاید زمین کے ذرات کے حیات وشعور کی اساس پر جب حضرت اسرافیل مردوں کو زندہ کرنے کے لئے صور پھونکیں گے تو وہ ذرات کو مخاطب کر کے یوں کہیں گے:

---

[1] تفسیر مجمع البیان۔ جلد ۱۰ ص ۵۲۶

[2] الدر المنثور۔ جلد ۶ ص ۴۵۶

ایتھا العظام البالیة واللحوم المنقطعة لیقمن الی العرض علی الملك الدیان لیجازیکم باعمالکم۔ [۱]

اے بوسیدہ ہڈیو اور اے بکھر جانے والے گوشت دربارِ الٰہی میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ تا کہ وہ تمہیں تمہارے اچھے اعمال کی جزا اور برے اعمال کی سزا دے۔

درخت اس دنیا میں نباتی زندگی کا حامل ہے لیکن عالمِ آخرت میں درخت کی حیات اتنا کمال حاصل کرلے گی کہ نہ صرف اس کا دنیا کی زندگی نباتی سے موازنہ نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا زمین پر انسان کے لئے تصور کرنا ناممکن یا کم از کم حیران کن اور تعجب انگیز ضرور ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

وطوبی شجرۃ فی الجنة اصلھا فی دار النبی صلی اللہ علیه وآله ولیس من مؤمن الا وفی دارہ غصن منھا لا تخطر علی قلبه شھوۃ شئ الا اتاہ به ذلك الغصن۔ [۲]

درخت طوبیٰ

طوبیٰ بہشت میں ایک ایسا درخت ہے جس کی جڑیں اور تنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے گھر میں ہیں اور اس کی شاخیں تمام مومنین کے گھروں میں ہیں۔ اور کسی بھی باایمان شخص کے دل میں کوئی خواہش پیدا نہیں ہوتی مگر یہ کہ طوبیٰ کی شاخیں اس چیز کو مومن کے لئے فراہم کر دیتی ہیں۔ جن مومنین کے گھروں میں طوبیٰ کی شاخیں موجود ہیں وہ ایسے افراد ہیں جنہوں نے ہر دور اور ہر زمانے میں الٰہی تعلیمات کو انبیاء سے حاصل کیا اور ان کے مطابق عمل کیا ہے۔ انہوں نے ابدی سعادت حاصل کر لی اور جزاءِ الٰہی کے مستحق قرار پائے ہیں۔ چونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ تمام انبیاء کے سردار ہیں اس لئے مناسب یہی تھا کہ درختِ طوبیٰ کی جڑیں آنحضرت کے گھر میں ہوں اور اس کی شاخیں دوسرے انبیاءِ الٰہی اور ان کے پیروکاروں کے گھروں میں نمودار ہوں۔

اس عالم میں آگ نہ صرف حیات نہیں رکھتی بلکہ خود حیات کی ضد ہے اور پودوں، حیوانوں اور انسانوں میں سے جو بھی جاندار اس میں جا پڑے وہ اس کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ لیکن آخرت میں دوزخ خود ایک زندہ موجود ہوگی اور آگ

---

[۱] لئالی الاخبار۔ ص ۴۵۶

[۲] امالی صدوق۔ صفحہ ۱۴۳، مجلس ۳۹

بھی حیات وشعور رکھتی ہوگی۔اپنے مقام پراس بارے میں وضاحت آئے گی کہ اہلِ جہنم آگ میں عذاب کا مزہ چکھیں گے لیکن مریں گے نہیں،ان کی زندگی ختم نہیں ہوگی بلکہ ہمیشہ زندہ رہیں گے اوراس کا عذاب سہیں گے۔

وہ افراد جو دنیا کی زندگی کے علاوہ کسی اور آگ کا تصور نہیں کر سکتے ان کی نظروں میں دوزخ کی آگ اوراس کی خصوصیات نا قابلِ قبول اورانہونی ہیں۔وہ اپنے آپ سے کہتے ہیں یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ انسان ایک مدت تک آگ کے شعلوں میں جلتا رہے اوراس حالت میں زندہ بھی رہے اوراس کی زندگی سلامت رہے۔اللہ تعالیٰ نے شجرۂ زقوم کے بارے میں آیت نازل فرمائی اوراس کی خبر دی ہے۔

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿٦٤﴾ [1]

اس سلسلے میں روایت یوں وضاحت کرتی ہے:

ان الزقوم شجرة تنبت فی قصر جهنم واغصانها ترفع الی درکاتها۔ [2]

زقوم ایک ایسا درخت ہے جو جہنم کی گہرائیوں میں اُگے گا اوراس کی شاخیں جہنم کے اوپر والے طبقوں تک پہنچے گی۔

ابوجہل کو جب اس آیت کا پتہ چلا تو وہ بہت سرگرم ہوگیا اور بہت سی باتیں کرنے لگا ان میں ایک یہ بات کہی:

ان محمدا تزعم ان النار تنبت الشجرة والنار تحرق الشجرة۔ [3]

محمدؐ کا خیال ہے کہ آگ درخت اُگاتی ہے حالانکہ آگ تو درختوں کو جلاتی ہے۔

ابوجہل نے اپنے آپ کو عالم طبیعت میں محصور کیا ہوا تھا وہ دوسرے نظام کا نہیں سوچ سکتا تھا اس نے دنیا کی آگ کے معیار پر بات کی آگ درختوں کو جلاتی ہے نہ کہ اگاتی ہے۔لیکن قرآن شریف ایک اور جہان کے نظام تکوینی کی خبر دیتا ہے اور آتشِ قیامت کے بارے میں بات کرتا ہے:

ایسی آگ جو زندہ ہے،ایسی آگ جو شعور وادراک رکھتی ہے،ایسی آگ جس میں انسان شدید ترین عذاب کا مزہ چکھے گا لیکن نہ تو مرے گا اور نہ جلے گا کہ خاکستر ہوجائے۔یہ آگ زندہ اور بیدار ہے کہ اپنے اندر زندہ درخت کی نشوونما کرتی ہے اوراس کو پھلدار بناتی ہے۔

---

[1] الصافات۔آیت ٦٤

[2] تفسیر مجمع البیان،جلد ٧،٨ ص ٤٤٦ (یہ روایت جناب حسن سے مروی ہے)

[3] تفسیر مجمع البیان۔ص ٤٤٦

حیات کے بلندترین مدارج

نیز انسان عالمِ آخرت میں حیات کے بلندترین مدارج اورادراک واحساس کے قوی ترین ممکنہ مراتب سے بہرہ مند ہوں گےاوراس قدرعالی وبلندترین راستوں میں پیش روی کریں گے کہ ان کی آخرت کی کامل اور بہترین زندگی کاان کی دنیا کی زندگی سے موازنہ نہیں کیاجاسکتا۔

دنیا کے بعد انسان کی پہلی بلند منزل عالمِ برزخ ہے۔ مدارج کا عالی ترین مرتبہ اورآخری کمال عالمِ آخرت میں انسانوں کونصیب ہوگا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں کی دنیوی اور برزخی زندگی کو دنیا میں ان کی نینداور بیداری کی حالت سے تشبیہہ فرمائی ہے۔

الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا۔ [1]

لوگ نیند میں ہیں جب مریں گےتو بیدار ہوں گے۔

سوئے ہوئے اور بیدار انسان میں فرق

سویا ہوا انسان زندہ ہوتا ہے۔اس کا دل دھڑکتا ہے۔خون اس کی رگوں میں گردش کرتا ہے۔اس کے پھیپھڑے عملِ تنفس جاری رکھتے ہیں۔اس کا معدہ اورجگراپنا کام کرتے رہتے ہیں۔مختصر یہ کہ اس کے جسم کے بڑے بڑے اعضاءاور قوی اپنے اپنے کام میں مشغول نظرآتے ہیں۔اس کے باوجود سوئے ہوئے اور بیدارانسان میں بڑافرق ہے۔نیندکی حالت میں انسان عقل وفکر، ادراک وشعور، سمع وبصر، خیر وشر کی تمیز، اصلاح وفساد کی شناخت معطل ہوجاتی ہے۔اسی طرح بعض ظاہری وباطنی قوتیں تقریباً کام کرنا چھوڑ دیتی ہیں۔لیکن جونہی یہ انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے اس کی حالت بالکل بدل جاتی ہے۔اور وہ کامل تر حیات اور طاقت وراحساس کے ساتھ اپنی زندگی کوجاری رکھتا ہے۔

آخرت اور انسان کا تکامل

انسان کی دنیوی اور برزخی زندگی کا آپس میں وہی فرق ہے جوسوئے ہوئے اور بیدار انسان کی حیات میں ہے۔ اور عالم آخرت میں اس فرق میں مزید اضافہ ہوجائے گا۔ اگرچہ اس عالم میں انسانوں کی حیات اپنے انتہائی کمال تک پہنچ جائے گی اوراسی نسبت سے اس کے ادراک وشعور میں بھی اضافہ ہوجائے گا۔ عالمِ آخرت میں حکمِ الٰہی سے تمام پردے ہٹ

[1] لئالی الاخبار۔ص۳۸۶

جائیں گے، ناآگاہی اور غفلت زائل ہوجائے گی۔ پنہاں حقائق آشکار ہوجائیں گے اور انسان کی قوت سماعت و بصارت بڑھ جائے گی۔مختصر یہ کہ انسان عالمِ آخرت میں بہت سے پوشیدہ حقائق مشاہدہ کرے گا۔

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ﴿۲۲﴾ [۱]

اے انسان تو ایسے خوفناک اور حیرت ناک دن سے غافل تھا۔اب تیری نظروں سے ہم نے پردے ہٹادیئے ہیں۔اب تو اپنی تیز نگاہوں سے پوشیدہ حقائق کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔

۴۔دنیاو آخرت میں ایک اور فرق یہ ہے کہ دنیا میں انسان خواہ عزت و اخلاق اور انسانی عادات واطوار کا حامل ہو یا دیو سیرت اور درندہ صفت ہو، جیسا بھی ہو اس کا باطنی اور اصلی چہرہ پوشیدہ اور پنہاں ہے اور ظاہری طور پر لوگوں کو انسان دکھائی دیتا ہے۔لیکن قیامت میں اس کا باطن ظاہر ہوجائے گا۔اس کی خفیہ باتیں آشکار ہوجائیں گی اور ہر شخص اپنی باطنی شکل میں اور اپنے اندر پیدا کردہ ملکات کی صورت میں محشور ہوگا۔

ابدی عذاب کی توجیہہ

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے:

يحشر الناس على نياتهم يوم القيمة۔ [۲]

قیامت کے دن لوگ اپنی نیتوں کے مطابق محشور ہوں گے۔

یہاں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قیامت میں برے لوگوں کو عذاب میں ڈالا جانا ان کے ان برے اعمال کی وجہ سے ہے جن کا انہوں نے دنیا کے ارتکاب کیا اور اپنا باطنی چہرہ ان برائیوں کی صورت میں بنایا البتہ جس قدر گنہ گار شخص کا عمل زیادہ قبیح اور گناہوں کا نفوذ اس کی روح میں گہرا ہوگا اسی نسبت سے اس کا عذاب شدید تر اور زیادہ طولانی ہوگا۔اور اسی بنیاد پر آگ میں ہمیشہ رہنے والے دوزخیوں کے ابدی عذاب کی بھی توجیہہ اور وضاحت کی جاسکتی ہے۔خواہ وہ ایسے لوگ ہوں جنہوں نے ساری زندگی دوزخی فکر کے علاوہ اور کوئی فکر ہی نہ کی ہو اور دوزخی عمل کے علاوہ کوئی اور عمل انجام نہ دیا ہو۔البتہ ایسے افراد سراپا دوزخی ہیں۔انہوں نے اپنے تمام وجود کو دوزخ سے بنایا ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔اور ہرگز اس

---

[۱] ق۔۲۲

[۲] مشکوۃ الانوار۔ص ۱۴۷

ماحول ومحیط سے جوان کی بناوٹ اور وجود جیسا ہے، جدا نہیں ہوں گے۔

خودسازی کے معنی کی وضاحت اور افراد کی انسانی قدروں سے بیشتر آ گاہی کے لئے ضروری ہے کہ انسانی آزادی کی وضاحت کی جائے۔ انسانی آزادی ذاتِ الٰہی کا عظیم عطیہ ہے، یہ بلند مرتبوں اور انسان کے تکامل کی اساس ہے اسی طرح ان کا انحطاط وزوال بھی اسی سے وابستہ ہے۔

عالمِ طبیعت میں صرف انسان ایک موجود ہے جو دو بعدی TWO DIAMENTIONAL خلق کیا گیا ہے۔ اور یہ حیوانی اور انسانی پہلوؤں کا حامل ہے۔ اسی طرح صرف یہی موجود ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے عمل کی آزادی دی ہے۔ انتخاب اور پسندیدگی کے حق کو اس کی فطرت میں رکھ دیا ہے اور اس کی سعادت اور بدبختی کو اس کے اپنے اختیار میں دے دیا ہے۔ قرآن مجید نے اس بارے میں یوں فرمایا ہے:

انسان اور انتخاب کا حق

انا ھدیناہ السبیل اما شاکراً واما کفورا۔ [1]

ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے۔ اب یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ اپنے لئے جس راستے کو منتخب کرے ان دو راستوں میں اسے حتماً ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا یا تو ہماری ہدایت کا شکرگذار بن جائے اور جس راستوں کی ہم نے اسے ہدایت کی ہے۔ اسی کو چن لے یا پھر نعمت ہدایت سے کفران کرے اور ہماری راہنمائی سے منہ پھیر لے۔

یہ انسان آزاد ہے چاہے تو اپنی ہوائے نفس کی بغیر قید وشرط کی پیروی کرے اور اپنے آپ کو بعد حیوانی میں محصور کر لے۔ انسانیت کو فراموش کر دے اور تباہی وہلاکت کی راہ اپنا لے اور چاہے تو انسان بن کر زندگی گذارے۔ اپنے تمام وجودی پہلوؤں کو مناسب حد تک زندہ رکھے ان سب سے فائدہ اٹھائے اور ایک انسان کے شایان شان کمال کو حاصل کر لے۔

بکا ہوا انسان

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

الدنیا دار ممر لا دار مقر والناس فیھا رجلان رجل باع نفسه فاوبقھا

---

[1] الانسان۔ ۳

ورجل ابتاع نفسہ فاعتقھا۔ [۱]

دنیاایک گذرگاہ ہے جائے قیام نہیں ہے۔اس دنیامیں دوقسم کے لوگ ہیں۔ایک گروہ نے اپنے آپ کو فروخت کردیا ہے۔راہِ حق کوترک کردیا ہےاور ہلاکت کی راہ اپنالی ہے۔دوسرے گروہ نے اپنے آپ کوخریدلیاہے،سعادت کاراستہ اختیارکیاہے۔اوراپنے آپ کوآزادکرلیاہے۔

انسان اورخودسازی

انسان اورحیوان دونوں جبلی میلانات اورنفسانی خواہشات رکھتے ہیں اس فرق کے ساتھ کہ حیوان یک بعدی ہے اوراس کی جبلت ہی اس پر حاکم مطلق ہے۔جس وقت وہ حرکت میں آتی ہےتو حیوان کا تمام وجوداس سے مغلوب اورمسخر ہوجاتا ہے۔وہ مجبورہے کہ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے بھاگ دوڑکرے۔لیکن آزاداورعاقل انسان دوبعدی ہے جہاں پروہ جبلی تقاضوں کی تکمیل کوغیرعقلی اورمصالح زندگی کے منافی دیکھتا ہے۔وہاں پروہ اس کے دباؤ کے سامنے ڈٹ جانے کی قدرت رکھتاہےاوراس کوردکرتے ہوئے اس کے حصول سے روگردانی کرسکتاہے وہ یوں کہ عقل کے حکم کی پیروی کرےاور اپنےضمیراوروجدان کی آوازپرلبیک کہےاوراپنے آپ کوہوائےنفس کی قیداورشہوات کی غلامی سے آزادکرائے۔

بدقسمتی سےانسان کی سرشت میں عقل ضعیف ہے۔اس کے برعکس ہواوہوس اورنفسانی خواہشات طاقت وراورتوانا ہیں۔امام صادق علیہ السلام نےلوگوں کوان کی اندرونی حالت سے آگاہ کرنے کے لئے اور ہوائےنفس کےخطرے سے انہیں خبردارکرنے کے لئےفرمایا:

جبلی خواہشات کاہیجان اورعقل کی تیرگی

الھوی یقظان والعقل نائم۔ [۲]

انسان کی سرشت میں ہوائےنفس بیدارہےلیکن عقل سورہی ہے۔

جب جبلی خواہشات بیدارہوتی ہیں اوراپنی تکمیل کا تقاضا کرتی ہیں توعقل دھندلا جاتی ہے۔اس کی اچھائی اور برائی میں تمیز کی طاقت ختم ہوجاتی ہے گویااس وقت انسان اپنے آپ سے بیگانہ ہوجاتا ہے۔انسانی اقدارکوفراموش کردیتا ہے۔عزت نفس اسے بھول جاتی ہےاورحق وفضیلت کی راہوں کووہ خیربادکہہ دیتاہے۔اگریہ صورتِ حال تکرارہوتی رہےتو رذائلِ

---

[۱] نہج البلاغہ۔ ۱۳۳

[۲] بحارج ۷۱۔ص ۱۸۱

اخلاقی اس کے باطن میں جگہ بناتے جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ انسانی صفات کھو جاتی ہیں اور انسان ایک انسان نما حیوان میں تبدیل ہوجاتے ہیں قرآن شریف نے اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ؁ [1]

یہ دل تو رکھتے ہیں مگر فکر نہیں کرتے، یہ آنکھیں تو رکھتے ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں یہ کان تو رکھتے ہیں لیکن سنتے نہیں۔ یہ لوگ چار پایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں اور یہ لوگ غافل اور نا آ گاہ ہیں۔

علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

فالصورة صورة انسان والقلب قلب حيوان لا يعرف باب الهدى فيتبعه ولا باب العمىٰ فيصد عنه وذالك ميت الاحياء۔ [2]

یعنی شکل تو انسان جیسی ہے لیکن دل حیوان کا ہے نہ ہدایت پہچانتا ہے کہ اس کی پیروی کرے اور نہ گمراہی کی تمیز کرسکتا ہے کہ اس سے دوری اختیار کرے وہ زندہ افراد کے درمیان مردہ ہے۔

انبیاء اور عقل کی تقویت

اللہ تعالیٰ نے ضعیف عقل کی تقویت اور انسان کو اس کے انسانی پہلو کی طرف متوجہ کرنے کے لئے انبیاء کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ عملی دلیلوں کے ذریعے سے لوگوں کی عقلوں کو بیدار کریں۔ خرد کی قوت کو ان کے اندر قوی کریں۔ تا کہ وہ سرکش جبلی خواہشات کو لگام دے سکیں اور ہوا و ہوس اور شہوت پر قابو پا سکیں اور سعی و مجاہدہ کے ذریعے سے وہ اپنے آپ کو انسان بنا سکیں اور یوں انسانیت کے اعلیٰ مدارج کو حاصل کرسکیں۔

فبعث فيهم رسله وواتر اليهم انبيائه ليستادوهم ميثاق فطرته ويذكروهم منسى نعمته ويثيروا لهم دفائن العقول۔ [3]

---

[1] الاعراف۔ ۱۷۹

[2] نہج البلاغہ۔ خطبہ ۸۷

[3] نہج البلاغہ۔ خطبہ ۸۷

اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں کو لوگوں کے درمیان بھیجا تا کہ وہ فطری عہد کو پورا کرنے کا ان سے تقاضا کریں۔ بھلا دی گئی نعمتیں انھیں یاد دلائیں اور ان کے عقلی خزانوں کو باہر نکالیں۔

ہوائے نفس پر تسلط

بعض لوگوں نے انبیاء کی دعوت پر لبیک کہی اپنی عقلوں کو ایمان اور وحی کی مدد سے طاقتور بنایا اپنی اصلی خواہشات کی باگ ڈور کو مصلحت کے ہاتھوں میں دے دیا اور انہوں نے ان جبلی خواہشات کو انسانیت کے لئے استعمال کیا۔ اس طریقہ کار کو اپنانے سے وہ حق و عدالت کے ہیرو بن گئے۔ وہ شہوات کی غلامی سے آزاد ہو گئے۔ ہوائے نفس پر ان کا تسلط ہو گیا اور اس کے نتیجے میں وہ انسانیت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہو گئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے ایسے حقیقی اور سعادتمند انسان کے بارے میں فرمایا ہے:

قد اخلص للہ فاستخلصہ فھو من معادن دینہ و اوتاد ارضہ قد الزم نفسہ العدل فکان اول عدلہ نفی الھوی عن نفسہ یصف الحق و یعمل بہ۔ [1]

عمل عدل کے مطابق

وہ کمال خلوص و پاکیزگی کے ساتھ خدا کے لئے قدم اٹھاتا ہے اور خدا نے بھی اسے برگزیدہ کیا ہے۔ یہ پاک دل اور بافضیلت انسان دین الٰہی کی معاون میں سے ہے اور زمین خدا کی میخ ہے۔ اس انسان نے اپنے آپ پر عدل و انصاف کی رعایت کرنا لازمی قرار دیا ہے اور اس کے عدل کا اولین مرحلہ اپنے آپ کو ہوائے نفس کی اطاعت سے دور کرتا ہے۔ وہ حق و عدل کی توصیف کرتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔

بعض لوگوں نے نہ صرف انبیاء کی پیغامِ حریت کا مثبت جواب دیا نہ اپنی عقل توانائیوں کو تعلیم الٰہی سے تقویت پہنچائی، بلکہ اپنی طبیعی عقل کو دنیا پرستی اور شہوات میں افراط سے کمزور اور تیرہ کر دیا اور اس کو حقائق اور انسانی زندگی کی حقیقتوں کے ادراک سے روک دیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے اس قبیل کے بدبخت اور محروم انسانوں کے بارے میں یوں فرمایا ہے:

قد خرقت الشھوات عقلہ و اماتت الدنیا قلبہ وولھت علیھا نفسہ فھو

---

[1] نہج البلاغہ۔ خطبہ ۸۷

عبدلھا ولمن فی یدیہ شیئ فیھا۔ [1]

نفسانی شہوات اور میلانات میں افراط نے اس کی عقل کے تار و پود بکھیر دیئے ہیں دنیا کی شدید محبت نے اس کے دل کو مردہ کر دیا ہے اور اس کی روح دنیا میں جذب ہو چکی ہے وہ دنیا کا بندہ ہے اور اس کا بندہ ہے جس کے ہاتھ میں دنیا کی کوئی چیز ہے۔

عقل ہوا وہوس کی قید میں

ایسا بد بخت اور بد قسمت انسان چونکہ ہوا وہوس کا اسیر ہے۔ اور اسیر عقل کبھی بھی حکیمانہ فکر نہیں کر سکتی۔ سعادت اور نجات کی راہ کو نہیں پا سکتی اور انسان کو مفاسد شر کے شعلوں سے نہیں بچا سکتی۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

کم من عقل اسیر تحت ھوی امیر۔ [2]

کئی عقلیں ہوائے نفس کے زیر تسلط اسیر و مغلوب ہیں۔

نیز آپ نے فرمایا:

حرام علی کل عقل مغلول بالشھوۃ ان ینتفع بالحکمۃ۔ [3]

شہوت کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تمام عقلوں پر حکیمانہ اور سعادت بخش افکار سے بہرہ مند ہونا حرام ہے۔ ہوا و ہوس اور شہوات کے یہ بندے اپنی پلید خواہشات کے حصول کے لئے کسی رکاوٹ کا احساس نہیں کرتے۔

یہ ہمیشہ تباہی و بربادی کے کنارے پر ہیں اور اس بات کا امکان موجود ہے کہ اپنی جبلی خواہشوں کی تکمیل کرتے ہوئے ظالمانہ اور غیر انسانی اعمال کے مرتکب ہو جائیں، دوسروں کی جان و مال پر تجاوز کرنے لگیں اور حیوانی عادات کو اپنا لیں اور اس قدر مذموم اعمال بجا لائیں کہ آہستہ آہستہ جانوروں کی عادات و اطوار کے مالک بن جائیں۔

بد اخلاقوں کا حشر و نشر بصورتِ حیوان

جیسا کہ اسلامی مآخذ سے ظاہر ہوتا ہے قیامت کے دن وہ لوگ انسانی شکلوں میں محشور ہوں گے جو دنیا میں انسانی

---

[1] نہج البلاغہ۔ خطبہ ۱۰۹

[2] نہج البلاغہ۔ کلمہ ۲۱۱

[3] فہرست غرر ص ۷۸

اخلاق سے بہرہ مند ہوں گے لیکن وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو حیوانوں جیسا بنایا ہوگا اور غیر انسانی اخلاق کو اپنایا ہوگا قیامت میں ایسی حالت میں محشور ہوں گے جو ان کے اخلاق اور عادات کے مطابق ہوگی۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ [1]

جس دن صور پھونکا جائے گا لوگ مختلف گروہوں کی شکل میں عرصۂ محشر میں داخل ہوں گے۔

بندر اور خنزیر کی شکل، لولے اور لنگڑے افراد

براء بن عازبؓ کہتے ہیں:

ان معاذ بن جبل قال یا رسول الله ما قول الله یوم ینفخ فی الصور فتأتون افواجا۔ فقال یا معاذ سئلت عن امر عظیم ثم ارسل عینیه ثم قال عشرة اصناف قد میزهم الله من جماعة المسلمین وبدل صورهم فبعضهم علی صورة القردة وبعضهم علی صورة الخنازیر وبعضهم۔ [2]

معاذ بن جبل نے اس آیت کے متعلق حضور اکرمؐ سے سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا: اے معاذ تم نے بہت اہم بات پوچھی ہے یہ کہا اور آپؐ کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مسلمانوں میں سے دس گروہوں کو جدا کرے گا اور ان کو قیامت میں خاص شکل و صورت کے ساتھ داخل کرے گا۔ ان میں ایک گروہ بندروں کی صورت میں، دوسرا خنزیر کی شکل میں، ان میں سے بعض الٹے وارد محشر ہوں گے ان کے پاؤں اوپر اور سر نیچے کی طرف ہوگا، بعض اندھے محشور ہوں گے بعض گونگے اور بہرے اٹھائے جائیں گے ان میں سے بعض کی حالت یہ ہوگی کہ اپنی زبانوں کو چبا رہے ہوں گے اور ان کی زبانوں سے خون اور غلاظت گر رہی ہوگی۔ کچھ لوگ لولے لنگڑے میدان محشر میں وارد ہوں گے جب کہ ان کے گلے میں آگ کے حلقے ہوں گے، کچھ لوگ مردار کی بو سے زیادہ بدبودار حالت میں عالمِ محشر میں آئیں گے اور کچھ افراد آگ کا لباس پہنے ہوئے قیامت کے میدان میں حاضر ہوں گے۔ اس کے بعد ان افراد کے اعمال کی وضاحت کرتے ہوئے

---

[1] النبأ۔ آیہ۔ ۱۸۔

[2] الدر المنثور۔ جلد ۶ ص ۳۰۷

آپؐ نے فرمایا: وہ گروہ جو بندر کی شکل میں محشر میں آئے گا۔ وہ طاغوت اور ظالم ہیں۔ خنزیر کی صورت میں محشر میں آئے گا۔ وہ طاغوت اور ظالم ہیں۔ خنزیر کی صورت میں محشور ہونے والے ناجائز اور پلید مال کھاتے ہوں گے۔ میدان محشر میں سر کے بل داخل ہونے والے سود خور ہوں گے جو لوگ اندھے محشور ہوں گے وہ ایسے قاضی اور جج ہوں گے جو جان بوجھ کر حق وعدالت کے خلاف رائے دیتے ہوں گے گونگے اور بہرے قیامت کے دن وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں اپنے کاموں پر خود پسند اور خوش ہوتے ہوں گے۔ اپنی زبانوں کو چبانے والا گروہ وہ علماء اور قاضیوں کا ہوگا۔ جن کے قول وفعل میں تضاد پایا جاتا ہوگا۔ لولے اور لنگڑے وہ لوگ ہوں گے جو اپنے ہمسایوں کو تکلیف وآزار پہنچاتے ہوں گے۔ اور وہ لوگ جن کی گردنوں میں آگ کے حلقے ہوں گے وہ ہوں گے جو ظالم اور جابر بادشاہوں کے سامنے چغلی کھاتے ہوں گے۔ مردار سے زیادہ بدبودار وہ افراد ہوں گے جن کی زندگی کا ہدف فقط لذت کے درپے رہتے ہوں گے اور فقراء کے حق کا اپنے اموال میں خیال نہیں رکھتے ہوں گے اور لباس پہننے والے متکبرین اور مغرور لوگ ہوں گے۔

اسی حدیث کے مفہوم کو ان اشعار میں بیان کیا گیا ہے۔

سیرتی کان درو جودت غالب است
هم برآن تصویر حشرت واجب است
حکم آن خوراست کو غالبتر است
چونکه زربیش از مس آمد آن زر است
حاسدان راحشر در روز گزند
بی گمان بر صورت گرگان کنند
حشر پر حرص خس مردار خوار
صورت خو کی بود روز شمار

پیٹ کے بل چلنے والے

رسول اکرمؐ سے ایک اور حدیث میں بعض گمراہ اور برے اخلاق کے حامل افراد کے حشر کے بارے میں یوں بیان ہوا ہے۔

ومنهم المسحوب على وجهه والماشى على بطنه ومنهم من يوطىء بالاقدام مثل الذر ۔ [۱]

بعض لوگ منہ کے بل گھسیٹے جائیں گے اور وہ پیٹ کے بل چلیں گے اور بعض چیونٹیوں کی طرح لوگوں کے پاؤں تلے روندے جائیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يجئ يوم القيامة ذوا لوجهين والعاً لسانه فى قفاه واخر من قدامه يلتهبان نارا حتىٰ يلهيا جسده ثم يقال له هذا الذى كان فى الدنيا ذا وجهين ولسانين يعرق بذالك يوم القيمة ۔ [۲]

ایک شخص دو چہروں کے ساتھ عرصۂ محشر میں وارد ہوگا جب کہ اس کی دو زبانیں ہوں گی ایک سر کی پچھلی طرف سے نکلی ہوئی ہوگی اور ایک اگلی طرف سے۔ ہر دو زبانوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے اور اس کے جسم کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوں گے۔ پھر اس کے بارے میں کہا جائے گا۔ یہ وہ شخص ہے جو دنیا میں لوگوں سے دوغلہ پیش آتا تھا لوگوں سے دو زبانوں سے بات کرتا تھا اور ایسا منافق اور دوغلہ شخص اپنی اسی مذموم عادت اور ناپسند خصلت کے ساتھ میدانِ محشر میں متعارف ہوگا۔

يحشر الناس يوم القيمة ثلثة اصناف ركبانا ومشاة وعلىٰ وجوههم فقيل يا رسول الله فكيف يمشون على وجوههم ۔ قال الذى امشاهم على اقدامهم قادر على ان يمشيهم على وجوههم ۔ [۳]

قیامت کے دن تمام لوگ کیفیت حرکت کے اعتبار سے تین گروہوں میں محشور ہوں گے۔ بعض سوار ہوں گے۔ بعض پیادہ اور کچھ منہ کے بل چل رہے ہوں گے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کس طرح منہ کے بل چلیں گے؟ آپؐ نے فرمایا میں فرمایا: جس نے ان کو قدموں کے بل کی طاقت عطا کی ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ان کے منہ کے بل چلائے۔

---

[۱] لئالی الاخبار۔ص ۴۵۷

[۲] کتاب۔عقاب الاعمال ص ۳۱۹

[۳] علم الیقین۔ص ۱۰۹

شکلوں میں تفاوت کا معیار

قیامت میں ان ظاہری شکلوں اور صورتوں میں تفاوت کا معیار لوگوں کے اندرونی ملکات اور اخلاق ہیں یہ باطن ہے جو قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔ یہ خفیہ امور ہیں جو اس دن آشکار ہوجائیں گے اور ہر انسان کا جسم اس کے روحانی ملکات اور نفسانی عادات سے بنایا جائے گا اور چونکہ لوگوں کے افکار اور نیتیں مختلف قسم کی ہیں اس لئے حدیث میں آیا ہے کہ ہر روح کے لئے حضرت اسرافیل کے صور میں مخصوص سوراخ مقرر کیا گیا ہے اور وہ روح اپنے مخصوص راستے سے خارج ہوگی اور اپنے بدن کا رخ کرے گی۔

والصور قرن من نور فیه انقاب علی عدد ارواح العباد فتجتمع الارواح کلها فتجعل فی الصور [1]

صور نور کی ایک شاخ ہے کہ جس میں انسانوں کی ارواح کی تعداد کے برابر سوراخ ہیں اور تمام ارواح میں جمع ہوں گی۔

تفسیر برہان میں ہے کہ

فاذا نادی اسرافیل فی الصور خرجت الارواح من اثقاب الصور فتنشر بین السماء والارض کانها النحل یخرج من کل ثقب ولا یخرج من ذالك الثقب غیره فارواح المومنین تخرج من اثقابها نائرة بنور الایمان وبنور اعمالها الصالحة وارواح الکفار تخرج مظلمة بظلمة الکفر واسرافیل یدیم الصوت والارواح قد النتشرت ما بین السماء والارض ثم تدخل کل روح الی جسدها الذی فارقته فی دار الدنیا۔ [2]

نور اور ظلمت کے سوراخ

جب اسرافیل صور پھونکیں گے ارواح صور کے سوراخوں سے باہر آئیں گی اور زمین آسمان کے درمیان شہد کی

---

[1] تفسیر برہان جلد ۴ ص ۸۷

[2] تفسیر برہان جلد ۴ ص ۸۷

مکھیوں کی طرح بکھر جائیں گی ہر روح اپنے مخصوص سوراخ سے خارج ہوگی۔ مومنین کی ارواح ایمان اور اعمال صالحہ کے نور سے منور سوراخوں سے باہر آئیں گی اور کفار کی روحیں ان سوراخوں سے خارج ہوں گی جو کفر کی تاریکی وظلمت سے تیرہ و تاریک ہیں۔ اسرافیل اسی طرح صور پھونکتے رہیں گے اور فضا میں پراگندہ ارواح میں سے ہر ایک ایسے جسم میں داخل ہوتی جائے گی جس سے وہ دنیا میں جدا ہوئی تھی۔

جان عالم سوی عالم میرود
جان ظالم سوی ظالم مے شود
عالم کی روح عالم کی طرف جاتی ہے
ظالم کی جان ظالم کی طرف جاتی ہے
کہ شناسان کرد شان علم الہٰ
چونکہ برویش وقت صبح گاہ

علمِ خدا نے انہیں ایک دوسرے سے آگاہ کر دیا ہے۔ جیسے صبح کے وقت بھیڑ بکریاں ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کے بعض لوگ ظاہر اور باطن میں انسان ہیں یعنی ان کی ظاہری شکل وصورت بھی انسانوں والی ہے اور وہ انسانی اعمال اور اخلاق کے حامل بھی ہیں۔ جب کہ کچھ لوگ ظاہری طور پر تو انسان ہیں لیکن سیرت وکردار میں وہ درندے اور ڈسنے والے جانور ہیں۔ ان کی صورت تو انسانوں جیسی ہے لیکن وہ سانپ اور بچھو کی طرح ڈستے ہیں اور بھیڑیئے اور چیتے کی طرح چیر پھاڑ دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں رسوا نہیں کرتا اور ان کی انسانی صورت کو نہیں چھینتا۔ لیکن قیامت کے روز ان کی حالت بدل جائے گی۔ ان کے راز فاش ہو جائیں گے اور وہ امر الٰہی سے اپنی بری عادات واخلاق کے مطابق شکلوں میں تبدیل ہو کر محشور ہوں گے۔ مختصر یہ ہے کہ دنیا میں یہ درندہ صفت افراد اپنے ناجائز اور ناروا کاموں کو تشکیل دیتے ہیں اور آخرت میں ان کے یہی ناروا کام انہیں شکل وصورت دیں گے اور ان کے اندرونی برے چہرے کو آشکار کریں گے۔ اسی لئے محشر میں یہ لوگ پہلی ہی نظر میں ان کے فاسد اخلاق اور فاسد ایمان سے باخبر ہو جائیں گے اور شاید قرآن مجید کی یہ آیت اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتی ہے:

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾ [1]

قیامت میں گنہ گار اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے اور وہ ایسے عذاب میں مبتلا ہوں گے جو فرا گیر اور سرتاپا ہوگا۔

---

[1] الرحمن۔ ۴۱

باب نمبر 13

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ یُحۡیِیۡہَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَہَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ وَ ہُوَ بِکُلِّ خَلۡقٍ عَلِیۡمُۨ ﴿۷۹﴾ (یٰس:۷۹)

مادی نظریہ کائنات

اس کائنات وہستی کے بارے میں مادی نظریے کی پیروی کرنے والے افراد معاد کی بحث وگفتگو میں ہمارے فریق نہیں بن سکتے۔ضروری ہے کہ ان سے خدا اور اس کے وجود کے ثبوت کے بارے میں دلائل ذکر کئے جائیں ان مادہ پرستوں کا نظریہ یہ ہے کہ مادہ ازلی اور ابدی ہے اور انسان کی پیدائش ایک اتفاقی حادثہ اور ایک بے شعور واقعہ ہے وہ ماوراء طبیعت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں اور اس جہان کے خالق کا انکار کرتے ہیں۔

ان کی نظر میں انسان کی سوچ اور فکر ایک مادی عمل ہے اور انسان کے نفساتی حالات اس کے جسم کے احوال واوضاع کا نتیجہ ہیں۔مختصر یہ کہ ان کا عقیدہ ہے کہ انسان مستقل اور جاوید روح کا حامل نہیں ہے۔اس کی حیات دیگر جانداروں کی طرح ہے اور اس کی موت بھی درخت کے خشک ہونے اور کتے و بلی کے مرنے کی مانند ہے۔انسان کا مردہ جسم دوسرے حیوانات کی طرح زمین میں گل سڑ جاتا ہے۔اس کے اصلی عناصر اور معدنیات طبیعت کے خزانوں میں واپس چلے جاتے ہیں۔اس کے وجود کے تمام پہلو اختتام پذیر ہو جاتے ہیں اور اس سے روح نام کی کوئی چیز عالم ماوراء طبیعت میں باقی نہیں رہتی۔

جاودانی روح کا انکار

کتاب اصول روانکاری کے صفحہ ۲۲ پر یہ عبارت درج ہے۔''مادہ پرستی مادہ پرست جسم سے ماوراء کسی روح کے قائل نہیں ہیں اور وہ کہتے ہیں: فکر ایک جسمانی عمل ہے۔تمام نفسیاتی حالات جسمانی تبدیلیوں کا نتیجہ ہیں اور مادے سے مربوط ہیں یہ فکری لحاظ سے مختلف طریقہ کار کے حامل ہیں۔ان میں سے بعض کو اصالت حس کا حامی بھی کہا جاسکتا ہے۔البتہ یہ گروہ زیادہ تر فیزیالوجی کے ماہرین PHYSIOLOGIST پر مشتمل ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں تمام علم اور شناخت حواس کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے ''بروسیز'' BROUSSAIS اس بارے میں یوں کہتا ہے: جب تک میں روح کو جراحی کے چاقو کے نیچے نہ دیکھ لوں اور محسوس نہ کرلوں اس وقت تک اسے باور نہیں کروں گا۔''

بروسیز کی گفتگو روح کے بارے میں

جناب بروسیز سے سوال کیا جانا چاہیے کہ کیا تم فقط روح کو تسلیم نہیں کرو گے جب تک کہ تم اسے جراحی کے چاقو کے نیچے نہ دیکھ لو یا انسان کے باقی پنہاں خزانوں کے متعلق بھی تمہارا یہی نظریہ ہے؟ مثلاً انسان کی قوت حافظہ اور ذاکرہ کے بارے میں بھی یہی کہتے ہو کہ جب تک مغز کا آپریشن کر کے حافظہ کی قوت کو جراحی کے ہتھیاروں کے نیچے محسوس نہ کر لو تسلیم نہیں کرو گے یا یہ کہ قوت حافظہ کے بارے میں اس بات کے قائل نہیں ہو۔ اگر یہ کہتے ہو کہ پھر روح کی طرح حافظہ کا بھی انکار کرو کیونکہ حافظ بھی جراحی کے ہتھیاروں سے حس نہیں کیا جا سکتا اور اگر یہ بات فقط روح کے متعلق کہتے ہو تو پھر ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ تم نے کون سے عملی معیار پر جراحی کے چاقو کو روح کے وجود کو تسلیم کرنے کا معیار قرار دیا ہے؟

اللہ پر ایمان نظریہ کی حد تک

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مادی نظریئے کی پیروی نہیں کرتے اس عالم کو دانا و توانا خالق کی مخلوق سمجھتے ہیں۔ لیکن خدا کے بارے میں ان کا اعتقاد وفقط نظریئے کی حد تک ہے۔ اگر چہ یہ لوگ اپنے آپ کو خالقِ اکبر کا پیدا کردہ جانتے ہیں لیکن اس کے حضور کسی قسم کی ذمہ داری اور اور مسئولیت کا احساس نہیں کرتے۔ انبیاء علیہم السلام کے اقوال پر عمل پیرا نہیں ہوتے اور آسمانی ادیان جو کہ سعادتِ بشر کے لئے الٰہی پروگرام کا مجموعہ ہیں کی پرواہ نہیں کرتے۔ ایسے افراد کے ساتھ بھی معاد کی بحث فضول ہے۔ ان سے وحی الٰہی اور نبوت کے بارے میں گفتگو کرنی چاہیے اور ان کی توجہ اطاعت الٰہی کی ضرورت اور ذاتِ الٰہی کے مواخذہ کی طرف دلانی چاہیے۔ ایسے افراد کی ماضی میں تعداد بہت زیادہ تھی اور اب بھی یہ موجود ہیں۔ انہوں نے اپنی عقل کو بروئے کار لا کر نظامِ خلقت اور اس میں موجود حکمتوں اور اسرار کا مطالعہ کیا ہے۔ خالقِ کائنات جو کہ دانا اور توانا ہے پر ایمان لا کر الٰہیوں پر نظر نہ کرنے کی وجہ سے یہ لوگ معاد کو ایک عجیب اور غیر معمولی چیز سمجھتے ہوئے باور نہیں کرتے اور معاد کے بارے میں انبیاء کی باتوں کو جنون آمیز خیال کرتے ہیں۔ رسول اکرمؐ کی بعثت کے دور میں اہل مکہ ایسے ہی تھے۔ قرآن شریف صریحاً یہ کہتا ہے کہ وہ لوگ یکتا خدا پر ایمان رکھتے تھے اور اسے اس جہان کا خالق جانتے تھے۔

انبیاء کی باتوں کا انکار

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط [1]

---

[1] سورہ زمر آیہ ۳۸

اگر تم مشرکین اور بت پرستوں سے سوال کرو کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے؟ تو وہ جواب دیں گے۔ اللہ

ور پرسی مشرکانِ مکہ را
کہ نمود ایں خلقت ارض و سماء

اگر مشرکین مکہ سے پوچھا جائے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے؟

می بگویند آن خدائے ذوالجلال
اندر این رہ نیست حاجت برسؤال

تو وہ جواب دیں گے خدائے ذوالجلال نے اور اس بات پر سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

معاد اور قیامت کے بارے میں نبی اکرمؐ کی باتوں پر مکے کے بت پرست جو اعتراض کرتے تھے قرآن شریف نے اسے یوں بیان کیا ہے:

کافروں کی گفتگو

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ [1]

کفار تعجب سے یا مذاق کرتے ہوئے ایک دوسرے سے کہتے تھے: کیا تم چاہتے کہ ہم تمہیں ایسے شخص کا تعارف کرائیں جو یہ خیال ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور زمین میں گل سڑ کر خاک بن جاؤ گے تو تم دوبارہ زندہ ہوؤ گے۔ یہ شخص یا تو جان بوجھ کر اپنی باتوں سے خدا پر جھوٹ باندھتا ہے یا پھر دیوانہ ہو گیا ہے۔

معاد کے موضوع پر ان افراد سے بحث کرنا مناسب اور شائستہ ہے جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں کائنات کو خالق توانا کی مخلوق سمجھتے ہیں۔ پیغمبروں کی نبوت اور وحی الٰہی کو تسلیم کرتے ہیں جسم کی موت کے بعد روح کی بقاء پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور انسانوں کو بارگاہ رب العزت میں مسئول اور جواب دہ جانتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قیامت کے متعلق غور وفکر کرتے ہیں۔ یہ ایک طرف تو عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے سے اس پر مختلف جہات سے تحقیق کرتے ہیں اور اپنے ایمان کو زیادہ سے زیادہ محکم اور مضبوط کرتے ہیں۔ دوسری طرف قیامت اور روزِ جزاء کو یاد کر کے اپنے اخلاق اور اعمال کی اصلاح کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے آپ کو رحمت اور عفو الٰہی کی امید کے ساتھ روزِ حساب کے لئے آمادہ کرتے ہیں۔

[1] سورہ سبا آیۃ۔ ۷۔ ۸

زیرِ بحث مطلب کو مختلف جہات سے کسی حد تک واضح کرنے کے لئے اس فصل میں ان تین گروہوں کے بعض نظریات اور اقوال پر مختصر بحث کی جائے گی۔

مادہ پرست

مادہ پرست MATERIALISTS یہ گروہ مبداء اور معاد دونوں کا منکر ہے اور ہمیشہ سے خدا پرستوں کے مقابلے میں موجود رہا ہے۔ انسانی معاشرے میں ان کا نظریہ بہت پرانا ہے۔ قرآن شریف میں ان کی بات یوں بیان ہوئی ہے۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٢٤﴾ [1]

وہ کہتے ہیں دنیا کی زندگی کے علاوہ کوئی زندگی اور حیات نہیں ہے۔ ایک نسل ختم ہوجاتی ہے۔ تو دوسری نسل اس کی جگہ لے لیتی ہے اور ان نسلوں کو ہلاک کرنے والا زمانہ ہے۔

اللہ تعالٰی ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے:

ان کی بات کی علمی اساس نہیں ہے بلکہ وہ حدس اور گمان سے کام لیتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام نے ایک مفصل حدیث میں فرمایا:

فاما کفر الجحود فهو الجحود بالربوبية وهو قول من يقول: لا رب ولا جنة ولا نار وهو قول صنفين من الزنادقة يقال لهم الدهرية وهم الذين يقولون: وما يهلكنا الا الدهر" وهو دين وضعوه لانفسهم بالاستحسان على غير تثبت منهم ولا تحقيق لشئ مما يقولون قال الله عزوجل "ان هم الا يظنون۔" [2]

انکار والا کفران کی بات ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس کائنات کا نہ کوئی خدا ہے نہ کوئی بہشت اور نہ کسی دوزخ کا وجود ہے اور یہ قول زنادقہ کے دو گروہوں کا ہے جن کو دہریہ کہا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ''زمانے کے سوا

[1] سورہ الجاثیہ آیۃ ۲۴

[2] کافی، ج۲ ص ۳۸۹

کوئی ہمیں ہلاک نہیں کرتا'' اور یہ ایسا مذہب ہے جو بغیر تحقیق کے گمان پر بنایا گیا ہے۔ خدا نے اس کے متعلق فرماتا ہے: ''وہ خودساختہ مذہب ظن وگمان کے سوا کچھ نہیں۔''

عظیم فلسفی صدرالمتالہین شیرازی مادہ پرستوں کا نظریہ کو یوں نقل کرتے ہیں:

ان الانسان لیس الاھذا الھیکل المحسوس حامل الکیفیة المزاجیه وما یتبعھا من القوی والاعراض وان جمیعھا یفنی بالموت وینعدم بزوال الحیوة ولا یبقی الا المواد العنصری المتفرقة فالانسان کسائر الحیوان والنبات اذا مات فات وسعادته وشقاوته منحصرة فما یحسب اللذات ولآلام الحسیة الدنیاویه۔ [1]

انسان اس محسوس ہیکل، مزاجی کیفیت اور دیگر مادی قویٰ وعوارض کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے اور یہ سب موت کے آنے سے فنا ہوجائیں گے اور زندگی کے خاتمے کے ساتھ ہی نابود ہوجائیں گے اور موت کے بعد طبیعی مواد اور معدنی عناصر کے علاوہ انسان کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی اس بنا پر انسان حیوانات اور نباتات کی مانند ہے۔ جب مر گیا ختم ہوگیا۔ اس کی سعادت اور بدبختی صرف اور صرف دنیا کی حسی لذتوں اور مصائب میں منحصر ہے۔

ادیانِ الٰہی سے جنگ

گذشتہ زمانے میں الٰہی مکتب کے مقابلے میں مادی مکتب صرف ایک نظریے کے طور پر کتابوں کی حد تک تھا اور اس کے طرف دار اس پر بحث وگفتگو کرتے تھے۔ لیکن اس آخری صدی میں ایک طرف تو دنیا میں لذت طلبیاں اور گناہ آلودہ شہوت پرستیوں کا دور دورہ ہوگیا ہے تو دوسری طرف اشترا کی حکومت اور کمیونزم کی باتیں ہونے لگیں ہیں۔ دنیا میں منصوبے بنانے والے اور پروگرام تجویز کرنے والے متوجہ ہوئے کہ الٰہی ادیان اور مذہبی عقائد ساری دنیا میں اشترا کیت اور شہوت پرستی کے اہداف کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اسی لئے وہ دینی عقائد کی قلم اور زبان کے ذریعے سے بیخ کنی کرنے کی فکر میں پڑ گئے وہ لوگوں کے مبدأ اور معاد پر ایمان سے جنگ کرنے پر تل گئے اور ان کو مذہبی عقائد سے منحرف کرنے لگے یا کم از کم ان کے ایمان کو متزلزل کرنے لگے۔ کمیونسٹوں اور غیر کمیونسٹوں کی طرف

---

[1] مبداء ومعاد ص ۲۷۳

سے تمام ممالک میں مختلف زبانوں میں کتاب لکھ کر منتشر کی گئیں اور نو جوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو اپنی گمراہ کن اور پرفریب باتوں سے گمراہی کے راستے پر لگا دیا۔ یہاں پر نمونے کے طور پر ڈاکٹر تقی ارانی کے چند جملے ذکر کرتے ہیں جوانہوں نے مذہب اور قیامت کے بارے میں لکھے ہیں:

تین اہم خاصیتیں مذہب کی تباہی اور فنا کا باعث ہیں۔

ا۔ مذہب کا سائنس سے اختلاف: مذہب اگر صحیح ہوتو اسے ثابت ہونا چاہیے جب کہ سائنس متغیر ہے اور ایک متمدن انسان اپنے ادراکات کا انکار نہیں کرسکتا اور اگر مذہب بھی سائنس کی طرح تغیر پذیر ہوتو پھر اس کی مختلف حالتوں میں سے ہر ایک مطلق صحت کو کھو دیتی ہے۔اور یوں مذہب تباہ اور فنا ہوکر رہ جاتا ہے۔

کچھ ڈاکٹر ارانی کی گفتگو کے بارے میں

جناب ڈاکٹر ارانی! علم کہ جو دراصل واقع کے انکشاف حقیقت کی اور شناخت سے عبارت ہے ہرگز تبدیل نہیں ہوتا۔ جو کچھ تبدیل ہوتا ہے اور تغیر پذیر ہے وہ مفروضے ہیں اور مفروضے علم نہیں ہوتے۔ممکن ہے ایک غلط مفروضہ سائنسی حلقوں میں قبول کرلیا جائے۔سالوں تک اس کو پڑھایا جائے اور بعد میں اس کا غلط ہونا ظاہر ہوجائے۔اس لئے اسلام کے قطعی مسائل سائنس کی طرح ہمیشہ ثابت اور تغیر ناپذیر ہیں اور ان دونوں میں ہر ایک کبھی بھی اپنی مطلق ہستی کو نہیں کھوتے کہ ان کا فنا ہونا لازم آئے۔

ڈاکٹر ارانی مذہب کی دوسری اہم خاصیت اپنے نظریے کے مطابق یوں بیان کرتے ہیں۔

۲۔ مذہب مختلف امتوں اور مذاہب کے پیروکاروں میں اختلاف اور نزاع کو پیدا کرتا ہے۔اگر چہ ان سب کی بنیاد ایک ہوگی اور ان میں عمومی اور باہم مطابقت رکھنے والی صفات موجود ہوتی ہیں اس کے باوجود ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو حق اور دوسرے کو باطل سمجھتا ہے۔''

مذاہب کے پیروکار ایک دوسرے سے اختلاف عقیدہ کے باوجود صدیوں سے مل جل کر زندگی گذار رہے ہیں اور اگر استعمار اپنے سیاسی اہداف کے حصول کے لئے مذہب سے سوءاستفادہ نہ کرے اور لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف نہ اکسائے تو بہت کم اختلاف اور نزاع رونما ہو۔اس وقت سب سے بڑا خطرہ کمیونزم اور سرمایہ داری کا آپس میں گہرا اختلاف ہے۔

کمیونزم اور سرمایہ داری کا تضاد

اگر درست معلومات ہاتھ لگ جائے تو معلوم ہوگا کہ اس صدی میں ان دو نظاموں کے اختلاف نے دنیا کے

انسانوں کو کس قدر موت کے منہ میں دھکیلا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس اختلاف پر کچھ کہیں اور اس کے لئے کوئی تدبیر کریں۔

ڈاکٹر ارانی مذہب کی تیسری اہم خاصیت یوں ذکر کرتے ہیں:

۳۔ مذہب ہمیشہ برسرِ اقتدار طبقے کا آلہ کار رہا ہے اور یہ طبقہ ہمیشہ نچلے طبقوں کو مغلوب کرنے کے لئے تسبیح اور صلیب کو نیزے کے ساتھ چلاتا رہا ہے۔ یہی صفات مذہب کے زوال کا سبب بنتی ہیں۔''[۱]

انقلاب اسلامی ایران

ڈاکٹر ارانی صاحب کہاں ہیں وہ آئیں اور دیکھیں کہ حال ہی میں برپا ہونے والے اور جاری وساری رہنے والے انقلاب اسلامی ایران میں تسبیح تکبیر کے نعرے لگانے والوں کے ہاتھوں میں ہے جو مساجد اور امام بارگاہوں سے نکلے ہیں۔ یہ افراد عظیم علماء کی قیادت میں ظالم حکومت کے سامنے اٹھ کھڑے ہوئے اور بند مٹھیوں کے ساتھ سنگینیوں سے مقابلہ کیا اور اسلحہ برداروں پر حملہ آور ہوئے ہیں انہوں نے مستضعفین اور پسے ہوئے طبقے کی خاطر مستکبرین کو ناکوں چنے چبوا دیئے شاہ کو نکال باہر کیا۔ (۲۵۰۰) ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہی نظام کو پلٹ کر رکھ دیا۔ امریکیوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا۔ اسلحہ برداروں اور ظالموں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا اور یہی متکبرین سے جنگ اور مستضعفین سے حمایت الٰہی دین کا مقصود ہے اور اسلام کی بقاء کا موجب ہے اور رہے گا۔

حیاتِ جاوید اور بقاء روح کا عقیدہ انسانوں کی سوچوں اور افکار کے لئے دومفید اور سودمند اثر رکھتا ہے۔

پروفیسر یونک کی بات

پہلا اثر یہ ہے کہ زندگی کو معنی اور مفہوم عطا کرتا ہے۔ اسے لغو اور بے مقصد ہونے سے بچاتا ہے۔ علمِ نفسیات کے بہت بڑے استاد پروفیسر یونک اپنے ایک مقالے میں یوں کہتے ہیں:

''بیسویں صدی کا انسان لا مذہب ہے اور اپنی روح کی جستجو میں سرگرداں ہے جب تک مذہب نہ آئے۔ آسائش میسر نہیں آئے گی۔ لادینی زندگی کے بے معنی اور بے مقصد ہونے کا موجب ہے۔''[۲]

دوسرا اثر یہ ہے کہ روح کی جاوداں حیات کا عقیدہ موت کو آسان بنا دیتا ہے اور انسان کو یہ اطمینان عطا کرتا ہے کہ

---

[۱] پیسکولوژی۔ص ۲۷۲

[۲] کیہان اخبار نمبر ۸۱۹۶

روحانی بلندی اور معنوی تکامل موت کی وجہ سے ختم نہیں ہوجاتے بلکہ روح ایک جہان سے دوسرے جہان میں انتقال کر جاتی ہےاور آخر کار اس کائنات کے خالق کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

ڈاکٹر کارل کی گفتگو

دنیا کے مشہور دانشور ڈاکٹر کارل کہتے ہیں: ''مذہب کی نظر میں موت زندگی کا اختتام نہیں بلکہ اس کا آغاز ہے۔ روح بدن کے ساتھ پراگندہ ہونے کی بجائے اپنے کمال کے سفر کو جاری رکھتی ہے۔ اور اپنی شخصیت میں کسی قسم کی کمی کے بغیر خدا سے متصل ہوجاتی ہے۔''

''تقریباً دو ہزار سال سے اربوں مردوں اور عورتوں نے اس عقیدہ کے ساتھ کہ موت کے بعد اپنے عزیزوں، پاکیزہ افراد، فرشتوں اور خدا کے ہمراہ ہوں گے، نہایت سکون کے ساتھ اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کی ہے۔ لہٰذا موت کے راز پر بشریت کے اضطراب کا مذہب کی طرف سے جواب سائنس کی طرف سے دیئے گئے۔ جواب سے کہیں بہتر اور مانع کنندہ ہے۔ مذہب کا جواب وہی ہے جو انسان کے دل کی آرزو ہے۔''[1]

ڈاکٹر ارانی کی تحلیل

ڈاکٹر ارانی صاحب بدن کی موت کے بعد بقاء روح کے عقیدہ کے بارے میں یوں کہتے ہیں:

''تہذیب وتمدن کے پہلے پہلے ادوار میں جب انسان اپنے جسم کے متعلق بھی پوری طرح معلومات نہیں رکھتا تھا اپنے خواب وخیال وغیرہ کے ذریعے سے اس بات میں غور وفکر کرنے لگا وہ اپنی سادہ معلومات کی وجہ سے مجبور تھا کہ روحانی آثار کے ظہور کا ذریعہ ایک مستقل اور مخصوص موجود کے عمل کو سمجھے جو اس کے بدن میں ساکن ہے۔ پس چونکہ انسان کے فوت ہوجانے کے بعد روح باقی رہتی ہے۔ اس لئے اسے دائمی اور ابدی ہونا چاہیے۔ لیکن یہ بات اس سادہ انسان کے لئے تسلی خاطر نہ تھی بلکہ بہت بڑی بدبختی تھی کہ وہ قابلِ فہم مفروضوں کے باوجود ان کے رازوں کو نہ جان سکا اور اس بدبختی کو اپنا ناقابل تغیر مقدر سمجھ بیٹھا۔''[2]

ڈاکٹر ارانی صاحب خود مادہ پرست ہیں۔ اور خدا، پیغمبروں اور عالم ماوراء طبیعت کے منکر ہیں۔ انہوں نے بقاء روح کے نظریے کو سائنسی لحاظ سے حقیر، پست اور ناچیز ثابت کیا ہے اور اس کی بنیاد اوائل کے اپنے جسموں سے ناآگاہ

---

[1] راہ ورسم زندگی، ص ۱۴۳

[2] پسیکولوژی، ص ۲۷۰

انسانوں کے خواب وخیال کو قرار دیا ہے۔تا کہ نا آ گاہ قاری یہ سمجھے کہ بقاء روح کا عقیدہ پرانی خرافات میں سے ہے اوراس کا تعلق جہالت کے ادوار سے ہے۔ جب کہ تعلیم یافتہ اور آ گاہ افراد جانتے ہیں کہ گذشتہ زمانے میں بہت بڑے اور مشہور فلاسفر نفس کے تجرد اور اس کی بقاء کا نظریہ رکھتے تھے اور آج بھی بہت سے عظیم عالمی دانشور اور سائنس دانوں کہ جن میں سے بعض تو نوبل انعام یافتہ ہیں۔ مذہب اور بقاءروح دونوں پر ایمان رکھتے ہیں۔اس لئے ڈاکٹر ارانی کی خلاف واقع بات ہے اور حقیقت کو پس پشت ڈالنے سے الٰہی تعلیمات کی عظمت ختم نہیں ہوتی اور بقاءروح کی علمی حیثیت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

ڈاکٹرارانی کی باتوں کا جواب

ڈاکٹر ارانی صاحب نے اپنی گفتگو کے دوسرے حصے میں یہ کہا ہے کہ اس وقت کے سادہ لوح انسان کے لئے بقاء روح کے لئے ایک تسلیٔ خاطر نہ تھا بلکہ اس کی بہت بڑی بدبختی تھی۔اس کے بعد اس عظیم بدبختی کے رموز کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں وہ اپنے قابلِ فہم مفروضوں کے ذریعے سے ان کے رازوں کو نہیں پا سکتا۔لیکن وہ اپنی اس عدم آ گاہی اور لا علمی کی وجہ سے بدبختی اور ناکامی کا احساس نہیں کرتا مثلاً انسان نہیں جانتا کہ کب مرے گا؟ لیکن ہم نے نہیں سنا کہ کسی نے اپنے آپ کو اس لحاظ سے بدبخت سمجھا کہ وہ اپنے قابل فہم مفروضوں کے ذریعے سے اپنی موت کے وقت کو مشخص نہیں کر سکتا۔ انسان اس بات کا علم نہیں رکھتا کہ مستقبل کیسا ہے اور وہ اپنے قابل فہم فرض کے ذریعے اس کو جان بھی نہیں سکتا لیکن اپنے نہ جاننے کی وجہ سے اپنے آپ کو بدقسمت بھی نہیں سمجھتا بلکہ ذرا سا غور کرنے سے وہ یہ سمجھ سکتا ہے اس کی خوش قسمتی اسی میں ہے کہ وہ اپنے مستقبل کے متعلق بے خبر ہو۔ کیونکہ اگر اس کا مستقبل اچھا ہے تو اسے نہیں جاننا چاہیے تا کہ وہ اپنے کام اور کوشش میں کوتاہی اور سستی نہ کرے اور اپنے روشن مستقبل کو حاصل کر لے اور اگر اس کا مستقبل تاریک ہے پھر بھی اسے نہیں جاننا چاہیے تا کہ وہ دائمی غم واندوہ میں مبتلا نہ ہو جائے اور آج سے ہی اپنی زندگی کو مایوسی اور پریشانی میں لگے۔

مادہ پرستوں کی کتب میں مذہب اور معاد کے بارے میں مزید باتیں بھی ذکر ہوئی ہیں ان سب کا جواب دینے کے لئے ایک وسیع بحث کی ضرورت ہے۔ یہاں پر اس مختصر بحث پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔

منکرِ معاد خدا پرست

منکر معاد اللہ کے ماننے والے... دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو جہان کے خالق پر ایمان رکھتے ہیں اور کائنات کو دانا وتوانا پروردگار کی مخلوق سمجھتے ہیں۔لیکن معاد اور عالمِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایسے لوگ ماضی میں بھی موجود تھے اور اب بھی بہت زیادہ تعداد میں موجود ہیں۔ رسولِ اکرمؐ کے دور کے مشرکین مکہ اسی گروہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں۔ جو کچھ

انہوں نے رسول اللہؐ سے کہا ہے اور جو جوابات ان کو دیئے گئے ان کا کچھ حصہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ یہاں پر ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ [1]

عاص بن وائل کہتا کہ جب میں مرجاؤں تو کیا دوبارہ قبر سے اٹھایا جاؤں گا؟ اللہ تعالیٰ نے اس استفہام انکاری کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿٦٧﴾ [2]

کیا اس بات کے کہنے والے کو یہ بات یاد نہیں آتی کہ ہم نے اس سے پہلے اسے خلق کیا ہے اور اسے وجود دیا ہے جب کہ وہ کوئی چیز نہیں تھا اور ذرہ برابر بھی وجود نہیں رکھتا تھا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾ [3]

تم اس عالم میں اپنی پیدائش جو کہ نشاۃ الاولیٰ ہے سے آگاہ ہو۔ پس تم کیوں متوجہ نہیں ہوئے اور اپنی پہلی خلقت کو خالق توانا کی عالمِ آخرت میں قدرت خلقت پر دلیل کیوں نہیں سمجھتے؟

حضرت علی بن حسین علیہ السلام نے فرمایا:

والعجب لمن انكر النشاة الاخرة وهو يرى النشأة الاولى۔ [4]

بڑے تعجب کی بات ہے کہ جو شخص دنیا کو جو کہ نشاۃ اولیٰ اور خدا کی مخلوق ہے کو دیکھتا ہے لیکن اس کے باوجود عالمِ آخرت کا انکار کرتا ہے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِى الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِىْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ [5]

وہ کہتے ہیں کہ جب ہمارا بدن قبر میں گل سڑ جائے گا اور اس کے ذرات بکھر کر زمین کے ذرات کے ساتھ مل جائیں گے کیا وہ ہمارے گمشدہ اور بکھرے ہوئے اجزاء و ذرات دوبارہ اکٹھے ہو جائیں گے اور ہم ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے؟

---

[1] سورۂ مریم۔ ٦٦

[2] سورہ مریم۔ آیت ٦٧

[3] سورہ الواقعہ۔ آیت ٦٢

[4] علم الیقین۔ ص ٨٩٩

[5] سورہ السجدہ ٣٢۔ آیت ١٠

اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے:

تبدیلیوں کا الٰہی علم

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝۴ [1]

ہم زمین کے تمام افعال وانفعالات اور اس میں پیدا ہونے والی کمی بیشی کو جانتے ہیں اور وقوع پذیر ہونے والے تمام تغیرات اور تبدیلیاں ہمارے پاس موجود کتاب میں ثبت اور محفوظ ہیں۔

نزد ما باشد کتابی کا ندر او
ثبت باشد حال اشیا مو بمو

ہمارے پاس ایک کتاب ہے کہ جس میں تمام اشیاء کی جزئیات کا حال ثبت اور محفوظ ہے۔

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

فتنبت اجساد الخلائق کما ینبت البقل فتتدانی اجزاؤھم التی صارت ترابا بعضھم الی بعض بقدرۃ العزیز الحمید حتی انہ لو دفن فی قبر واحد الف میت وصار لحومھم واجسادھم وعظامھم النخرۃ کلھا ترابا مختلفت بعضھا فی بعض لم یختلط تراب میت بمیت آخر۔ [2]

قیامت میں لوگوں کے جسم پودوں کی طرح زمین سے اگیں گے۔ خاک میں مل جانے والے ان کے اجزاء توانا پروردگار کی قدرت سے آپس میں جڑ جائیں گے۔ اس طرح کہ اگر ایک قبر میں ہزار میتیں بھی دفن ہوں پھر بھی ان کا مخلوط گلا سڑا اور مٹی میں تبدیل ہو جانے والا گوشت پوست اور ہڈیاں محشر کے دن ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گی اور ایک دوسرے بدن کی مٹی سے مخلوط نہیں ہو گی۔

منکرین معاد کو قرآن کا جواب

خلاصہ یہ ہے کہ نبی اکرمؐ کے زمانے میں جنہوں نے معاد کا انکار کیا اور مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن خیال کیا قرآن کریم نے ان کو جواب دیا اور ان کو یاد دلایا کہ جس خدا نے آغاز میں مردہ مادے کو حیات بخشی اور انسانوں کو پیدا کیا

[1] سورہ ق۔ ۴

[2] لئالی الاخبار۔ ص ۴۵۶

وہ موت کے بعد پراگندہ ذرات کی جمع آوری اوران کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہےاورآخرت میں ان کونئی زندگی عطا کرسکتا ہے۔

اولم یر الانسان انا خلقنه من نطفة فاذا هو خصیم مبین وضرب لنا مثلاً و نسی خلقه قال من یحی العظام وهی رمیم۔ قل یحییها الذی انشأها اول مرة وهو بکل خلق عظیم۔ [1]

کیا قیامت کا منکر انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے ناچیز نطفے سے خلق کیا ہے کہ وہ اب کھلم کھلا دشمنی پراتر آیا ہے اور ہمارے سامنے مثالیں دیتا ہے وہ اپنی خلقت کو بھول گیا ہے وہ کہتا ہے کہ ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ کہہ دو ان کا زندہ کرنے والا وہی ہے جس نے اس کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور اسے حیات دی تھی اور وہ تمام مخلوق اور جہان ہستی کے تمام ذرات سے آگاہ اوران کا عالم ہے۔

یہ مکہ کے بت پرستوں کی باتوں کا خلاصہ تھا جو معاد کے منکر اللہ کے ماننے والے گروہ میں سے تھے جس کو قرآن شریف نے سوال وجواب کی شکل میں بیان کیا ہے۔ بت پرست روزِ جزا اور عالمِ آخرت کے انکار کے متعلق اپنے تنقیدی اور اعتراض آمیز افکار کو رسول اللہؐ کے سامنے سوال کی صورت میں پیش کرتے تھے اور آپؐ وحی کے ذریعے حاصل کئے گئے امر سے ان کو جواب دیتے تھے۔

معاد پر ایمان رکھنے والے خدا پرست

تیسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو خدا اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ لوگ فقط سچے مسلمان اور قرآن شریف کے پیروکار نہیں ہیں بلکہ وہ تمام لوگ ہیں جو گذشتہ تاریخ میں انبیاء الٰہی پر ایمان لائے۔ الٰہی ادیان کی پیروی کی اور روزِ جزا پر عقیدہ رکھا۔ البتہ ان کے عقائد کی کیفیت میں کم وبیش تفاوت موجود ہے کہ جس پر اپنے مقام پر بحث کی جانی چاہیے۔ اس فعل میں گفتگو کے طولانی ہونے کے ڈر سے صرف علماء اسلام، فقہا، محدثین، فلاسفہ اور متکلمین کے بارے میں اقوال کا کچھ حصہ نقل کیا جائے گا۔ اسی طرح معاد سے مربوط چند شبہات اوران کے مختصر جوابات کو بھی زیرِ بحث لایا جائے گا۔

مسئلۂ معاد

قیامت کا مسئلہ دینِ مقدس اسلام کے اساسی مسائل میں سے ہے اوراس کے بارے میں بہت سی آیات اور

[1] لئالی الاخبار۔ص ۴۵۶

روایات وارد ہوئی ہیں۔حضور اکرمؐ کی رحلت کے بعد مختلف ممالک میں اسلام کے پھیلاؤ اور وسعت کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ عقائد، اخلاق، تفسیر وحدیث اور اسلام کے حلال اور حرام کے شعبوں میں علم ودانش کی تحصیل کی ضرورت میں برابر اضافہ ہوا۔ کچھ افراد نے آئمہ ہدیٰ علیہم السلام سے کسبِ فیض کیا۔انہوں نے علم کے اعلیٰ مدارج کو طے کیا اور آخر عمر تک اہلبیت کے راستے کو جاری رکھا۔بعض افراد نے مکتب اہلبیت سے بہرہ مند ہونے کے بعد اپنے راستے کو تبدیل کرلیا اور دوسرے راستوں کو اختیار کرلیا۔

علم کلام کی پیدائش

دوسری صدی ہجری میں ایک موضوع اس عنوان کے تحت زیر بحث آیا کہ کیا قرآن شریف جو کہ کلامِ الٰہی ہے قدیم ہے یا حادث؟ اس موضوع پر سیر حاصل بحث ہوئی اور اس کے حق اور مخالفت میں بہت زیادہ گفتگو ہوئی اس موضوع کے حوالے سے توحید اور صفاتِ الٰہی کے بارے میں اور بحثیں بھی چھڑ گئیں اور اس کے نبوت اور قیامت سے مربوط مسائل اور دیگر اسلامی مطالب بھی زیر بحث آئے ان میں سے ہر ایک پر عقلی دلائل کی روشنی میں دینی معیاروں کو مدنظر رکھتے ہوئے غور وفکر کیا گیا بعد میں ان تمام ابحاث کو مجموعی طور پر علم کلام کا نام دیا گیا اور اس علم کے عالم کو متکلم کہا گیا۔ چونکہ اس علم کا آغاز کلامِ الٰہی کے قدیم اور حادث ہونے سے ہوا ہے اسی لئے اس کا نام علمِ کلام اور اس کے عالم کو متکلم کہا جانے لگا۔

فلسفی کتب کا ترجمہ

اسلامی سلطنت میں روز افزوں وسعت اور بنی عباس کی حکومت کی قدرت وطاقت میں اضافے کی وجہ سے بہت زیادہ وسائل اور ذرائع حکومت عباسی کے اختیار میں آ گئے تھے دوسری صدی ہجری میں حکومت کے حکم پر یونان کی چند علمی اور فلسفی کتب کا ترجمہ کیا گیا اور مختلف علوم کی تدریس کے لئے مدارس قائم کئے اور کچھ لوگ عقلی اور فلسفی علوم کے حصول میں مشغول ہو گئے اور یوں آہستہ آہستہ فلسفی مسائل سے بھی علماء اسلام آگاہ ہو گئے۔

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں مدارس میں مختلف علوم کے شعبہ جات وجود میں آ گئے۔اس کے ساتھ ساتھ تفسیر وحدیث اور فلسفی وکلامی مسائل بھی زیر بحث تھے اور علماء اسلام اسلامی مطالب پر مختلف زاویوں اور مختلف علوم کی نظر سے تحقیق اور ریسرچ کرتے تھے۔معاد کا مسئلہ جو کہ دینی اور علمی لحاظ سے گوناگوں پہلوؤں کا حامل تھا اس کی اسی خصوصیت نے اس پر طرح طرح کی بحثوں کے لئے میدان ہموار کر دیا۔حدیث اور تفسیر کے علماء نے معاد پر کتاب و سنت کی روشنی میں مطالعہ کیا فلاسفہ اور متکلمین نے اس پر عقلی اور فلسفی پہلوؤں سے تحقیق کی اور ہر ایک نے اپنی اپنی نظر

کے مطابق نتیجہ اخذ کیا اور اس کا اظہار کیا۔

معاد کے بارے میں نظریات

اس روش کا آغاز دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ہوا اور یہ چند صدیوں تک جاری رہی۔ مسئلۂ معاد کے زیرِ بحث متعدد ابعاد اور چند دیگر مسائل میں عقلی و فلسفی نظریات میں تبدیلی کی وجہ سے کچھ مواد میں متکلمین اور فلاسفہ میں اختلاف نظر پیدا ہو گیا۔ اور اسی طرح بعض مواقع پر ظواہر آیات اور روایات سے کلامی اور فلسفی نظریات کی عدم ہم آہنگی فقہاء، محدثین اور متکلمین فلاسفہ کے درمیان اختلافات کا موجب بنی۔ اس فصل اور آئندہ فصول میں ان اختلافات میں سے کچھ کی وضاحت کی جائے گی۔

معاد کے متعلق سب سے پہلا اختلاف معاد کے جسمانی یا روحانی ہونے کے بارے میں دوسرے الفاظ میں قیامت کے دن روح اور جسم دونوں اکٹھے اٹھیں گے اور ان کا حساب و کتاب ہوگا یا فقط روح ہی سے حساب لیا جائے گا۔

کتاب مبداء و معاد کے مؤلف کے مطابق:

ذهب جمهور الفلاسفه واتباع المشائين الى انه روحانى فقط لان البدن ينعدم بصورته واعراضه فلا يعاد والنفس جوهر باق لا سبيل اليه الفناء فيعود الى عالم المجردات لقطع التعلقات بالموت الطبيعى۔ [1]

سب فلاسفہ بالخصوص فلاسفہ مشائین فقط روحانی معاد کے قائل ہیں ان کا نظریہ ہے کہ انسانی جسم کی صورت میں اعراض موت کی وجہ سے نابود ہو جاتی ہیں اور پھر لوٹ کر نہیں آتیں۔ البتہ انسان کی روح ایک پائیدار اور باقی رہنے والا جوہر ہے جس کے لئے فنا کا تصور نہیں ہے۔ جب موت آتی ہے تو روح کے روابط عالمِ مادہ سے قطع ہو جاتے ہیں اور وہ عالمِ مجردات کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

ابن سینا کے بارے میں لکھتے ہیں:

واما الشيخ رئيس المشائين فانه لم ينكرا لمعاد الجسمانى حاشاه عن ذلك الا انه لم يحققه بالبرهان كما يظهر لمن نظر فى الهيات الشفاء۔ [2]

---

[1] مبداء و معاد، ص ۲۷۳

[2] شرح منظومہ سبزواری، ص ۳۳۵

ابنِ سینا اور معاد جسمانی

حکیم بزرگوار حاجی سبزواری کہتے ہیں: ابوعلی سینا رئیس مشائین معاد جسمانی کا انکار نہیں کرتے بلکہ وہ ایسی فکر سے دور اور مبری ہیں۔ ابوعلی سینا معاد جسمانی کے مسئلہ کو عقلی دلائل کے ذریعے سے ثابت نہیں کر سکے۔ ان کی کتاب الٰہیات شفاء کا قاری اس امر سے واقف ہے۔

اہلحدیث اور متکلمین کا نظریہ

ذهب جمهور المتكلمين وعامة الفقهاء واهل حديث الى انه جسمانى فقط بناء على ان الروح عندهم جسم سار فى البدن سريان النار فى الفحم والماء فى الورد والزيت فى الزيتونه۔ [۱]

عمومی طور پر سب متکلمین، فقہاء اور اہل حدیث صرف معاد جسمانی کے قائل ہیں۔ اس بنا پر ان کے نظریے کے مطابق روح ایک لطیف جسم ہے جو بدن میں موجود ہے۔ جس طرح آگ کوئلوں میں، پانی مٹی میں اور روغن زیتون زیتون کے دانوں میں موجود ہوتا ہے۔

جسمانی معاد اور روحانی معاد

ذهب كثير من اكابر الحكماء ومشائخ العرفاء وجماعة من المتكلمين كحجة الاسلام الغزالى والكعبى والحليمى والراغب الاصفهانى والقاضى ابو زيد وكثير من علماء الاماميه واشياختنا الاثنى عشريه كالشيخين المفيد وابى جعفر والسيد المرتضىٰ والعلامه الطوسى وغيرهم رضوان الله عليهم اجمعين الى القول بالمعادين الجسمانى والروحانى جميعاً ذهاباً الى ان النفس ومجردة يعود الى البدن۔ [۲]

حکماء، مشائخ اور عرفاء میں سے اکابرین کی بہت بڑی تعداد، اسی طرح غزالی، کعبی، حلیمی، راغب اصفہانی اور قاضی

---

[۱] مبداء ومعاد، ص ۲۷۳

[۲] مبداء ومعاد، ص ۲۷۳

ابوزید جیسے متکلمین کا ایک گروہ اور علماء امامیہ میں سے بڑے بڑے علماء اور شیخ مفید، شیخ طوسی، سید مرتضیٰ، خواجہ نصیر الدین جسمانی اور روحانی معاد کے قائل ہیں۔ان کا نظریہ ہے کہ انسان کی روح قیامت کے دن اپنے جسم میں لوٹ آئے گی۔

جب سے انسان متمدن ہوا اس وقت سے اب تک معاد جسمانی کے مسئلے پر دانشوروں، فلاسفہ اور متکلمین کی توجہ رہی ہے۔انہوں نے اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث اور گفتگو کی ہے۔ یہاں پر ان تمام مطالب کو کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔قارئین کی مزید اطلاع کے لئے ان میں سے فقط بعض کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔

معاد جسمانی کے منکرین کی دلیل

ا۔معاد جسمانی کے منکرین کا دعویٰ ہے کہ انسان کا جسم موت کے بعد گلنے سڑنے سے معدوم ہوجاتا ہے اور معدوم چیز کا بعینہٖ واپس آنا علمی طور پر ناممکن ہے اور بعض نے تو اعادہ معدوم کے عدم امکان کو ایک بدیہی اور ناقابلِ انکار امر شمار کیا ہے۔

اعادة المعدوم مما امتنعا
وبعضهم فيه الضرورة ادعى

اعادہ معدوم ممتنع امور میں سے ہے۔بعض نے اس کے بدیہی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

انہوں نے اپنی بات سے یوں نتیجہ اخذ کیا ہے کہ معاد جسمانی محال ہے۔ کیونکہ اس کا لازمہ اعادہ معدوم اور نابودشدہ بدن کا واپس آنا ہے۔اور یہ کام محال اور ناممکن ہے۔اس بناء پر معاد فقط روحانی ہونی چاہیے۔ کیونکہ انسان کی روح ایک پائیدار، ناقابلِ فنا اور نابود نہ ہونے والی حقیقت ہے جو کبھی بھی معدوم نہیں ہوتی اور موت کے بعد بھی اسی طرح باقی رہتی ہے یہ روح جاوید جو روزِ جزا کو حکمِ الٰہی سے ذاتِ باری تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہوگی، اسی سے سوال و جواب اور اسی کا حساب و کتاب ہوگا۔

منکرین کی دلیل کا جواب

اس دلیل کا یوں جواب دیا گیا ہے کہ انسان کا جسم مرنے اور تجزیہ و تحلیل ہونے کے بعد زمین کے اندر معدوم نہیں ہوتا بلکہ اس کے اندر موجود نظم و ترتیب درہم برہم ہوجاتی ہے اور آپس میں متصل اجزاء ایک دوسرے سے جدا ہوجاتے ہیں۔ مبداء و معاد کے مؤلف کہتے ہیں:

ثم اذا حصل مرة اخرى من نوع التاليف المعتبرين لاجزأ الباقيه

بعینہا عاد الشخص الاول و کان ھو الاول بعینہ۔ [1]

جب مردہ بدن کے اجزاء آپس میں پہلے کی طرح جڑ جائیں گے تو پہلے والا شخص واپس آ جائے گا اور یہ عود کرنے والا بعینہٖ وہی ہے جو پہلے تھا۔

امام صادق علیہ السلام کا کلام

امام صادق علیہ السلام نے ایک حدیث میں قبر میں مردہ بدن کے اجزاء کے منتشر ہونے اور بکھرنے کے بارے میں ایک زندیق کا جواب دیتے ہوئے یوں فرمایا:

کل ذلك فی التراب محفوظ عند من لا یعزب عنه مثقال ذرة فی ظلمات الارض ویعلم عدد الاشیاء ووزنها۔ [2]

خاک میں مردہ جسم کے تمام ذرات محفوظ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے کوئی بھی ذرہ زمین کی تاریکیوں میں پوشیدہ نہیں ہے وہ تمام اشیاء کے عدد اور ان کے وزن کا عالم ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاد جسمانی کے موضوع پر اعادہ معدوم کے سامنے پیش کرنا بالکل غیر مناسب ہے۔ کیونکہ بدن قبر میں نابود و معدوم نہیں ہوتا بلکہ اس کی شکل میں تغیر واقع ہوتا ہے اور جسم کے گلنے سڑنے سے متصل اجزا ٔ بکھر جاتے ہیں۔ قیامت میں حکمِ الٰہی سے وہی پراگندہ اجزاء دوبارہ آپس میں پیوست ہو جائیں گے اور مردہ انسان اپنی دنیا والی شکل و صورت میں زندہ ہو جائے گا۔

شبہہ آکل و ماکول

۲۔ معاد جسمانی کے بارے میں پائے جانے والے شبہات میں سے ایک شبہہ جو علمی کتب میں زیرِ بحث لایا گیا ہے وہ شبہہ آکل و ماکول ہے۔ اگر کوئی انسان کسی درندے کا لقمہ بن جائے اور اس کے بدن کا کچھ حصہ اس حیوان کے جسم کا جزو بن جائے یا اگر ایک آدم خور کافر ایک مومن کو قتل کر کے اس کا گوشت کھا جائے تو ان کا حشر کس طرح ہوگا؟

بعض متکلمین اس کا یوں جواب دیتے ہیں:

ذکر بعض المتکلمین ان تشخص الشخص انما یقوم باجزائه الاصلیه

---

[1] مبداء و معاد، ص ۴۷۲

[2] بحار الانوار۔ جلد ۳ ص ۲۰۳

وتلك الاجزاء باقيه فى مدة حيوة الشخص وبعد موته و تفرق اجزائه فلا يعدم التشخص وعلى هذا فلو انعدم بعض العوارض الغير المشخصه واعيد غيرها مكانها لا يقدح فى كون الشخص باقيا بعينه۔ [۱]

بعض متکلمین نے کہا ہے کہ ہر شخص کا تشخص اس کے اصلی اجزاء سے ہے اور یہ اجزاء انسان کی تمام زندگی میں اور اسی طرح موت کے بعد اجزاء کے متفرق ہونے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں اس کی شخصیت کا معیار فنا نہیں ہوتا لہٰذا اگر انسان کے بعض غیر مشخص عوارض ختم بھی ہو جائیں اور ان کی جگہ نئے عوارض لے لیں تو انسان کی باقی اور ثابت شخصیت کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔

گذشتہ فصل میں امام صادق علیہ السلام سے طینت کے بارے میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے امام کا فرمان یہ تھا کہ انسان کا تمام گوشت اور ہڈیاں قبر میں گل سڑ جائیں گی۔ صرف اس کی طینت باقی رہ جائے گی۔

علامہ مجلسی رضوان اللہ علیہ نے اس حدیث کو کافی سے نقل کیا ہے اور اس کے ذیل میں وضاحت کرتے ہوئے یوں کہا ہے:

متکلمین کے کلام کی تائید

هذا يؤيد ما ذكره المتكلمون من ان تشخص الانسان انما هو بالاجزآء الاصليه ولا مدخل لسائر الاجزاء والعوارض فيه۔ [۲]

یہ روایت متکلمین کے قول کی تائید کرتی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ انسان کا تشخص اس کے اصلی اجزاء سے ہے دوسرے اجزاء اور عوارض کا اس شخصیت میں کوئی کردار نہیں ہے۔

عظیم حکیم اور محقق عالی قدر صدرالدین شیرازی شبہہ آکل و ماکول کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

صدرالدین شیرازی کا جواب

وانه فاعه على ما مهدنا من الاصول بعد فهمها و تحقيقها بان العبرة فى

---

[۱] بحارالانوار۔ جلد ۳ ص ۲۰۳

[۲] بحارالانوار۔ جلد ۳ ص ۲۰۱

تشخص کل انسان انما هو بنفسه واما بدنه فلیس له تشخص الا بالنفس۔[1]

اس اصول کے فہم وادراک کے بعد جسے ہم نے قائم کیا ہے اس شبہہ کو اس طرح رفع کیا جا سکتا ہے کہ ہر انسان کے تشخص کی کسوٹی اور معیار اس کا نفس ہے اس کا بدن نفس کے جز ہونے کے علاوہ کسی اور تشخص اور حیثیت کا حامل نہیں ہے۔

فیض کاشانی کی بات

حکیم بزرگوار فیض کاشانی مرحوم کہتے ہیں:

ان المعاد فی المعاد والمحشور فی الاٰخرة هو بعینه هذ الشخص الانسانی الذی فی الدنیا روحا وبدنا بحیث لویراه احد عند المحشر یقول هذا فلان الذی کان فی الدنیا کما قال مولانا الصادق علیه السلام فی البرزخی (لورایته لقلت فلان) وان کان صورة صورت حمار او خنزیر وذلك لان تشخص البدن علی ما حققه استادنا صدر المحققین لیس الا بالنفس فلا یمتاز ولا یتعین الا بها و لهذا یکون بدن زید و اعضائه ینسب الیه ویعرف به ویحکم بوحدته وان تبدل انواعاً من التبدل۔[2]

جو معاد میں واپس لوٹے گا اور آخرت میں محشور ہوگا وہ یقیناً وہی انسان ہوگا جو وہ دنیا میں اگر چہ اپنے برے اخلاق و عادات کی وجہ سے گدھے اور خنزیر کی شکل میں ہی محشور ہوا ہو۔ امام صادق علیہ السلام نے برزخی انسان کے متعلق فرمایا: ''اگر تم اسے دیکھو تو کہو کہ یہ فلاں شخص ہے۔'' یہ حدیث اسی مطلب کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ اس وحدت اور عینیت کا منشاء و اساس انسان کا نفس ہے۔ کیونکہ ہمارے استاد صدر المحققین[3] کی تحقیق کے مطابق ہر انسان کے بدن کا تشخص اس کے نفس سے ہے اور نفس کے پرتو کے سوا اس کا کوئی تشخص اور پہچان نہیں ہے۔ اسی وجہ سے زید کے جسم اور اس کے اعضاء کو نفس سے

---

[1] مبداء و معاد۔ص ۲۸۹

[2] علم الیقین۔ص ۹۰۲

[3] عظیم فلسفی سید صدر الدین شیرازی المعروف صدر المتالہین۔

نسبت دی جاتی ہے اور نفس کے ذریعے سے اس کا تعارف کرایا جاتا ہے اور یہ نفس ہی ہے جو انسان کی وحدت کا معیار ہے اگر چہ وہ اپنی زندگی کے دوران مختلف قسم کے تغیرات اور تبدیلیوں سے گذرتا ہے۔

اجزائے بدن میں تبدیلی

ہر انسان کا جسم طبیعی طور پر ہمیشہ تغیر وتبدل کا شکار رہتا ہے۔ فرسودہ اور مردہ سیل نابود ہوجاتے ہیں اور ان کی جگہ نئے سیل لے لیتے ہیں۔ بعض افراد ان طبیعی تبدیلیوں کے علاوہ کسی بیماری یا عارضہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کا وزن کم یا زیادہ ہوجاتا ہے کبھی کچھ اشخاص جنگ میں شرکت کرنے یا ٹریفک کے حادثے میں اپنے کسی عضو سے محروم ہوجاتے ہیں۔ لیکن طبیعی اور اتفاقی حادثات میں سے کوئی بھی واقعہ یا حادثہ ان کی شخصیت کو نہیں بدلتا اور ان کے انفرادی تشخص میں کوئی تبدیلی نہیں لاتا۔ اس بارے میں مزید روشنی ڈالنا زیادہ آگاہی اور معاد جسمانی کے متعلق شبہات کو برطرف کرنے کا باعث ہے۔ اس لئے اس کی مزید وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ہر انسان اپنے آپ کا بالوجدان ادراک رکھتا ہے اپنی شخصیت کو علم حضوری سے پاتا ہے اور اس کو لفظ ''میں'' سے تعبیر کرتا ہے ہر انسان کی ''میں'' سے تعبیر کرتا ہے ہر انسان کی ''میں'] یا اس کا خود جداگانہ اور ثابت اصل کے طور پر اس کا تشخص ہے۔ وہ اپنی تمام چیزوں کو اس کی طرف نسبت دیتا ہے وہ کہتا ہے میرا ہاتھ، میرا پاؤں، میری آنکھ، میرا کان، میرا گھر اور میری زندگی وغیرہ۔

جب سے بچہ اپنی ''میں'' کو پہچانتا ہے اور اپنے خود کا ادراک کرتا ہے اس وقت سے لے کر اس کے بوڑھے اور کمر جھکنے تک وہ بالوجدان محسوس کرتا ہے کہ اس کی ''میں'' کے اندر کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ اگر چہ اس کے تمام اعضاء وقویٰ میں بنیادی تبدیلیاں آ گئیں اور اس کی زندگی کے تمام مشخصات بدل گئے پھر بھی اس کا اپنا آپ عوض نہیں ہوا اس کا خود وہی پہلے والا ہے اور وہ اسی طرح اپنی جگہ پر قائم ودائم ہے۔

کبھی کبھار جب وہ بڑھاپے کے ایام میں ماضی کے ورق الٹنا شروع کرتا ہے اور اپنے گذرے ہوئے دنوں کو یاد کرتا ہے تو وہ اپنے آپ سے کہتا ہے ایک دن میں بچہ تھا، پھر جوان ہوا جوانی گذاری اور ادھیڑ عمر کو پہنچا اور اب میں ہوں کہ اپنی توانائیاں کھو بیٹھا ہوں۔ اب پیری اور بڑھاپے کی زندگی گذار رہا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ میری ہر چیز تبدیل ہوچکی ہے لیکن میرا وجدان گواہی دیتا ہے۔ میری اصلِ ثابت یعنی میری ''میں'' میرے اندر باقی ہے اور اس میں کوئی ردوبدل نہیں ہوا۔

اجزاء بدن کی تبدیلی

اگر کوئی اپنی زندگی کے دوران طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جائے۔ مثلاً اس کے گردے فیل ہو جائیں، اس کا گوشت جل جائے یا ہڈی کو نقصان پہنچے، اس کی آنکھ کام کرنا چھوڑ دے یا اس کے خون میں کمی واقع ہو جائے اور وہ آپریشن اور جراحی کے ذریعے سے ان عیوب اور نقائص کو برطرف کرے۔ مثال کے طور پر اس کے باپ کے ایک گردے کو، بھائی گوشت اور ہڈی کو، کسی مردے کی آنکھ کے ڈھیلے کو اس کے بدن میں پیوند کاری کر دی جائے اور کسی دوست سے خون لے کر اس کی رگوں میں داخل کر دیا جائے یعنی جب دوسرے انسانوں کے کچھ اعضاء و جوارح اس کے پیکر میں داخل کر دیئے جائیں تو کیا ان طبی پیوند کاریوں کی وجہ سے اور چند اعضا کے اضافے اور دوسروں سے خون لے کر اس کے بدن میں داخل کرنے سے اس کی شخصیت اور پہچان بدل جاتی ہے اور وہ اپنی ''میں'' میں کسی اضافے کو محسوس کرتا ہے؟ کیا باپ بھائی اور دوست کی شخصیت میں گردے، جلد، ہڈی اور خون دینے سے تغیر واقع ہو جاتا ہے اور وہ اپنی ''میں'' میں کمی محسوس کرنے لگتے ہیں؟

اب اگر کوئی دوسرا شخص پیوند کئے گئے گردے پر چوٹ لگائے یا پیوند کی گئی جلد کو سگریٹ سے سلگائے یا لگائی گئی نئی آنکھ پر مکا رسید کرے تو کس شخص کو تکلیف اور درد ہوگا کیا اس شخص کو جس کے جسم میں پیوند کاری کی گئی ہے یا اس شخص کو جس سے گردہ، آنکھ یا گوشت لیا گیا ہے۔

عضو کی کمی اور ثابت شخصیت

ممکن ہے کوئی شخص ٹریفک کے حادثے کا شکار ہو جائے یا بلندی سے گر پڑے جس کی وجہ سے وہ اپنے دونوں یا ایک پاؤں سے محروم ہو جائے یا کسی مہلک بیماری کی وجہ سے ہسپتال میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اگر چہ ان حوادث میں سے ہر ایک کا وقوع عضو کے فقدان اور جسم میں نقص و کمی کا سبب ہے لیکن کوئی بھی حادثہ اس کی شخصیت کو نقصان نہیں پہنچاتا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اس کا خود یعنی ''میں'' میں کوئی نقص وارد نہیں ہوتا۔ لہٰذا تمام انسانی اور الٰہی قوانین کے مطابق اور دنیا کے تمام لوگوں کی نظروں میں ناقص عضو والے شخص کی حقوقی اور جزا و سزا والی حیثیت اس کے صحت و سلامتی کے زمانے سے ذرہ برابر مختلف نہیں ہوتی۔ وہ کل کی طرح آج بھی قانونی لحاظ سے اپنے اموال کا مالک ہے۔ اسے فروخت کرنے یا خرید کرنے یا کسی کو بخش دینے کا حق رکھتا ہے اور جہاں تک قانون اسے اجازت دیتا ہے وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے۔ اسی طرح حکومت کے کسی ادارے میں حسنِ کارکردگی کی وجہ سے وہ کسی قانونی جزا کا مستحق تھا تو اب بھی قانون اس پر لاگو ہوگا اور اسے ضرور سزا دی جائے گی۔

حالات کی تبدیلیوں میں شخصیت کی بقاء

جس طرح عضو کی کمی شخصیت میں تغیر وتبدیلی کا موجب نہیں بنتی اور انسان کی حقوقی اور جزائی حیثیت کو تبدیل نہیں کرتی، اسی طرح ایام جوانی گزرنے اور بڑھاپے کے آنے سے صورتِ حال نہیں بدلتی اور انسان کی حقوقی اور جزائی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ جو شخص جوانی میں کسی قتل کا مرتکب ہوا اور اس علاقے سے فرار کر گیا۔ اب اگر وہ بڑھاپے میں پکڑا جائے اور عدالت میں پیش کیا جائے تو شریعت عقل اور قانون اور عرف کی رو سے وہ سزا کا مستحق ہے اور اسے جوانی میں مرتکب ہونے والے جرم کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ اسی طرح اگر کسی نے دوسرے سے دوران جوانی میں قرض لیا ہو اور اب تک اسے ادا نہ کیا ہو تو دنیا کے تمام لوگ اسے مقروض سمجھیں گے اگرچہ بڑھاپے کی وجہ سے صورتِ حال تبدیل ہو چکی ہے پھر بھی وہ قرض لینے والے کو اجازت دیں گے کہ وہ قرض کا مطالبہ کرے اور اس سے وصول کرے۔ بحار الانوار میں آیا ہے:

ولذا يقال للشخص من الصبا الى الشيوخه هو بصيعه وان تبدلت الصور والهيات بل كثير من الاعضاء ولآلات ولا يقال لمن جنى فى الشباب فعوقب فى المشيب انها عقوبة لغير الجانى[1]

''حفظ شخصیت کی بنیاد پر ایک فرد کو بچپن سے لے کر بڑھاپے تک یہی کہا جاتا ہے کہ یہ وہی ہے اگرچہ اس کی شکل وصورت اور اس کے بہت سے اعضاء وجوارح مکمل طور پر تبدیل ہو چکے ہیں۔ جوانی میں جرم کا ارتکاب کرنے والے مجرم کو بڑھاپے میں سزا دینے پر کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس شخص کے بجائے کسی اور کو سزا دی گئی ہے۔''

مختصر یہ کہ اگر ایک جوان بوڑھا ہو جائے، اگر ایک صحیح وسالم انسان معذور ہو جائے اسی طرح اگر باپ کے گردے کو بیٹے کے اندر اور بھائی کی ہڈی یا جلد کو دوسرے بھائی میں پیوند کاری کر دی جائے تو ان میں سے کوئی بھی تبدیلی شرعی اور عقلی لحاظ سے انسان کی شخصیت کو تبدیل نہیں کرتی اور انسان کی ''میں'' کو متاثر نہیں کرتی اور ہر کوئی بالوجدان یہ سمجھتا ہے کہ میں ہی ہوں اور میں نہیں بدلا۔

جزا اور سزا کا معیار

قیامت میں معاد جسمانی اور جسموں کا وجود میں آنا، اسی طرح نیک لوگوں کو جزا اور برے لوگوں کو سزا دینا اسی

---

[1] بحار الانوار، جلد ۳ ص ۲۰۴

معیار پر ہے جسے شارع اسلام نے دنیا میں مقرر فرمایا ہے۔ جسے دنیا کے تمام عقلاء نے قبول کیا ہے اور تمام انسانی قوانین نے تسلیم کیا ہے۔ امام صادق علیہ السلام نے اس بارے میں فرمایا ہے کہ قیامت میں انسانوں کی مٹی جمع ہوجائے گی۔ امام کے الفاظ یوں ہیں:

فتعود الصور بأذن المصور كهيتا و تلج الروح فيها فاذا قد استوى لا ينكر من نفسه شيئا [1]

صورت بنانے والے خدا کے حکم سے انسانوں کی صورت ان کے جسموں میں لوٹ آئے گی اور روح ان میں داخل ہوجائے گی۔ جب انسان کا توازن برقرار ہوگا تو وہ اپنی طرف متوجہ ہوگا اور اپنی ''میں'' کو پالے گا اور اپنے وجود میں اسے احساسِ بیگانگی وغیریت نہیں ہوگا۔

محقق دوانی کی بات

محقق دوانی عقائد عضدیہ کی شرح میں کہتے ہیں:

والحاصل ان المعاد الجسمانی عبارة عن عود النفس الى بدن هو ذلك البدن بحسب الشرع والعرف ومثل هذه التبدلات والمغايرات التى لا تقدح فى الوحدة بحسب الشرع والعرف لا تقدح فى كون المحشور هو المبدأ۔ [2]

معاد جسمانی سے مراد روح کا اخروی بدن میں لوٹ جانا ہے۔ وہ بدن شرع اور عرف کے لحاظ سے یہی دنیاوی بدن ہے اور دنیا میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیاں اور تغیرات شرعاً اور عرفاً بدن کی وحدت کو ضرر نہیں پہنچاتیں اسی طرح یہ اس حقیقت کو بھی نقصان نہیں پہنچاتی کہ قیامت کا بدن وہی دنیاوی بدن ہے۔

پس جو کچھ نبی اکرمؐ کے زمانے میں معاد جسمانی کے ناممکن ہونے کے بارے میں کہا گیا تھا اور جس کی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہوا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے بعد امتناعِ اعادہ معدوم اور شبہہ آکل و ماکول اور دیگر

---

[1] بحارالانوار ج ۳ ص ۱۹۹

[2] بحارالانوار ج ۳ ص ۲۰۳

شبہات پیش کئے گئے۔ان میں سے کوئی ایک بھی معاد کے امر کو کمزور نہیں کرتا اور روزِ جزا میں لوگوں کی دوبارہ حیات پر عقلی امتناع کی دلیل نہیں بن سکتا۔اسلام کے سچے پیروکار قرآن مجید کی صریح آیات اور معصومین علیہم السلام کی روایات کی وجہ سے معاد جسمانی کو دین الٰہی کی قطعی ضروریات میں سے سمجھتے ہیں۔اور اس بات میں انھیں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔

معاد جسمانی ضروریات دین میں سے ہے

علامہ مجلسی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں:

تذنیب۔ اعلم ان القول بالمعاد الجسمانی مما اتفق علیه جمیع المسلمین وهو من ضروریات الدین ومنکره خارج من عداد المسلمین و الآیات الکریمه فی ذلك ناصة لا یعقل تاویلها والاخبار فیه متواترة لا یمکن ردها۔ [1]

معاد جسمانی ان مسائل میں سے ہے جن پر تمام قوموں کا اتفاق ہے اور اسلام کی ضروریات میں سے ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے وہ مسلمانوں میں سے شمار نہیں ہوتا نہ تو معاد جسمانی کے متعلق قرآن مجید کی صریح آیات کی تاویل کی جاسکتی ہے اور نہ اس بارے میں آنے والی متواتر روایات کو رد کیا جاسکتا ہے۔

دنیا میں نیک اور ایماندار افراد جو نیک کام انجام دیتے ہیں ان کے دو پہلو ہیں:

ان کا ایک پہلو معنوی اور روحانی ہے یعنی وہ صاف نیت اور پاکیزہ ضمیر پر مبنی ہوتے ہیں۔

ان کا دوسرا پہلو مادی اور جسمانی ہے جو جسم کی توانائیوں اور فعالیتوں سے مربوط ہے۔

روحانی اور جسمانی اجزاء

اللہ تعالیٰ نیک بندوں کو مکمل اجر دینے کے لئے قیامت کے دن ان کو ویسے بنائے گا جیسے وہ دنیا میں تھے اور ان کی روح کو انہی جسموں اور اسی میت میں واپس لوٹائے گا تاکہ ان کے جسم، بہشت کی مادی نعمتوں اور کھانے پینے کی اشیاء سے لطف اندوز ہوسکیں اور ان کی روحیں اعلیٰ وارفع معنوی اور روحانی نعمتوں سے بہرہ مند ہوسکیں اور ان دونوں نعمتوں کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے اور نیک اور پاکیزہ افراد سے ان کا وعدہ کیا گیا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

---

[1] بحار الانوار ج ۳ ص ۲۰۲

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾ [۱]

اللہ نے مومنین اور مومنات سے وعدہ کیا ہے وہ انہیں ابدی جنت جس کے خوبصورت اور باشکوہ محلول کے نیچے نہریں جاری ہیں عطا کرے گا اور انہیں تروتازہ باغوں میں گھرے ہوئے پاکیزہ مکانات عنایت کرے گا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ مومنین اور مومنات کو جنت کی مادی نعمتوں کے علاوہ ان سے عظیم تر اور اہم تر نعمت یعنی اپنی رضا اور خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور مومنین کے لئے یہ روحانی جزاء انتہائی عظیم کامیابی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ان اللہ یقول لاھل الجنة یا اھل الجنة ھل رضیتم؟ فیقولون ربنا ومالنا لا نرضیٰ وقد اعطینا مالم تعطه احدا من خلقك فیقول الا اعطیكم افضل من ذلك قالوا یا رب و ای شیئ افضل من ذلك قال احل علیكم رضوانی فلا اسخط علیكم بعده ابدا۔ [۲]

رضوانِ الٰہی

اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائے گا۔ اے اہلِ بہشت! کیا تم مجھ سے راضی ہو؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم کیوں راضی نہ ہوں؟ تو نے ہم پر ایسی عنایت اور لطف فرمایا ہے جو اپنی مخلوق میں کسی اور پر نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تمھیں اس سے بہتر اور برتر عطیہ نہ دوں۔ وہ کہیں گے کہ پروردگار اس سے بڑھ کر کیا چیز ہے؟ خدا فرمائے گا بہشت کی نعمتوں سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم میری رضا وخوشنودی کے مستحق قرار پائے ہو اور اس کے بعد میں تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔

ہست پاداش خدا بر مؤمنان
جنت عدن و بہشت جاوداں

---

[۱]

[۲] تفسیر در المنثور، ج ۳ ص ۲۵۷

لیک رضوان الٰہی برتر است
رفعتِ روح است و فوز اکبر است

خدا کے پاس مومنین کے لئے باغ و باغات اور ابدی بہشت ہے۔
لیکن اس کی رضا اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو روح کی رفعت اور عظیم کامیابی ہے۔

پاکیزہ اور نیک افراد کے اعمال کی طرح گناہگار اور بے ایمان افراد کے دنیاوی اعمال کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک ان کا روحانی اور معنوی پہلو ہے جو ان کی پلید نیت اور آلودہ ضمیر سے مربوط ہے۔ دوسرا ان کا جسمی اور مادی پہلو ہے جو بدن کی قویٰ اور فعالیتوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ان افراد کو بھی ہر دو پہلوؤں سے عذاب دینے کے لئے اللہ سبحانہ، ان کو جیسے وہ دنیا میں تھے ایسے ہی ان کے جسم اور روح کو اکٹھا کرے گا تا کہ ان کے جسم دوزخ کے مادی عذاب کا مزہ چکھیں اور ان کی روحیں معنوی اور روحانی عذاب میں مبتلا ہوں۔ ایسے ہر دو عذاب کا تذکرہ قرآن شریف میں ہوا ہے۔ جسمانی عذاب کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

جسمانی سزا

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِیۡہِمۡ نَارًا ؕ کُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُہُمۡ بَدَّلۡنٰہُمۡ جُلُوۡدًا غَیۡرَہَا لِیَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ ؕ [1]

جنہوں نے ہماری آیات سے کفر اختیار کیا ہم بہت جلد انہیں دوزخ کی آگ میں ڈالیں گے، اور ہر دفعہ جب ان کی جلد حرارت کی وجہ سے پگھل جائے گی اور وہ عذاب میں کمی محسوس کریں گے تو ہم اس کو دوسری جلد سے تبدیل کر دیں گے تا کہ وہ دوزخ کے عذاب کو چکھیں۔

روح کی سزا

قرآن روح کے عذاب اور تکلیف کے بارے میں یوں فرماتا ہے:

فَالۡیَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡہُوۡنِ بِمَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَکۡبِرُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَفۡسُقُوۡنَ ﴿۲۰﴾ [2]

---

[1] النساء۔۵۶

[2] الاحقاف۔۲۰

پس آج کے دن تم ذلت آمیز عذاب میں مبتلا ہو گے جو روحانی رنج و تکلیف کا موجب ہے یہ تمہارے دنیا میں ناحق تکبر کرنے اور گناہ کے مرتکب ہونے کی سزا ہے۔

دوزخ و آتش قہر یزدان
کیفرِ جسمی بدکاران است
خوار گردیدن و تحقیر شدن
زجر روح است عذاب جان است

خدا کا قہر و غضب دوزخ اور آگ ہے جو بدکاروں کی جسمانی سزا ہے۔ ذلیل و خوار ہونا روح کے عذاب اور تکلیف کا باعث ہے۔

مذکورہ بحث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ معاد کا مسئلہ اللہ تعالیٰ کی نہ ٹلنے والی قضاء ہے اور یہ مطلب پوری انسانی تاریخ میں پیغمبروں اور انبیاء کے وسیلے سے لوگوں تک پہنچایا گیا ہے۔ حضور اکرمؐ کے زمانے میں بعض مشرکین اس کو غیر ممکن اور محال خیال کرتے تھے اور اس کے رد میں دلیلیں دیتے تھے جن کا جواب قرآن مجید نے دیا ہے۔ نبی اکرمؐ کے بعد اسلامی معاشرے میں معاد کے بارے میں شبہات پیدا کئے گئے جن کو کچھ افراد نے علمی طور پر حل کیا۔ بعض نے معاد کی حقیقت کو روحانی کہا اور بعض نے اسے جسمانی کہا۔ لیکن جو کچھ قرآن کی صریح آیات اور روایات سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عالمِ برزخ میں گل سڑ کر ذرات میں تبدیل ہونے والا جسم اور باقی رہنے والی روح حشر کے روز باہم مل جائیں گے اور دونوں پہلے کی طرح جیسے وہ دنیا میں تھے قیامت میں وارد ہوں گے اور یہ مسئلہ دین اسلام کی ضروریات میں سے ہے۔

معاد یا قطعی سرنوشت

لوگ چاہیں یا نہ چاہیں وہ روز محشر زندہ ہوں گے اور عدالت الٰہی میں حاضر ہوں گے اور دنیا میں انجام دیئے گئے تمام اعمال کا جواب دیں گے۔ کوئی بھی فرد اس قطعی سرنوشت کو تبدیل کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ وہ اجتناب ناپذیر مقدر کو خدا سے تبدیل نہیں کروا سکتا۔ اور اپنے آپ کو اس حادثے سے نہیں بچا سکتا۔

نظامِ تکوینی کا جبر

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

كان فيما وعظ به لقمان عليه السلام ابنه ان قال يا بنى ان تك فى شك من

الموت فارفع عن نفسك النور ولن تستطيع ذلك و ان كنت فی شك من البعث فارفع عن نفسك الانتباه ولن تستطيع ذلك فانك اذا فكرت فی هذا علمت ان نفسك بيد غيرك وانما النوم بمنزلة الموت وانما اليقظة بعد النوم بمنزلة البعث بعد الموت۔ [۱]

لقمان علیہ السلام نے اپنے فرزند کو جو نصیحتیں کیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ اے فرزند! اگر تم اپنے آپ پر موت آنے میں شک کرتے ہوتو اپنے آپ سے نیند کو ہٹادو اور ایسا کام کرو کہ تمہیں ہرگز نیند نہ آئے۔ اور تم ہرگز اس پر قادر نہیں ہو۔ اور اگر قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے اور اخروی حیات کے ناگزیر ہونے میں شک کرتے ہوتو بیدار ہونے کو اپنے آپ سے دور کردو۔ اور ایسا کام کرو کہ سونے کہ بعد نہ اٹھو اور بیدار نہ ہو اور تم یہ کام بھی نہیں کر سکتے ہو۔ اگر میری کہی ہوئی ان دو باتوں میں غور کرو تو تم سمجھ جاؤ گے کہ تمہاری جان اور تمہارا تمام وجود کسی اور کے ہاتھ میں ہے۔ نیند موت کے مترادف ہے اور سونے کے بعد بیدار ہونا موت کے بعد زندہ ہونے کے برابر ہے ان دونوں میں سے میں بھی تمہیں اختیار نہیں ہے۔

اسی قسم کی تشبیہ رسولِ اکرمؐ کے کلام میں دوسرے الفاظ میں ذکر ہوئی ہے:

والذی بعثنی بالحق لتموتن كما تنامون ولتبعثن كما تستيقظون۔ [۲]

مجھے قسم ہے اس پروردگار کی جس نے مجھے حق پر مبعوث فرمایا کہ تم سب مرجاؤ گے جس طرح تم سوتے ہو اور اسی طرح قیامت میں اٹھو گے جیسا کہ تم نیند سے بیدار ہوتے ہو۔

قرآن شریف کے فرمان کے مطابق روزِ محشر جب لوگ زندہ ہوں گے تو وہ یہ خیال کریں گے کہ ہم تو نیند کی حالت میں تھے اور اب بیدار ہو گئے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

قَالُوۡا يٰوَيۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا ۗ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ وَصَدَقَ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۵۲﴾ [۳]

وہ کہیں گے وائے ہو ہم پر کسی نے ہماری خواب گاہوں سے جگا دیا اور ہمیں بیدار کر دیا؟ یہ وہی روزِ جزا کا وعدہ ہے جس کی خبر پیغمبروں نے صدق و راست گوئی کے ساتھ دی تھی۔

---

[۱] بحارالانوار۔ ج ۳، ص ۲۰۰

[۲] بحارالانوار۔ ج ۳ ص ۲۰۲

[۳] یٰسین۔ ۵۲

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے:

فان القوم کانوا فی القبور فلما قاموا حسبوا انھم کانوا نیاما "قالوا یویلنا من بعثنا من مرقدنا" قالت الملائکۃ "ھذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون۔ [1]

لوگ قبروں میں ہیں جب زندہ ہو کر اٹھیں گے تو یوں خیال کریں گے۔ جیسے وہ سو رہے تھے اور انہیں بیدار کر دیا گیا ہے۔ وہ کہیں گے وائے ہو ہم پر کس نے ہمیں جگا دیا؟'' فرشتے ان سے کہیں گے'' یہ وہی دن ہے جس کا وعدہ خدا نے تم سے کیا تھا اور انبیاء نے سچائی کے ساتھ اسے تم تک پہنچایا تھا۔

ذاتِ باری تعالیٰ کی حتمی قضا سے قیامت برپا ہوگی۔ لوگ اپنی قبور سے جنہیں وہ اپنی خوابگاہیں کہتے ہیں باہر آئیں گے اور محشر کے وحشت زدہ میدان میں داخل ہوں گے اور اضطراب و پریشانی کے عالم میں اپنے آپ کو دنیا میں انجام دیئے گئے اعمال کے حساب کے لئے پیش کریں گے۔

عمر زود گذر

اس دن سب سے پہلے بات جو غافل اور گناہگار لوگوں پر واضح ہوگی اور جو ان کے لئے بہت زیادہ تکلیف دہ ہوگی۔ وہ دنیاوی زندگی کا ناچیز اور زود گذر ہونا اور اپنے اعمال کے بارے میں اس وقت عظیم مسئولیت کا احساس ہوگا۔ قرآن مجید نے چند آیات میں اس نکتے کو یاد دلایا ہے۔ تاکہ لوگ خوابِ غفلت سے بیدار ہوں اور اس دنیا میں جو دار تکلیف ہے زندگی گذارتے ہوئے اپنی سعادت اخروی کے لئے فکرمند ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ كَاَنۡ لَّمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ‌ؕ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ‏ ﴿۴۵﴾ [2]

اے رسولؐ، لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جس دن خدا انہیں محشور کرے گا وہ اس روز اپنی دنیاوی عمر کے بارے میں یوں اندازہ لگائیں گے گویا صرف ایک ساعت دنیا میں رہے اور ان کے لئے صرف اتنی فرصت تھی کہ وہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں اور متعارف ہو سکیں۔ بے شک روز جزا کو جھٹلانے والے

---

[1] تفسیر صافی، ص ۴۵۱

[2] سورہ یونس۔ ۴۵

نقصان اٹھانے والے اور ہدایت کی سعادت سے محروم ہیں۔

عارضی دنیا

عربی لغت میں ساعت ایک مثل ہے جو بہت ہی کم مدت کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔[1] درحقیقت یہ آیت خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے افراد کو جگانا اور بیدار کرنا چاہتی ہے۔ اور ان سے کہہ رہی ہے کہ آگاہ رہو جس دنیا سے تم نے بہت دل لگا لیا ہے۔ جس کا تم نے ذخیرہ کر رکھا ہے اور جس پر تم مغرور اور متکبر ہو۔ وہ ذخیرہ عنقریب تمہارے ہاتھوں سے چھن جائے گا موت تمہیں اس سے جدا کر دے گی۔ حساب و کتاب کے موقعہ پر دنیا کی ساری زندگی تمہیں ایک گھڑی معلوم ہوگی اور اس کے مقابلے میں جو ضرر اور نقصان تمہیں اٹھانا پڑے گا وہ دائمی اور ابدی ہوگا۔

نہ صرف عالمِ آخرت میں دنیاوی عمر کم معلوم ہوگی بلکہ اسی دنیا میں جب ایک بوڑھا شخص اپنے ماضی کے اوراق الٹتا ہے اور اپنی گزری ہوئی ۹۰ سالہ زندگی کا جائزہ لیتا ہے اور اسے ذہن میں مجسم کرتا ہے تو اسے کم بہت کم اور ناچیز خیال کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ میری زندگی بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گزر گئی۔ میرا بچپن کتنی جلد جوانی میں بدلا۔ میری جوانی ادھیڑ عمر میں بدلی اور ادھیڑ عمر سے میں بڑھاپے تک آن پہنچا اور اب موت کے دن پورے کر رہا ہوں۔ اس کی نوے سالہ عمر اسے کم بہت دکھائی دیتی ہے اور آخرت میں تو یہ مدت اور بھی زیادہ کم دکھائی دے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ [2]

جس دن وہ خدا کے وعدوں کو قیامت کے میدان میں مشاہدہ کریں گے ان کی عمریں انہیں اتنی قلیل دکھائی دیں گی۔ جیسے وہ گھڑی بھر سے زیادہ وہاں نہ رہے ہوں۔

ایک اور آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے لفظ ''ساعت'' کے بجائے دن کے پہلے یا آخری حصے کی تعبیر استعمال کی ہے یہ تعبیر دوسرے الفاظ میں ساعت ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ﴿٤٦﴾ [3]

جس روز وہ قیامت کو دیکھیں گے یہ احساس ان کے ذہن پر سوار ہو جائے گا کہ گویا انہوں نے دنیا میں

---

[1] اردو میں بھی ہم ''گھڑی بھر'' ایک مختصر سی مدت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ (مترجم)

[2]

[3]

ایک شام یا ایک صبح سے زیادہ زندگی نہیں گذاری۔

زندگی ایک خواب ہے

بعض روایات میں ذکر ہوا ہے کہ لوگ دنیا میں سوئے ہوئے ہیں یہ موت کے وقت بیدار ہوں گے جب ان کی آنکھوں سے پردے ہٹ جائیں گے اور وہ عالم غیب کا مشاہدہ کریں گے۔ یہ تشبیہہ اور مثال بہت سی جہتوں اور پہلوؤں سے توضیح طلب ہے۔ ان میں سے ہر پہلو انسان کے لئے سبق آموز ہوسکتا ہے اور بہت حد تک اس کو مستقبل کے انجام سے خبردار کرتا ہے۔ یہاں پر ان پہلوؤں میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

ان گھنٹوں گہری نیند سوتا ہے جونہی اس کی آنکھ گہری نیند سے کھلتی ہے وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ بہت کم سویا ہے، لیکن جب وہ گھڑی پر نگاہ ڈالتا ہے تو سمجھتا ہے کہ وہ تو کوئی گھنٹے سو یا رہا ہے۔ جیسا کہ نیند سے بیدار ہونے والا انسان اپنے کئی گھنٹوں کی نیند کو بہت کم خیال کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا اور برزخ کی زندگی اپنے بستر قبر سے بیدار ہونے والے اور عرصہ محشر میں قدم رکھنے والے انسان کو یونہی نظر آئے گی۔ وہ انسان یہ تصور کرے گا دنیا میں اس کا قیام ایک ساعت سے زیادہ نہ تھا لیکن جب وہ اپنے نامۂ اعمال پر نگاہ ڈالے گا جو گھڑی کی سوئیوں کی مانند ہوگا اس وقت وہ متوجہ ہوگا کہ وہ تو کئی سال غفلت اور نافرمانی کی حالت میں دنیا میں زندگی گذار آیا ہے اور اس کے دامن میں گناہ اور جرائم کے سوا کچھ موجود نہیں ہے۔ اس وقت وہ اپنے برے اعمال اور اس کے دامن میں گناہ اور جرائم کے سوا کچھ موجود نہیں ہے۔ اس وقت وہ اپنے برے اعمال سے پشیمان ہوگا۔ اپنی خطاؤں اور غلطیوں سے آگاہ ہوگا۔ لیکن یہ پشیمانی اس کے کسی کام نہیں آئے گی اور اس کو قیامت کے عذاب اور بدبختی سے نجات نہیں دلا سکے گی۔ ارشادِ الٰہی ہے:

يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٢٣﴾ [1]

روزِ محشر انسان اپنی خطاؤں اور غلطیوں کی طرف متوجہ ہوگا لیکن اس کی یہ توجہ اس کے کس کام کی؟

اس دن تمام لوگ ہوش میں آجائیں گے وہ اپنے حالات سے باخبر ہوجائیں گے لیکن حشر کے دن ان کا جان لینا اور پشیمان ہونا ان کے انجام میں کسی قسم کی تبدیلی نہ لا سکے گا نہ اچھے لوگوں کو بلند درجے پر پہنچائے گا اور نہ بروں کو عذاب سے رہائی دلائے گا۔

---

[1] سورہ الفجر۔ ۲۳

مفیداور بارآور بیداری

خود آگہی اور بیدار دلی انسان کے لئے اسی دنیا میں مفید اور ثمر بخش ہے۔ یہ دنیا جو دارِ تکلیف اور کوشش و عمل کی دنیا ہے۔اس میں انسان اپنے آپ کو انسان پہچانے اور اپنی اہمیت کو سمجھے زندگی سے استفادہ کرے اپنے آپ کو انسان بنائے اور اچھے اخلاق سے مزین کرے۔ایسا شخص قیامت کے روز انسان محشور ہوگا اور جنت جو انسانوں کی جایگاہ ہے میں اس کا ٹھکانا ہوگا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

الدنیا دار صدق لمن صدقها ودار عافیه لمن فهم عنها ودار غنی لمن تزود منها ودار موعظة لمن اتفظ بها مسجد احباء الله ومصلی ملائکة الله ومهبط وحی الله ومتجر اولیاء الله اکتسبوا فیها الرحمة وربحوا فیها الجنة۔ [1]

دنیا اس شخص کے لئے سچائی اور صداقت کا گھر ہے جو اس سے سچائی کے ساتھ پیش آئے۔ جو اس کو پہچانے اس کے لئے عافیت کا گھوارہ ہے جو اس سے توشہ لے لے یہ بے نیاز کر دینے والی منزل ہے۔ جو اس کی نعمتوں کو قبول کرے اس کے لئے وعظ و نصیحت کی جگہ ہے۔ یہ اللہ کے دوستوں کی مسجد، فرشتوں کی جائے نماز، وحی الٰہی کے نزول کی جگہ اور اولیا خدا کے لئے بازارِ تجارت ہے۔ وہ اس تجارت کے بازار سے خدا کی رحمت کسب کرتے ہیں اور جنت کو بطور منافع پاتے ہیں۔

[1] نہج البلاغہ، کلمہ ۱۳۱

باب نمبر 14

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یَوۡمَ تَجِدُ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا ۚۖ وَّمَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَیۡنَہَا وَبَیۡنَہٗۤ اَمَدًۢا بَعِیۡدًا (آل عمران آیۃ ۳۰)

دنیا اور تکوینی قوانین

کرۂ زمین جوکہ انسانوں اور دیگر جانوروں کی زندگی کا گہوارہ ہے اس میں تکوینی قوانین اور سنن کا ایک سلسلہ کارفرما ہے۔ جن سے اس سارے جہان کا نظام نظم وضبط وابستہ ہے۔ مثال کے طور پر موت وحیات کا قانون، تولید نسل اور وراثت کا قانون، جاذبہ اور دافعہ کا قانون۔

روشنی کی رفتار کا قانون، رات اور دن کی پیدائش کا قانون اسی طرح سال میں موسموں کی تبدیلی، پانی کے بخارات بننے پر برفباری اور بارش ہونے وغیرہ کے تکوینی قوانین ان قوانین اور سنن میں سے کچھ کی علمی ترقی کی وجہ سے ایک حد تک شناخت ہو چکی ہے اور کچھ اسی طرح مجہول باقی ہیں۔

یہ تکوینی قوانین ذاتِ اقدس الٰہی نے بنائے ہیں اور یہ اصول وضوابط مشیت الٰہی سے عدل کے مطابق اور مصلحت پر مبنی ہیں، جہان کی طبیعت میں مخلوط ہیں اور جبراً آفرینش کے تحت اجراٗ ہوتے ہیں۔ اس ساری کائنات پر ان کی حاکمیت ہے۔ عالم ہستی کی حکیمانہ اور تحیرانگیز تنظیم انہی قوانین اور اصولوں کی وجہ سے باقی اور برقرار ہے۔

انسان اور تشریعی قوانین

طبیعی دنیا کے چلانے سے مربوط تکوینی قوانین کے ساتھ ساتھ ایک تشریعی قوانین کا سلسلہ بھی موجود ہے۔ جنہیں اللہ تعالٰی نے ہر زمانے میں انسانوں کی ہدایت کے لئے سعادت کے لئے وضع فرمایا ہے اور ان کو پیغمبروں کے وسیلے سے ان تک پہنچایا ہے۔ تشریعی قوانین میں کوئی خبر نہیں ہے۔ لوگ انبیاء کی دعوت کو قبول کرنے اور رد کرنے میں آزاد ہیں وہ چاہیں تو دینِ الٰہی کو قبول کرلیں اور خدا کی ہدایت پر اس کے شکرگزار ہو جائیں اور چاہیں تو ان کی دعوت کو ٹھکرا دیں اور خدا کی نعمت ہدایت کا کفران کریں۔ البتہ پیغمبروں نے اس نکتے کی طرف ضرور توجہ دلائی ہے کہ الٰہی احکام اور تعلیمات کی پیروی دنیا میں انسان کے کمال اور ترقی کا موجب ہے اور آخرت میں اجر الٰہی اور جزا کا سرمایہ ہے۔ اور ان احکام وتعلیمات سے انحراف دنیا

میں معنوی تنزل اور گمراہی کا باعث ہے اور آخرت میں خدا کے عذاب اور سزا کا سبب ہے۔

جہان کی فنا اور قوانین کی منسوخی

خدا کے تمام تکوینی قوانین جو نظامِ عالم کے محافظ ہیں اور اسی طرح خدا کے تشریعی قوانین جو سعادت کے راستے پر انسانوں کے لئے ہدایت کا چراغ ہیں یہ سب کے سب دنیا کے خاتمے اور نابودی تک اس عالم طبیعت میں برقرار رہیں گے۔ لیکن جونہی قیامت کا دن آئے گا اس عالم کے تمام اوضاع واحوال بالکل تبدیل ہوجائیں گے۔ ایک نیا جہان جدید شرائط کے ساتھ وجود میں آجائے گا۔ اب تک اس دنیا پر حاکم قوانین حکمِ الٰہی سے منسوخ ہوجائیں گے اور آخرت کے ابدی عوالم سے ہم آہنگ جدید تکوینی قوانین ان کی جگہ لے لیں گے۔ اس لحاظ سے عالمِ آخرت میں لوگوں کو جدید تکوینی قوانین اور سنن کا سامنا کرنا پڑے گا۔

وحشت ناک تین روز

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے:

قال ان اوحش ما یکون ھذا الخلق فی ثلاثة مواطن یوم یلد ویخرج من بطن امه فیری الدنیا ویوم یموت فیعاین الاخرة واھلھا ویوم یبعث حیا فیری احکاما لم یرھا فی دار الدنیا۔ [1]

اس مخلوق کے لئے تین وقت وحشت ناک ترین ہیں۔ ایک وہ دن جب وہ ماں کے پیٹ سے متولد ہوتی ہے اور دنیا کو دیکھتی ہے۔ دوسرا جس دن وہ مرتی ہے اور آخرت کے حالات کا مشاہدہ کرتی ہے۔ تیسرا وقت وہ ہے جس دن وہ قبر سے زندہ کر کے اٹھائی جائے گی اور ایسے احکام اور قوانین کا سامنا کرے گی جن کو دنیا میں نہ دیکھا ہوگا۔

اس دنیا کے تکوینی قوانین کی طرح خدا کے تشریعی قوانین بھی دنیا کے خاتمے کے ساتھ ختم ہوجائیں گے اس دنیا کے فرائض اور احکام کا خاتمہ ہوجائے گا۔ انسانی نسل نابود ہوجائے گی اس لئے دینی احکام اور تشریعی قوانین کی ضرورت بھی ختم ہوجائے گی۔ کیونکہ یہ تو لوگوں کے تکلیفی احکام کو بیان کرنے اور ان کے فرائض کو واضح کرنے کے لئے تھے۔

---

[1] تفسیر برہان۔ ج ۳ ص ۷

آخرت اور نئے قوانین

کتاب کی دوسری فصل میں چند تکوینی قوانین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ قوانین اس دنیا میں نظام طبیعت پر لاگو ہیں۔ آخرت میں حکمِ الٰہی سے یہ منسوخ ہوجائیں گے اور ان کی جگہ دیگر قوانین لے لیں گے۔ اس فصل میں بھی بعض آیات اور روایات کی رو سے چند تکوینی قوانین کے بارے میں بحث کی جاتی ہے یہ قوانین عالمِ طبیعت کے نظم اور اس کے چلانے کے ذمہ دار ہیں آخرت میں ختم ہوجائیں گے اور ان کی بجائے اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ مشیئت سے اور قوانین جاری و ساری ہوں گے۔

نورِ آفتاب اور زندگی

سورج اور اس سے دائمی طور پر حاصل ہونے والی عظیم توانائی زمین اور اس کے جانداروں کے لئے متعدد جہات سے خیر و برکت کا موجب اور سرچشمۂ حیات ہے۔ نظام شمسی کے اس مرکزی عظیم جرم نے کرہ زمین کے توازن اور اس کی مدار کی گردش کو برقرار رکھا ہوا ہے۔ اس سے جدا ہونے والے نور کا بہت بڑا حصہ اس بیکراں فضا میں بکھر جاتا ہے اس کا تھوڑا سا حصہ زمین تک پہنچتا ہے۔ لیکن اسی تھوڑی مقدار کے اثرات سے پودے اور درخت، حشرات اور حیوانات اور اسی طرح انسان زندہ ہیں اور اپنی نوعی اور انفرادی حیات کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

پانی اس عالم کے تمام جانداروں کا مایۂ حیات ہے۔ سورج کی تپش سے سمندر میں بخارات پیدا ہوتے ہیں۔ جو بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ پھر برفباری ہوتی ہے اور بارشیں ہوتی ہیں۔ پانی تمام کرۂ زمین تک پہنچ جاتا ہے جس کے نتیجے میں جانداروں کی زندگی پانی کی غیر موجودگی کے خطرے سے محفوظ رہتی ہے۔

درحقیقت یہ سورج کی حرارت اور قانون تبخیر ہے جو سمندروں کے پانی کو بادلوں کی صورت میں فضا میں پھیلا دیتا ہے، کرۂ زمین کو سیراب کرتا ہے اور جانداروں کی حیات کو موت کے ہاتھوں محفوظ رکھتا ہے۔

زندہ جاندار کے لئے غذا کی ضرورت ہے اور سورج نباتات، حیوانات اور انسان کی غذا مہیا کرنے کا اہم ترین عامل ہے۔ پودے نور آفتاب کی وجہ سے زندہ ہیں۔ وہ خوراک حاصل کرتے ہیں اور اپنی نشوونما کرتے ہیں۔ یہ پودے سبزی خوار حیوانوں کی خوراک بنتے ہیں۔ سبزی خوار حیوان سورج کی حرارت سے زندہ رہتے ہیں۔ چارہ کھا کر اپنے آپ کو موٹا تازہ بناتے ہیں اور یوں گوشت خوار حیوانوں کی خوراک کا بندوبست ہوجاتا ہے۔ انسان جو کہ پودوں اور حیوانوں سے خوراک حاصل کرتا ہے وہ بیشتر سورج کی حرارت اور نباتات، حیوانات کی نشوونما کا محتاج ہے۔

دن رات کے بدلنے، سال کے موسموں میں تبدیلی سردیوں اور گرمیوں کے آنے سے نظام طبیعت میں جو مفید اور سودبخش تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں وہ اسی سورج اور زمین کا اپنے مدار سے اس سے فاصلے کی مرہون منت ہیں۔ ان میں ہر تبدیلی کا خلقت کے حکیمانہ نظام میں نباتاتی، حیوانی اور انسانی زندگی کو جاری وساری رکھنے کے خوراک بہم پہنچانے اور ان کی سلامتی اور آسائش میں ایک قابل ملاحظہ کردار ہے۔

نباتاتی اور حیوانی حیات، آب وغذا، دن رات اور سرماء وگرما کے سلسلے میں مذکورہ چند موارد عالم طبیعت کے تکوینی قوانین اور اصولوں کا ایک گوشہ ہیں کہ جو اس وقت حکم الٰہی سے اس دنیا میں جاری وساری ہیں۔ لیکن آخرت میں ان میں سے کوئی قانون بھی اس دنیا کی طرح نہیں ہوگا۔

دنیاوی اور اخروی حیات میں فرق

آخرت میں حیات کا وجود ہے۔ البتہ وہ زندگی دنیا کی حیات سے کئی جہات سے متفاوت ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ کرۂ زمین کے معدنی اور طبیعی عناصر کا فقط محدود حصہ حیات کے دوام کے لئے کام آتا ہے۔ اور صرف چند روز نباتاتی یا حیوانی حیات کی نعمت سے استفادہ کیا جاتا ہے جب کہ زمینی مواد کا ایک بہت بڑا حصہ جمادات کی شکل میں اسی طرح باقی رہتا ہے لیکن آخرت کے کمال یافتہ عالم میں زندہ اور زندگی کے سوا کوئی اور چیز نہ ہوگی وہاں پر جو چیز ہوگی وہ حیات کی حامل ہوگی ان اشیاء میں سے بہشتی اور دوزخی انسان بھی ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ دنیا کی زندگی آفتاب کے نور سے وابستہ ہے۔ لیکن جو کچھ آیات اور روایات سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ بہشت اور دوزخ میں سورج ہی نہیں کہ حیات اس سے وابستہ ہو۔

بہشت کا دلپذیر نور

ایک شخص نے رسول اللہؐ سے عرض کیا:

هل فی الجنة من لیل قال وما هیجك علی هذا قال سمعت الله یذکر فی الکتاب "ولهم رزقهم فیها بکرة وعشیا۔ (سورہ ۱۹۔ آیہ ۵) فقلت اللیل من البکرة والعشی فقال رسول الله صلی الله علیه وآله: لیس هناك لیل وانما هو ضوء و نور یرد الغدو علی الرواح والرواح علی الغدو وتأتیهم طرف الهدایا من الله لمواقیت الصلوت التی کانوا یصلون فیها فی الدنیا

وتسلم علیھم الملائکۃ۔ [1]

کیا بہشت میں رات ہوگی؟ آنحضرتؐ نے فرمایا تمہارے اس سوال کرنے کا انگیزہ اور محرک کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ قرآن مجید میں ذات اقدس الٰہی نے فرمایا ہے: ''بہشتیوں کا رزق صبح وشام ہوگا'' میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ صبح وشام کے ساتھ تاریک رات بھی ہونی چاہیے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنت میں رات نہیں ہوگی۔ بلکہ بہشت کی فضا ہمیشہ روشن اور نورانی ہوگی۔ صبح کی خوبصورت روشنی غروب کی دلپذیر روشنی سے پیوستہ ہوگی اور اس کا غروب صبح کی روشنی سے وابستہ ہوگا۔ یعنی ان دو روشن فضاؤں میں نہ تو دن کی حرارت کا فاصلہ ہوگا اور نہ ہی رات کی تاریکی کا۔ اور ذات باری تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہدایا اور نعمات اس موقعہ پر ملے گا جس وقت وہ دنیا میں فریضہ صبح اور فریضہ مغرب بجالایا کرتے تھے۔ یعنی اس وقت بہشت کی فضا ملائم اور نشاط بخش نور سے روشن اور منور ہوگی۔ خدا کے تحائف کو اٹھانے والے فرشتے انہیں سلام کہیں گے۔

اس آیت میں صبح وشام کے ذکر کے متعلق تفسیر جلالین یوں کہتی ہے:

ای علی قدر ھما فی الدنیا ولیس فی الجنۃ نہار ولا لیل بل ضوء ونور ابداً۔

اس سے مراد دنیا میں ان دو وقتوں کے درمیان فاصلہ ہے۔ اگرچہ بہشت میں دن رات کا تصور نہیں ہے۔ بلکہ وہاں پر دائمی طور پر روشنی اور نور جلوہ فگن ہے۔ بحارالانوار میں تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ

لیس فی جنان الخلد ونیرانہا شمس ولا قمر۔ [2]

کہ جاویدانی بہشت اور دوزخ میں سورج اور چاند نہیں ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا یرون فیہا شمسا و زمہریرا۔ [3]

بعض مفسرین نے زمہریر سے چاند مراد لیا ہے اور بعض نے موسم سرماء اور آیت کا معنی یوں ہوگا کہ بہشتی افراد نہ سورج اور نہ ہی چاند کو دیکھیں گے یا یہ ہوگا کہ بہشتی نہ تو آفتاب کی گرمی سے رنج وتکلیف اٹھائیں گے اور نہ سردی سے پریشان

---

[1] تفسیر درالمنثور ج ۴، ص ۲۷۸

[2] بحارالانوار، ج ۳ ص ۲۷۳

[3] سورہ الدھر۔ ۱۳

ہوں گے۔تفسیر بیضاوی اس آیت کے ذیل میں کہتی ہیں۔

والمضئ ھو اء ھا مضئ بذاتہ لا یحتا ج الی شمس و قمر

یعنی بہشت کی ہوا طبعاً نورانی اور روشن ہے اسے سورج اور چاند کی روشنی کی ضرورت نہیں ہے۔

حدیث میں آیا ہے:

ھو اء الجنۃ سجسج لا حر و قر۔ [1]

سجسج کا لغوی معنی معتدل آب و ہوا ہے۔ایسی آب و ہوا جو نہ سرد ہوا ور نہ گرم ہو۔

بہشت کی معتدل آب و ہوا

حدیث کا ترجمہ: بہشت کی ہوا بین الطلوعین کی طرح روشن ہے البتہ نہ گرم ہے اور نہ سرد۔

تفسیر کشاف نے آیت کا یوں معنی کیا ہے:

والمعنی ان الجنۃ ضیاء فلا یحتا ج فیھا الی الشمس و القمر۔"

بہشت نور اور روشنی ہے وہاں پر سورج اور چاند کی ضرورت نہیں ہے۔

بہشت میں پانی موجود ہے اور قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر موجود ہے کہ ان کے محلوں کے نیچے نہریں جاری ہیں لیکن جنتی پانی کا منشاء اور منبع سورج کی حرارت، سمندر کے پانی کا بخار میں تبدیل ہونا، بادلوں کی تشکیل برفباری ہونا اور بارش کا برسنا نہیں ہے۔ بہشت میں نہ تو سورج ہے نہ سمندر نہ بخارات میں تبدیل ہونا اور نہ ہی بادل ہیں۔ عالمِ آخرت کے حکیمانہ نظام میں پانی کا پیدا ہونا جدید قوانین اور سنن کی بنیاد پر ہے جو کہ امر الٰہی سے اس عالم میں اجزاء ہوں گے جس کی کیفیت سے ہم بے خبر ہیں۔

بہشت کی نعمتیں

دوسرے جہان میں انواع واقسام کی غذا اور میوے بہشتیوں کے پاس ہوں گے۔لیکن ان میں سے کوئی بھی دنیا کے میوہ جات اور غذاؤں کی طرح آفتاب کے ذریعے پروان نہیں چڑھا ہوگا۔ بہشتِ جاوید میں بہار وخزاں، سرما اور گرما، دن رات، سردیوں اور گرمیوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔لیکن دنیا کے تمام مختلف موسموں کے پھل بہشتیوں کو ہمہ وقت میسر ہوں

---

[1] تفسیر کشاف، ج ۴ ص ۱۹۷

گے۔اسی طرح موسموں کی تبدیلی اور دن رات کے بدلنے کے تمام فوائد اور سود بخش آثار جو دنیا کے لوگوں پر مرتب ہوں گے۔بہشتی لوگ ان سب سے بہرہ مند ہوں گے۔

مختصر یہ ہے کہ قانون حیات اور چند دوسرے تکوینی قوانین اور سنن جو عالمِ طبیعت کے جانداروں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔وہ سورج کی روشنی کے باعث تحقیق پذیر ہوتے ہیں لیکن بہشت اور دوزخ میں آفتاب تو نہیں ہے اس لئے وہاں پر مسئلہ حیات اور زندگی کے دیگر محافظ عوامل جدید تکوینی قوانین اور سنن کے ذریعے سے تحقق پائیں گے جو کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے عالم آخرت میں اجرا ہوں گے۔

اعمال کا مجسم ہونا

عالمِ طبیعت یعنی موت سے پہلے کے جہان اور عالمِ ماوراء طبیعت یعنی موت کے بعد جہان میں ایک اور اہم فرق نظامِ تکوین کے پہلے سے تجسم و تمثیل اعمال کا مسئلہ ہے۔قرآن کی آیات اور آئمہ معصومینؑ کی روایات سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ صالح افراد کے نیک اعمال اور برے افراد کے برے اعمال عالمِ برزخ اور قیامت میں مجسم ہوں گے البتہ اس کی کیفیت ہم پر مجہول ہے اس طرح تمام انسان اپنے دنیا میں انجام دیئے گئے۔چھوٹے بڑے اور برے اچھے اعمال کو اپنے سامنے حاضر پائیں گے اور ان کا قریب سے مشاہدہ کریں گے اور یہ بذاتِ خود موت کے بعد کی دنیا کے مشکل ترین اور پیچیدہ ترین امور میں سے ہے۔

عالمِ برزخ اور اعمال کا تمثیل

بعض آیات کی رو سے ہر انسان کے اعمال موت کے بعد کے لمحات یعنی عالمِ برزخ کے ابتدائی مراحل میں مجسم ہیں اور صاحبِ عمل قبر کے اندر اپنی برزخی نگاہوں سے ان کو دیکھ لیتا ہے اور قیامت کے قیامت تک وہ ان کے ساتھ رہے گا۔نیک افراد اپنے اعمال کا مشاہدہ کرنے سے مسرور اور خوش ہوں گے اور برے لوگ اپنے اعمال کو دیکھنے سے رنج والم میں مبتلا ہوں گے۔عالمِ آخرت جو کہ تکامل اور ترقی کا مقام ہے، میں سب اشیاء اور ہر کوئی اپنے انتہائی رشد تک پہنچے گا اور اعمال کا مجسم ہونا بھی اس قاعدہ کلی سے مستثنیٰ نہیں ہے۔قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ نہ صرف بدن کے کام اور برے اور اچھے اعمال جن کو ہم ظاہراً انجام دیتے تھے، مجسم ہوں گے بلکہ ان کے اعمال کی روح یعنی ان کی اچھی اور بری نیتیں ان کے برے اعمال کی طرح مجسم ہوں گے۔

ہر خیال کو کند در دل وطن
روز محشر صورتی خواہد شدن

جو بھی خیال دل میں پیدا ہوتا ہے وہ محشر کے دن شکل وصورت اختیار کرے گا۔

امام صادق علیہ السلام ایک مفصل حدیث میں فرماتے ہیں:

جب باایمان شخص کو قبر میں اتار دیا جاتا ہے تو اس کے سامنے ایک دروازہ کھل جاتا ہے جس سے وہ بہشت میں اپنی جگہ دیکھ لیتا ہے۔

ویخرج من ذلك رجل لم تزعینه شیئا قط احسن منه فیقول یا عبد الله ما رأیت شیئا قط احسن منك فیقول: انا رأیك الحسن الذی كنت علیه وعملك الصالح الذی كنت تعمله۔

عالم غیب کی طرف کھلنے والے دروازے سے ایک خوبصورت چہرے والا شخص خارج ہوگا۔ وہ ایمان دار شخص اس سے پوچھے گا تو کون ہے کہ میں نے تجھ جیسا حسین نہیں دیکھا وہ جواب دے گا میں تیری اچھی نیت ہوں جس پر تم دنیا میں تھے اور میں تیرا نیک عمل ہوں جسے تم نے دنیا میں انجام دیا۔

اسی روایت میں امام علیہ السلام نے فرمایا: جب کافر کو قبر میں اتار دیا جاتا ہے۔ ایک دروازہ اس پر کھول دیا جاتا ہے جس سے وہ اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتا ہے۔

ثم انه یخرج منه رجل اقبح من رأی قط قال: فیقول یا عبد الله من انت؟ ما رأیت شیئا اقبح منك فیقول انا عملك السئ الذی كنت تعمله ورأیك الخبیث۔ [1]

پھر آگ کی طرف سے کھلے ہوئے دروازے سے ایک نہایت بدصورت شخص خارج ہوگا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: کافر شخص اسے کہے گا کہ تم کون ہو میں نے تم سے زیادہ بدصورت شخص نہیں دیکھا؟ وہ جواب میں کہے گا کہ میں تیرا برا عمل ہوں جس کے تم دنیا میں مرتکب ہوئے اور تیری ناپاک اور خبیث نیت ہوں جو دنیا میں تمہارے دل میں تھی۔

تمثیل عمل اور نیت

روایات میں اچھے اور برے لوگوں کی نیت کی قیمت ان کے اعمال کے ساتھ ناپی گئی ہے اور ان دونوں میں ہر ایک کی نیت اس کے عمل سے زیادہ اہم بیان کی گئی ہے۔

---

[1] اصول کافی۔ جلد ۳ ص ۲۴۱

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

نية المومن من خيرا من عمله ونية الكافر شر من عمله وكل عامل يعمل على نيته۔ [1]

مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور کافر کی نیت اس کے عمل سے بدتر ہے اور ہر کوئی اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔

اس قسم کی روایات کی رو سے شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ نیک لوگوں کے لئے برزخ اور قیامت اچھی نیت کا مجسم ہونا ان کے نیک اعمال کے مجسم ہونے سے زیادہ مسرت بخش ہے اور برے افراد کے لئے غیب میں بدنیت کا مجسم ہونا ان کے برے اعمال سے زیادہ دردناک ہے۔

عمل اور صاحبِ عمل

روایات کی بناء پر جب قیامت کی گھڑی آن پہنچے گی خدا کے حکم سے لوگ زندہ ہوجائیں گے اور قبروں سے نکل کر میدانِ محشر میں قدم رکھیں گے اس وقت ہر انسان کے اچھے یا برے اعمال جو برزخ میں مجسم ہوئے تھے ان کے ساتھ قبروں سے خارج ہوں گے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مفصل حدیث میں فرمایا ہے:

فاذا اخرجوا من قبورهم خرج مع كل انسان عمله الذى كان عمله فى دار الدنيا لان عمل كل انسان يعجبه فى قبره۔ [2]

جب لوگوں کو قبروں سے نکالا جائے گا تو اس وقت ہر انسان کے اعمال جو اس کے دنیا میں انجام دیئے ہیں اس کے ساتھ خارج ہوں گے چونکہ ہر فرد کا عمل قبر میں اس کے ہمراہ ہوتا ہے۔

اچھے اعمال کی زیبائی

آیات اور اخبار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایماندار افراد کے تمام اچھے اعمال اکٹھے اور ایک حسین وجمیل موجود کی صورت میں متشکل ہوں گے اور وہ موجود صاحب عمل کے ہمراہ ہوگا۔ لیکن بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے

---

[1] اصول کافی۔ جلد ۳ ص ۸۴

[2] تفسیر برہان۔ ج ۴ ص ۸۷

کچھ نیک اعمال جداگانہ تشکل رکھتے ہوں گے۔ یہاں پر دو مقامات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الجنة قيعان وان غراسها سبحان الله وبحمده۔ [۱]

جنت ایک سرسبز زمین ہے جس میں ''سبحان اللہ وبحمدہ'' کے ذکر کا درخت ہمیشہ سے ہے۔

عمل اور صاحبِ عمل کا مکالمہ

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

ان المومن اذا خرج من قبره خرج معه مثال من قبره يقول له: ابشر بالكرامة من الله والسرور فيقول له بشرك الله بخير... فلا يزال معه يؤمنه مما يخاف ويبشره بما يحب حتى يقف معه بين يدى الله عزوجل فاذا امر به الى الجنة قال له المثال ابشر فان الله عزوجل قد امر بك الى الجنة۔ قال: فيقول من انت رحمك الله تبشرنى من حين خرجت من قبرى وانستنى فى طريقى و خبرتنى عن ربى قال: فيقول انا السرور الذى كنت تدخله وعلى اخوانك فى الدنيا خلقت منه لابشرك واونس وحشتك۔ [۲]

جب مومن قبر سے باہر نکلے گا تو ایک تمثیل بھی اس کے ساتھ خارج ہوگی اور وہ اسے کہے گی تمہارے لئے الٰہی کرامت اور سرور وشادمانی کی بشارت ہے۔ وہ مومن انسان جواب دے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بھی خیر کی بشارت دے وہ تمثیل قیامت کی تمام منازل اس کے ساتھ رہے گی اور جس چیز سے خوف کھاتا ہوگا یہ اسے احساس امن اور سکون دلائے گی۔ اور جس چیز کو وہ پسند کرتا ہوگا یہ اس کے لئے مژدہ اور بشارت ہوگا۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ مرد مومن دربار الٰہی میں پیش ہوگا۔ جب ذات اقدس الٰہی کی طرف سے اس کے متعلق بہشت کا حکم دیا جائے گا تو وہ تمثیل اسے کہے گی تمہیں امر حق اور اہل بہشت ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ امام صادق علیہ السلام نے مزید فرمایا:

---

[۱] بحارالانوار۔ ج ۳ ص ۲۵۷

[۲] کافی، ج ۲ ص ۱۹۱

یہاں پر وہ مرد مومن اس تمثیل سے پوچھے گا۔ خدا تم پر رحمت کرے تو کون ہے کہ جس نے قبر سے خارج ہونے پر مجھے بشارت دی۔ راستے میں میرا مونس تھی اور آخر کار امرِ الٰہی سے مجھے آگاہ کیا؟ تمثیل جواب دے گی: میں وہ خوشی اور سرور ہوں جو تم نے اپنے بھائیوں کے دلوں میں پیدا کیا تھا اور انہیں راضی وشاد کیا تھا۔ میں اس خوشی اور سرور سے بنائی گئی ہوں تا کہ تمہیں بشارت اور مژدہ سناؤں اور وحشت کے مواقع پر تیری مونس رہوں۔

فلاسفہ اور متکلمین کا نظریہ

جوہر اور عرض کے بارے میں پہلے وقتوں سے فلاسفہ اور متکلمین نے جو نظریہ پیش کیا ہے اس کی بیاد پر تجسم عمل کا مسئلہ ایک ناممکن اور محال امر ہے۔ کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ ایسی ماہیت جو خارج میں جداگانہ اور موضوع ومحل کے بغیر وجود رکھتی ہو جوہر کہلاتی ہے۔ لیکن عرض ایسا موجود ہے جو وابستہ اور غیر اصیل ہے اور خارج میں موضوع کے بغیر وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ اور چونکہ اعمال بشر خواہ وہ شرعی ہوں یا غیر شرعی سب اعراض ہیں اور انسان کے وجود سے قائم ہیں پس جداگانہ تجسم اور تشکل کے قابل نہیں ہیں اور موضوع سے ہٹ کر تحقق نہیں پاتے۔

جوہر اور عرض کی بحث

مثلاً دربارِ الٰہی میں رکوع عبادات میں سے ایک ہے اور چوری ایک گناہ ہے۔ جو کوئی رکوع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے تعظیم اور خضوع کی خاطر اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ بدن کو خم کرتا ہے اور سر کو جھکاتا ہے۔ اس نے اس عمل کے ذریعے خدا کی بندگی کی ہے۔ جو چیز خارج میں جداگانہ وجود رکھتی ہے وہ بدن ہے لیکن رکوع اور سر جھکانے اور بدن خم کرنے کی کیفیت اسی طرح تمام رکوع اور اس کی کمیت ایک عرضی اور جسم کے ذریعہ قائم امر ہے جیسے ہی رکوع کرنے والا بدن کی حالت کو تبدیل کرتا ہے اور دوسری شکل اختیار کرتا ہے رکوع کلی طور پر معدوم ہوجاتا ہے کیا یہ عرضی اور ناپائیداری کیفیت اور کمیت جداگانہ طور پر بدن کے بغیر خارج میں مجسم ہوسکتی ہے اور رکوع کرنے والا اسے جداگانہ موجود کی صورت میں مشاہدہ کرسکتا ہے۔

جو کوئی چوری کرنے کے لئے جواہری کی دکان پر جاتا ہے۔ جب وہ دوکاندار کو غافل پاتا ہے تو اپنے ہاتھ کو چوری کے لئے آگے بڑھاتا ہے اور وہ چنگل بنا کر قیمتی انگوٹھیوں کا ڈبہ اٹھا لیتا ہے۔ وہ اپنے عمل سے چوری کے گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔ جو چیز خارج میں موجود ہے وہ چور کے ہاتھ اور اس کی انگلیاں ہیں۔ لیکن ہاتھ کا بڑھانا اور انگلیوں کا حرکت کرنا جس سے

اس نے ڈبہ اٹھایا ایک عرضی اور جوہر بدن کے ذریعے سے قائم امر ہے کیا یہ عارضی اعمال جداگانہ طور پر چور کے ہاتھ اور انگلیوں کے بغیر خارج میں مجسم ہو سکتے ہیں اور تحقق پا سکتے ہیں؟ فلاسفہ اور متکلمین کے نظریئے جو ہر وعرض کی بنیاد پر ان دونوں سوالوں کا جواب فلسفیانہ ہے۔ اور اعراض ومحل کے بغیر موجود نہیں ہوتیں[1]۔ اور نا قابل تحقق اور تجسم ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے بہت سے علما اور مفسرین نے آیات قرآن اور روایات کے ظواہر کو نظر انداز کیا ہے اور تجسم اور تشکل کے عمل کی ایک طرح سے تاویل اور توجیہہ کی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

آیات اور اخبار کی تاویل

یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضرا وما عملت من سوء تود لو ان بینها وبینه امدا بعیدا۔ [2]

قیامت میں ہر انسان دنیا میں انجام دیئے جانے والے اپنے تمام اچھے اعمال کو حاضر اور مشہور پائے گا اور اسی طرح وہ اپنے مجسم ہونے والے برے اعمال سے بہت زیادہ دوری اور فاصلہ چاہے گا۔

نفسها یا بند در روز نشور
آنچه کردند از نکوئی در حضور

روز محشر ہر انسان اپنے کئے گئے نیک اعمال کا مشاہدہ کرے گا۔

همچنین اعمالِ بد کان ظاهر است
پیش چشم او یکایک حاضر است

اسی طرح برے اعمال بھی اس کی آنکھوں کے سامنے ایک دم سے آموجود ہوں گے۔

دوست دارد بین او و اعمالِ بد
فرق باشد تا نیاید در عدد

اس کی شدید خواہش ہوگی کہ اس کے برے اعمال کے درمیان فاصلہ ہوتا کہ وہ گنتی میں نہ آئیں۔

---

[1] اس کی مثال یوں دے سکتے ہیں: ہم کہتے ہیں اس پھول کا رنگ گلابی ہے۔ یہ گلابی رنگ پھول کے لئے ''عرض'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب کہ پھول اس ''عرض'' کا موضوع اور محل ہے۔ کسی موضوع اور محل کے بغیر رنگ کا وجود نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا رنگ اس مثال میں ''عرض'' ہے۔ (مترجم)

[2] اس کی مثال یوں دے سکتے ہیں: ہم کہتے ہیں اس پھول کا رن گلابی ہے یہ گلابی رنگ پھول کیلئے ''عرض'' کی حیثیت رکھتا ہے جب کہ پھول اس ''عرض'' کا موضوع اور محل ہے کسی موضوع اور محل کے بغیر رنگ کا وجود نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا رنگ اس مثال میں ''عرض'' ہے (مترجم)

آن عملہا جملہ باشد پیش رو
ے نماید بعد آنرا آرزو

وہ تمام عمل اس کے سامنے ہوں جن کی اسے آرزو ہوگی۔

عظیم مفسر شیخ طبرسی رضوان اللہ علیہ اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد اس سے ملتی جلتی دو اور روایتوں کا ذکر کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں:

اعمال کے دیکھنے کے بارے میں

قیامت میں انسان کے عمل کے حاضر ہونے کی کیفیت کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ ہر انسان اپنا اچھا اور برا نامہ اعمال دیکھ لے گا یہ قول ابو مسلم کا ہے۔ البتہ اور لوگوں سے بھی یہی بات نقل ہوئی ہے۔ قاضی نے اسے قبول کیا ہے اور خود بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ بعض کا نظریہ ہے کہ قیامت میں حضور عمل سے مراد یہ ہے کہ ہر انسان اپنے اچھے یا برے عمل کی جزا کا مشاہدہ کرے گا۔ لیکن لوگوں نے جو اعمال دیئے ہیں چونکہ وہ خود اعراض تھے اس لئے باطل ہو گئے اور ان کی بازگشت ناممکن ہے اس بناء پر ہر آدمی کے وہ اچھے یا برے اعمال جو نابود ہو چکے ہیں ان کا قیامت میں حاضر ہونا اور صاحبِ عمل کا ان کا مشاہدہ کرنا محال ہے۔

تجسم اعمال کے مسئلے میں عظیم عالم ربانی شیخ بہائی اعلی اللہ مقامہ کے نظریئے کو علامہ مجلسی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں نقل کیا ہے۔ شیخ بہائی نے فرمایا ہے۔

تجسم الاعمال فی النشأة الاخرديه قدورد فی احاديث متكثرة عن طرق المخالف والمؤالف[1]۔

عالمِ آخرت میں تجسم اعمال کے متعلق عامہ اور خاصہ کے ذریعے سے بہت زیادہ روایات پہنچی ہیں۔ اس کے بعد قیس بن عاصم کی حدیث جو اس نے رسول اللہؐ سے روایت کی ہے۔ اسے انہوں نے تفصیل سے نقل کیا ہے اس میں ہے کہ رسول اکرمؐ نے قیس سے فرمایا:

پیغمبر اکرمؐ کا قیس کو موعظہ

اے قیس، مجبوراً ایک دوست اور ساتھی تمہارے ہمراہ دفن ہوگا اور تو مردہ ہوگا جب کہ وہ زندہ ہوگا اگر وہ ساتھی

---

[1]

کرامت اور بزرگواری کا حامل ہوگا تو تمہیں بھی عزت دے گا۔ اگر وہ گھٹیا اور پست ہوگا تو تمہیں بھی برا کردے گا۔ بہرحال وہ تمہارے علاوہ کسی کے ساتھ محشور نہیں ہوگا اور تم اس کے بغیر محشور نہیں ہوگے۔ تم سے جو بھی سوالات کئے جائیں گے وہ صرف اس کے بارے میں ہوں گے۔ پس ایسے ساتھ کے لئے کسی صالح کو منتخب کر۔ کیونکہ اگر وہ صالح ہوگا تو تم اس سے مانوس ہوجاؤ گے اور اگر وہ فاسد ہوگا تو تمہیں اس سے سوائے وحشت و پریشانی کے کچھ حاصل نہ ہوگا اور وہ ساتھی اور ہمنشین تمہارا عمل ہے۔

قال: بعض اصحاب القلوب ان الحیات والعقارب بل والنیران التی تظهر فی القیامة هی بعینها الاعمال القبیحه والاخلاق الذمیمه والعقائد الباطلة التی ظهرت فی هذه النشأة بهذه الصورة۔

پھر شیخ بہائی سے بعض اہلِ دل نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے: قیامت میں سانپ اور بچھو بلکہ آگ یہ سب بعینہٖ انسان کے برے اعمال مذموم عادات اور باطل عقائد ہوں گے جو کہ آخرت میں ان صورتوں میں ظاہر ہوں گے۔

ایں سخنہای چو مارو کژ دمت
مارد کژدم گردد وگیرد دمت

یہ جو تیری باتیں سانپ اور بچھو کی طرح ڈسنے والی ہیں قیامت کو حقیقی سانپ اور بچھو بن جائیں گی اور تیری دم کو پکڑیں گی۔

اچھائیوں اور بدیوں کا تمثل

اسی طرح حور و غلمان اور بہشتی نعمتیں ہمارے اخلاق اچھے کام اور درست اعتقادات کا حصہ ہیں۔ جو آخرت میں ان شکلوں میں ظاہر ہوں گے کیونکہ ایک ہی حقیقت مختلف جہانوں میں مختلف شکلیں اختیار کرتی ہے اور ہر عالم میں اسی عالم کا لباس زیب تن کرلیتی ہے۔

روز محشر ہر عرض را صور تیست
صورت ہر یک عرض را نوبتی است

محشر کے دن ہر عرض کی ایک صورت ہوگی اور ہر عرض کی یہ صورت اس کی باری پر ہوگی۔

این عرضہا نقل شد لون دگر
حشر ہر فانی بود کون وگر

یہ اعراض دوسرے رنگ میں ظاہر ہوں گی اور ہر فانی کا حشر ایک اور صورت میں ہوگا۔

گر بنودی ہر عرض را نقل و حشر
فعل بودی باطل و اقوال قشر

اگر ہر عرض تبدیل نہ ہوتی اور اس کا حشر نہ ہوتا تو تمام افعال اور اقوال باطل اور فضول نظر آئے۔

ہست این عالم جہان امتحان
عالم ثانی جز ای ایں و آن

یہ جہان تو جائے امتحان ہے
دوسرا جہان اس کی جزا ہے

شیخ بہائی مرحوم نے تجسم اعمال کے موضوع پر آیات اور روایات سے شواہد کے ساتھ اپنی بات کو مکمل کیا ہے۔

علامہ مجلسی شیخ بہائی کے تمام مطالب کو نقل کرنے کے بعد اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

اقول: القول باستحالة انقلاب الجوهر عرضا والعرض جوهراً فی تلك النشأه مع القول بامكانها فی النشأة الاٰخرة قریب من السفلسه اذا النشاة الاخرة لیست الامثل تلك النشأة و تخلل الموت والاحیا بینهما لا یصلح ان یصیر منشأ لا مثال ذلك۔ [1]

جوہر کا عرض میں اور عرض کا جوہر میں منقلب ہونے کو اس دنیا میں محال سمجھنا اور عالمِ آخرت میں اس کو ممکن سمجھنا ایک طرح کا سفسطہ اور وہم سے آمیختہ قیاس ہے۔ وہ اس لئے کہ عالمِ آخرت عالم دنیا کی مانند ہے اور ان دو جہانوں میں زندہ ہونے اور مرنے کا فرق اس قسم کی تبدیلیوں اور دگرگونیوں کا باعث نہیں بن سکتا۔ وہ اپنی گفتگو کے آخر میں فرماتے ہیں:

واما الا یات والاخبار فهی غیر صریحة فی ذلك اذ یمكن حملها علی ان الله تعالیٰ یخلق هذه بازاء تلك اوهی جزاؤها۔ [2]

آیات اور روایات میں تجسم اعمال کے سلسلے کی کیونکہ صراحت نہیں ہے۔ کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ ان کا یہ معنی لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں لوگوں کے دنیا میں انجام دیئے جانے والے ہر عمل

---

[1] بحارالانوار۔ ج ۳ ص ۲۵۷

[2] بحارالانوار۔ ج ۳ ص ۲۵۷

کے بدلے اسی طرح کی کوئی چیز خلق فرمائے یا وہ خلق کی گئی صورت اس عمل کی جزاء قرار پائے۔

فلاسفہ کا محدثین پر اثر

اکثر مفسرین، محدثین اور بزرگ علما جن میں عالی قدر محدث علامہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ بھی شامل ہیں۔ فلاسفہ اور متکلمین کے جوہر اور عرض کے موضوع پر نظریات سے متاثر ہوئے ہیں اور اس کو انہوں نے ایک نا قابل تردید عقلی مسئلہ جانا ہے۔ اور اس کی بنیاد پر آخرت میں تجسم اعمال کو ناممکن خیال کیا ہے۔ آیاتِ قرآن جن میں کہا گیا ہے کہ ''لوگ قیامت میں اپنے اعمال کو حاضر اور مشہود پائیں گے۔'' کی انہوں نے تاویل کی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد نامۂ اعمال کا حضور ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد اعمال کی جزاء دیکھنا ہے۔ مجلسی مرحوم نے کہا ہے ممکن ہے ان آیات و روایات کو اس پر محمول کیا جائے کہ خداوند متعال ہر عمل کے بدلے اس جیسی کوئی اور چیز خلق فرمائے گا۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا علامہ مجلسی نظریہ جوہر و عرض کی اساس پر شیخ بہائی کے مطلب اور ان افراد کی بات کو جو عالمِ آخرت میں نیک اور برے اعمال کے تجسم کے قائل ہیں کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت ایک دوسرے کی طرح ہیں اور ان دونوں میں مرنے اور زندہ ہونے کا فرق غرض کے جوہر میں تبدیل ہونے کی بنیاد نہیں بن سکتا۔

اس سے پہلے کہ جوہر اور عرض کے مسئلہ میں فلاسفہ اور متکلمین کے نظریئے کو سائنس کی روشنی میں زیرِ بحث لایا جائے۔ ضروری ہے کہ یہ مطلب واضح کیا جائے کہ واقعاً عالمِ آخرت عالمِ دنیا کی طرح ہے؟ کیا آخرت اور دنیا میں صرف یہی فرق ہے کہ انسان کا مرنا اور زندہ ہونا واقع ہوتا ہے؟ کیا کتاب و سنت میں عالم آخرت اور عالمِ دنیا میں مساوی اور یکساں توصیف کیا گیا ہے؟

دنیا اور آخرت کا فرق

قرآن شریف اور احادیث اس حقیقت کو اچھے طریقے سے روشن کرتی ہیں کہ آخرت کا جہان تکوینی قوانین اور سنن کے لحاظ سے اسی طرح اوضاع و احوال جو کہ اللہ کی قضا سے اس عالم میں برقرار ہوں گے دنیا کے تکوینی اصولوں اور اس کے اوضاع و احوال سے بہت زیادہ بنیادی اور اساسی فرق رکھتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کا پہلے ذکر ہو چکا ہے اور کچھ کا بعد میں ذکر ہوگا۔ یہاں پر فہرست کے طور پر چند موارد کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ اس جہان میں بشر ماں کے شکم سے خارج ہوتا ہے اور دنیا کی زندگی کو شروع کرتا ہے۔ جب کہ اس جہان میں بشر زمین کے شکم سے باہر آئے گا اور اپنی اخروی حیات کا آغاز کرے گا۔

۲۔ اس دنیا میں تمام زمانوں میں انسان تدریجاً پیدا ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے جب کہ آخرت میں لوگوں کا زندہ ہونا ایک دم سے اور اولین اور آخرین مخلوق کو اکٹھا اٹھایا جائے گا۔

۳۔ اس دنیا میں انسان کا بچپن، جوانی، ادھیڑ پن اور بڑھاپہ ہے اور آخرت میں بچپن ہے نہ بڑھاپا۔

عارضی دنیا اور جاویدانی آخرت

۴۔ دنیا کی زندگانی عارضی ہے۔ زندگی کے دن پورے ہونے کے ساتھ ہی موت پہنچ جاتی ہے اور زندگی کا دفتر بند ہوجاتا ہے۔ لیکن آخرت میں موت ہی نہیں ہے۔ زندگی جاوید ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔

۵۔ اس دنیا میں زمین جماد ہے اور انسان جو اعمال اس پر انجام دیتے ہیں اس پر کچھ نہیں کہتی۔ جب کہ آخرت میں وہ بدل جائے گی اور ذاتِ باری تعالیٰ کی تکوینی وحی سے لوگوں نے جو شرعی اور غیر شرعی اعمال اس پر انجام دیئے گئے ہوں گے ان سب کو بتائے گی۔

۶۔ اس جہان میں جسم کے اعضاء میں سے فقط زبان بولتی ہے۔ اور دیگر اعضاء نہیں بول سکتے لیکن آخرت میں قرآن پاک صراحت کے ساتھ بتاتا ہے کہ ہاتھ، پاؤں حتیٰ انسان کے بدن کا پوست بھی بولے گا اور شہادت دے گا۔

رازوں کا آشکار ہونا

۷۔ اس عالم میں لوگوں کے باطنی راز پوشیدہ ہیں اور افراد ایک دوسرے کی نیتوں سے واقف نہیں ہیں۔ لیکن عالمِ آخرت میں تمام رازوں سے پردہ ہٹ جائے گا۔ تمام افکار اور سوچیں قیامت کے میدان میں آشکار ہوجائیں گے لوگوں کی کتاب روح دوسروں کے سامنے کھل جائے گی۔

ان جیسی تفاوتوں کے باوجود کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ نشاۃ دنیا اور نشاۃ آخرت دونوں ایک دوسرے کی طرح ہیں اور صرف مرنا اور زندہ ہونا ان دونون کو آپس میں جدا کرتا ہے؟

صدرالمتالہین کی گفتگو

بلند پایہ حکیم وفیلسفوف صدرالمتالہین شیرازی نے تجسم اعمال کے مسئلے کی یوں تفسیر کی ہے کہ قیامت میں لوگوں کے حشر کی کیفیت ان کے نفسانی ملکات اور اندرونی خلقیات کے مطابق ہوگی۔ اور وہ بطور مثال غصے کی ہیجانی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

انسان میں شدید غصے کی حالت گردش خون میں تیزی، چہرے کی سرخی، جسم کی حرارت اور مواد بدن کے جلنے کا موجب بنتی ہے۔ غصہ نفس کی صفات میں سے ہے اور اس کا مرکز روح اور ملکوت انسان ہے لیکن حرکت، حرارت اور جلنا جسم

کی صفات ہیں جب اس دنیا میں یہ جسمانی عوارض ان نفسانی صفات سے وجود میں آسکتے ہیں تو اس بات کے کہنے میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اس مذموم، گناہ کی آلودگی کا باعث، مار پیٹ اور انسانی قتل جیسے مظالم کے عواقب رکھنے والی غصے کی صفت عالم آخرت میں دوزخ کی آگ میں مجسم ہو کر اپنے صاحب کے دل میں گھس کر اسے جلائے گی دوسرے اخلاق رذیلہ اور بری عادات بھی عالمِ آخرت میں اسی ناپسندیدہ غصے کی صفت کی طرح ہیں اور انہوں نے اپنی گفتگو کے ضمن میں شاہد کے طور پر جلال الدین رومی کے شعر کو نقل کیا ہے:

ای دریده پوستین یوسفاں
گرگ برخیزی از ایں خوابِ گران

اے یوسفوں کو پھاڑنے والے بھیڑیئے اس گہری نیند سے جاگ

گشته گرگان یک بیک خوہای تو
مید را نند از غضب اعضای تو

تیری عادتیں ایک ایک کر کے بھیڑیا کی شکل اختیار کر چکی ہیں اور غصے میں تیرے اعضاء کو چیر پھاڑ رہی ہیں۔

اسی طرح مدکات حمیدہ اخلاقِ حسنہ اور عقائد حقہ جو اخلاقی برائیوں اور باطل عقاید کے مدمقابل ہیں قیامت میں طرح طرح کی بہشتی نعمتون کی صورت میں مجسم ہو جائیں گے اور اپنے صاحبان کو ان سے بہرہ مند کریں گے۔

ایک سوال

پھر اخلاقِ رذیلہ کے تجسم کے سلسلے میں اس سوال کو پیش کرتے ہیں کہ جب آخرت میں برے اور ناپسندیدہ اخلاق آگ اور گزندہ کی صورت میں اختیار کر لیں گے تو اس کا عذاب اور تکلیف اس کے صاحب تک کس طرح پہنچے گی اور کون سی چیز گناہگاروں کو اس آگ اور گزندگان سے مربوط کرے گی؟

جواب

جواب میں کہتے ہیں کہ اس جہان میں اگر کوئی اپنے دشمن سے انتقام لینا چاہتا ہے اور اس کو اذیت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو اولاً اور بالذات اپنے آپ کو آزار پہنچائے گا۔ ثانیاً اور بالفرض اپنے دشمن کو آزار و اذیت پہنچائے گا۔ کیونکہ انتقام کی آگ اور غصے کی حالت میں اندرونی تلاطم، حالت غیظ میں شدت، اعصاب کی تحریک، خون کے زہریلے ہونے، اندرونی نظامی میں خرابی، احساس خستگی، کوفت اور آسائش و آرام کے ختم ہونے کا سبب بنتی ہے اور یہ خود بہت بڑا عذاب اور بہت زیادہ

نقصان ہے جو خشمگین انسان کے اندر ہوتا ہے پہلے تو یہ ذاتاً اپنے آپ کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے پھر ان تمام مصیبتوں کے اٹھانے کے بعد اگر دشمن اس کے قابو میں آ جائے تو وہ اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کر سکتا ہے اور وہ یوں اپنے اوپر ہونے والی زیادتی کی تلافی کر سکتا ہے۔ انتقام میں کامیابی کے بعد وہ اپنے دشمن کو ثانیاً اور بالفرض عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ دشمن پر کامیابی نہ پا سکے اور انتقام نہ لے سکے تو اس نے فقط اپنے آپ کو نقصان پہنچایا ہے اور خود کو بلا و مصیبت میں مبتلا کیا ہے نہ کہ کسی دوسرے کو۔ لیکن عالمِ آخرت میں برے اخلاق جو کہ آگ اور گزندگان کی صورت میں مجسم ہوں گے۔ فقط اپنے صاحبان کو عذاب دیں گے اور دوسروں کو کوئی عذر نہیں پہنچائیں گے۔ اس بارے میں وہ یوں کہتے ہیں:

فاذا تحقق بذلك واتضح لديك كيفية تجسم الاعمال علمت ان الاخلاق الذميمه اذا تمثلت وتصورت بصورة كريمه مناسبة لها فى الاخرة كالحيات والعقارب فانما يجب ان يصل ايلامها وايذاها بالانسان الذى هو صاحب تلك الاخلاق دون غيره لا بالذات والا بالعرض فان العلاقة الوضعية التى بها يتحقق التاثير والتاثر من الماديات بالعرض فى هذا العالم مرتفعة فى عالم اخر "فلا انساب بينهم يومئذ ولا يتساء لون۔ سوره ۲۳ آيه ۱۰۱۔" كذا الاخلاق الحسنه اذا تمثلت وتصورت اشخاصها كريمة بهية مناسبة لها فانما تصل لذاتها ويعمها بالانسان الموصوف بها بغيره كما بينا۔ [1]

مذکورہ بحث سے تجسم اعمال کی کیفیت آپ کے لئے واضح ہوگئی۔ اب آپ جانتے ہیں کہ جب آخرت میں برے اخلاق و عادات ایسے قبیح اور ڈنگ مارنے والے جوان کے اعمال سے مناسبت رکھتے ہوں گے مثلاً سانپ اور بچھوؤں کی شکل میں ظاہر ہوں گے تو اس وقت ان کی آزار و اذیت فقط ان مذموم اخلاق کے حامل انسان کو پہنچنی چاہیے۔ اور اس کے علاوہ کسی اور کو یہ عذاب دامن گیر نہیں ہوگا نہ بالذات اور نہ بالفرض کیونکہ اعتباری رشتے اور اجتماعی روابط اس دنیا میں تاثیر و تاثر کے معیار ہیں آخرت میں یہ ختم ہو جائیں گے۔ وہاں پر نسبی اور اجتماعی روابط کارفرما نہیں ہیں پھر قرآن شریف کی

[1] مبداء و معاد ص ۳۴۴

ایک آیت کو وہ تائید مطلب کے لئے بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح جب اخلاق حسنہ کریم اور پر شکوہ صورتوں میں جو انہی اخلاق سے مناسبت رکھتی ہوں گی، مجسم ہوں گے تو ان صفات کی لذتیں اور نعمتیں بھی اسی انسان کی طرف عود کریں گی نہ کسی اور کے پاس جائیں گی جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔

تجسم اخلاق

قارئین ملاحظہ کریں کہ صدر المتالہین تجسم اعمال کے مسئلے کی نفی نہیں کرتے تاہم اس کو صرف اخلاقی ملکات اور عقاید و نیات جو کہ روح کے اعمال ہیں، پر جاری کرتے ہیں اور اعضاو جوارح کے گناہوں جو کہ جو ہر وعرض کی بحث میں شامل ہیں کا کچھ ذکر نہیں کرتے۔ البتہ نیت اور اخلاقی ملکات کا مجسم ہونا تجسم اعمال کا ہی حصہ ہے۔ کتاب کی دوسری فصل میں کی جانے والی وضاحت کے مطابق قیامت میں لوگوں کا حشر ان کی نیتوں اور روحانی ملکات کے مطابق ہوگا۔ اس لحاظ سے برے اخلاق کے حامل افراد ان حیوانات کی شکلوں میں اٹھیں گے جو ان مذموم اخلاق کے نمونہ ہیں۔ لیکن آیات اور روایات میں برے اور اچھے اعمال کا تجسم وسیع معنوں میں لیا گیا ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر انسان چاہے وہ جس شکل و صورت میں محشور ہوا ہو اپنے اچھے اور برے اعمال کو اس کیفیت کے ساتھ جو ہمارے لئے مجہول ہے اپنے ساتھ حاضر اور مشہور پائے گا حتیٰ کہ بعض روایات میں عمل اور صاحب عمل کے درمیان مکالمے کا ذکر بھی آیا ہے۔

آج کا علم اور تجسم عمل

آج کے دور میں طبیعی سائنسی علوم میں وسعت اور ترقی کی وجہ سے لوگوں کے اچھے اور برے اعمال جو کہ تجسم اعمال کا موضوع ہیں، کے بارے میں جو ہر وعرض کی بحث منفی ہو چکی ہے۔ اور اس کی جگہ مادے اور انرجی نے لے لی ہے۔ اور اب تجسم اعمال کے مسئلے کی اس نظر سے تحقیق کی جاسکتی ہے اور اعراض کے ناپائیدار اور تبعی وجود سے نجات مل سکتی ہے جو فلسفی اور کلامی کتب میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس دور کے سائنس دان لوگوں کی گفتار اور رفتار کو امور واقعی کا ایک سلسلہ سمجھتے ہیں اور ان کے لئے ایک اصلی اور جداگانہ وجود کے قائل ہیں۔ فلاسفہ اور متکلمین کے نظریہ کے مطابق جواہر اور اعراض کے مصادیق کو اعتباری کمیتوں اور کیفیتوں مثلاً اشیاء کے وزن اور مساحت یا انتزاعی خوبصورتی اور بدصورتی میں تلاش کرنا چاہیے نہ کہ انسانوں کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ کاموں میں۔

مذکورہ مطلب کی وضاحت یوں کی جاتی ہے کہ فلاسفہ اور متکلمین کے اقوال کے مطابق لوگوں کی عبادات مثلاً قیام و قعود، رکوع و سجدہ، تلاوت و ذکر اور دیگر اعمال کہ جنہیں بجالانے کا شارع نے مکلف افراد کو حکم دیا ہے۔ اسی طرح لوگوں کے

گناہ مثلاً غیبت وتہمت گالی گلوچ چوری فراڈ اور دوسرے کام جن سے شارع نے منع کیا ہے۔ یہ سب اعراض میں اور اعراض کا جداگانہ وجود نہیں ہے بلکہ ان کا وجود اپنے موضوع اور محل یعنی انسان کے اعضاو جوارح کے ذریعے سے قائم ہے۔ لہٰذا جس چیز کا وجود تبعی ہے اور غیر سے قائم ہے تو وہ چیز غیر کے جانے سے چلی جاتی ہے اور ختم ہوجاتی ہے وہ قیامت میں اصلی وجود نہیں بن سکتی اور نہ ہی ایک جداگانہ موجود کی صورت میں اپنے صاحب عمل کے سامنے مجسم ہوسکتی ہے۔

لیکن آج کے فزکس دانوں نے حسی اور تجربی علم کے مطابق اس جہان کو مادہ اور توانائی کا مجموعہ سمجھتے ہیں ان کا نظریہ ہے کہ مادہ توانائی ہی کی ایک جامد شکل ہے اور یہ دونوں حقیقی اور جداگانہ وجود ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ نظام طبیعت میں یہ دونوں ایک دوسرے میں تبدیل ہو سکتے ہیں یعنی مادہ توانائی کی اور توانائی مادہ کے شکل اختیار کر سکتی ہے۔

مادے اور انرجی کا رابطہ

کتاب۔ چہ میدانم، زندگی و مرگ ستارگان کے صفحہ ۴۴ پر لکھا ہے:

''۱۹۰۵ عیسوی میں آئن سٹائن نے نسبیت کے مفروضے کو پیش کیا اور ساتھ ہی توانائی اور مادے کے درمیان رابطے کو بیان کیا جو اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا اور متمایز خیال کئے جاتے تھے اس نے یہ ثابت کیا کہ مادہ اور انرجی ایک دوسرے سے تبدیل ہو سکتے ہیں۔''

آر اسٹالبرگ اور ایف ایف ہیل کی فزکس کے صفحہ ۱۲۷ پر لکھا ہے:

''تبدیلی کے وقت ممکن ہے کہ مادہ لائٹ انرجی LIGHT ENERGY یا HEAT ENERGY میں بدل جائے اور کوئی چیز ضائع بھی نہ ہو۔ یا دوبارہ کسی نقصان کے بغیر لائٹ انرجی مادہ کی شکل اختیار کر لے۔ پس بقاء انرجی کا قانون درحقیقت بقاء مادہ اور انرجی کا قانون کہلائے گا۔ انرجی اور مادہ ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیل ہو سکتے ہیں لیکن کل انرجی غیر متبدل رہے۔''

اسی طرح سائنسی حوالے سے یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ متفاوت شکلوں میں موجود مختلف توانائیاں ہیں۔ مثلاً برقی، حرارتی، کیمیائی، ثقلی، شمسی اور ایٹمی وغیرہ ایک دوسرے میں تبدیل ہوسکتی ہیں اور مختلف کام انجام دے سکتی ہیں۔

اس میں قابل توجہ بات یہ ہے کہ توانائی (انرجی) ان تمام تبدیلیوں اور تغیرات میں ہمیشہ پائیدار اور باقی CONSTANT رہتی ہے اور مادے کے توانائی کے مادہ میں بدلنے سے اسی طرح انرجی میں وقوع پذیر ہونے والی مختلف صورتوں میں نہ صرف انرجی ختم نہیں ہوتی بلکہ کسی کمی کا شکار بھی نہیں ہوتی اور اسی طرح عالم طبیعت کی وسعت میں

برقرار رہتی ہے۔

بریٹانیکا انسائیکلوپیڈیا کی جلد ۶ ص ۸۹۴

(ENCYCLOPAEDIA BRITANNICA MACVBVOLP - 1974 - P 894)

پر درج ہے کہ:

بقاء توانائی کا قانون

بقاء توانائی کا مفہوم ایک ایسا بنیادی قانون ہے جو تمام طبیعی مظاہر میں مشاہدہ کیا گیا ہے۔ طبیعت میں وقوع پذیر ہونے والی تمام تر تبدیلیوں میں کل توانائی تبدیل نہیں ہوتی۔ توانائی کی بقاء طبیعت کے مختلف حاصلوں کی توصیف نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کا بیان ہے کہ جس کمیت کو توانائی کہا جاتا ہے وہ اس کے جانچ پرکھ کے زمانے یا اس کے دوران میں حاصل ہونے والے امور کی طرف توجہ کئے بغیر ثابت رہتی ہے توانائی کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں یا بقاء توانائی کے قانون کی قید کے ساتھ ایک شکل میں تبدیل ہوسکتی ہیں۔ برقی کیمیائی، حرارتی، حرکی، ثقلی، شمسی، ایٹمی اور مادی توانائی کی مختلف صورتیں ہیں۔ ان کے عام استعمال اور مختلف صورتوں میں کامل قانون بقاء توانائی نے ان کو اتنا پرکشش اور سود مند بنا دیا ہے۔''

کتاب مادہ و توانائی کے صفحہ ۴۹ پر یوں لکھا ہے:

''توانائیاں ایک قسم سے دوسری قسم میں بلا شک وشبہ تبدیل ہوتی ہیں وہ توانائی جو آبشار کے پانی گرنے سے پیدا ہوتی ہے وہ ڈانیا موٹر کو چلا سکتی ہے اور ڈانیا موٹر حرکی توانائی کو برقی توانائی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ یہ برق اگر بلب میں آ جائے تو روشنی دیتی ہے اور روشنی کی توانائی میں تبدیل ہوجاتی ہے اگر استری میں آ جائے تو گرمائش دیتی ہے اسی برق کو ایک گاڑی کی بیٹری میں ذخیرہ کیا جاسکتا ہے اور اس سے ضرورت کے وقت اس کی موٹر کر متحرک کرنے یا لائٹیں جلانے کا کام لیا جاسکتا ہے۔''

مادے کی ایٹمی توانائی میں تبدیل ہونے کی بہترین اور واضح ترین مثال سورج کی حرارتی اور شمسی توانائی ہے۔ کہا گیا ہے کہ سورج ہر منٹ میں ۲۵۰ ملین ٹن مادے کو انرجی میں تبدیل کرتا ہے اور کائنات کی بیکراں فضا میں منتشر کرتا ہے۔ اس کا کچھ حصہ زمین تک پہنچتا ہے جو سرمایہ حیات اور کرۂ ارض کی مختلف کارکردگیوں کا موجب ہے۔

ہمارے جسمانی نظام کے اندر جو طبیعی عمل اور ردعمل اور ان کے اثرات ہوتے ہیں اسی طرح جسم میں شکست دریخت کے عمل سے جو خلقت کے پروگرام کے مطابق ہوتے رہتے ہیں، زندگی کو جاری رکھنے کے لئے مختلف ضروری

توانائیاں تولید ہوتی رہتی ہیں جس کے نتیجے میں حیاتی اعمال اور دوسرے ارادی اور غیر ارادی افعال انجام پاتے رہتے ہیں۔

انسان ایک ضعیف موجود ہے جو ہمیشہ محمول پذیر امور کے بدل کا محتاج ہے۔اپنی زندگی کے دوران جس مواد کو کھو دیتا ہے۔اسے باہر سے ہوا اور خوراک اور پانی کے ذریعے پورا کرنے کی اسے ضرورت ہے تاکہ وہ نئی توانائیوں کو پیدا کر سکے اور اپنے مختلف امور کو جاری رکھ سکے۔البتہ جس قدر آدمی کی فعالیت میں کمی اور کیفی لحاظ سے اضافہ ہوگا اسی نسبت سے توانائی بھی زیادہ صرف ہوگی مثلاً اگر کوئی سردی کے موسم میں کھلی فضا میں بیٹھ کر ٹھنڈی ہوا سے سانس لے رہا ہے اور اس کو گرم حالت میں خارج کر رہا ہے اس موقعہ پر استعمال ہونے والی حرارتی توانائی کی مقدار سانس لی گئی ہوا کے گرم کرنے کے برابر ہے۔لیکن اگر سانس لینے کے علاوہ وہ ورزش کر رہا ہو، یا کسی مقابلے میں شرکت کر رہا ہو، یا بلند آواز سے تقریر میں مشغول ہو یا اس نے کوئی بہت بڑا بوجھ اٹھا رکھا ہو۔اور اس کو چند سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر لے گیا ہو۔تو کام کی زیادتی کی صورت میں حتماً توانائی زیادہ مصرف ہوگی۔

فلاسفہ اور فزکس دانوں کا نظریہ

فلاسفہ اور متکلمین افعال انسان کے جداگانہ اور اصلی وجود کے قائل نہ تھے بلکہ ان کو اعراض سمجھتے تھے، یعنی فانی اور جوہر بدن سے قائم۔یہ مطلب سائنسی اور عقلی لحاظ سے اس قدر صحیح سمجھا گیا اور مقبول ہوا کہ بہت سے مفسرین اور محدثین نے قیامت میں تجسم اعمال کے مسئلے کو غیر ممکن کا درجہ دے دیا: انہوں نے کہا: تجسم عمل کا لازمہ عرض کا جوہر میں بدلنا ہے۔اور یہ بات عقلی طور پر ممتنع اور محال ہے اس تشریح کی روشنی میں جس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔انہوں نے تجسم عمل کے متعلق آیات اور احادیث کی ایسے احتمالات کے ساتھ تفسیر اور تاویل کی جو متناسب دکھائی دیتے تھے۔لیکن آج کے سائنسدان کہتے ہیں کہ انسان کے اعمال خواہ ارادی ہوں یا غیر ارادی کچھ توانائی صرف ہونے سے عبارت ہیں۔اس بناء پر انسانوں کے اختیاری افعال جن کی تنظیم اور تصحیح کے لئے دینی فرائض عائد کئے گئے ہیں، اس چیز سے عبارت ہیں کہ ایک مکلف شخص اپنی خواہش کے مطابق اپنی توانائی کا کچھ حصہ اپنے ارادہ ومیل کے ساتھ اپنے پسندیدہ کام کی انجام دہی میں خرچ کرتا ہے خواہ اس کام کی شریعت نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔

اس بات کے پیش نظر کہ توانائی مادہ کی طرح حقیقی اور خارجی وجود رکھتی ہے اور ہمیشہ برقرار رہتی ہے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انسان جو بھی اعمال انجام دیتا ہے۔وہ اچھے ہوں یا برے وہ حقیقی امور ہیں اور ان کا وجود جداگانہ اور اصیل ہے نہ یہ کہ وہ اعتباری اور انتزاعی ہیں۔ہم یہ خیال کریں کہ وہ اعراض میں اور جوہر کے وجود سے قائم ہیں۔لہٰذا آیات اور روایات میں مذکور تجسم اعمال کا عملی شکل اختیار کرنا فقط قانون بقائے توانائی کی بنیاد پر نہیں ہے۔بلکہ اس کو گذشتہ دور میں اسلام کے علمی

معجزات اور غیب کی خبر شمار کیا جانا چاہیے۔

عمل کی بقاء یا انرجی کی بقاء

قیامت کے دن اپنے صاحب کے سامنے مجسم ہونے والے اعمال جو توانائی صرف کرنے سے انجام پاتے ہیں اور ہمیشہ باقی رہتے ہیں صرف ہمارے ظاہری اور جسمانی کام نہیں ہیں بلکہ ہمارا بات کرنا جو کہ زبان کا عمل ہے اسی طرح نیت، سوچ و فکر، افکار و ایمان اور اخلاقی ملکات کہ جو روح کے اعمال ہیں یہ سب جسمانی اعمال کی طرح مجسم ہوں گے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام نے بعض روایات میں لفظ 'عمل' کو تمام اندرونی و بیرونی کاموں کے بارے میں استعمال کیا ہے حتیٰ یہ کہ ایمان جو قلبی اعتقادات، جسمانی اعمال اور زبان کے اقرار کا مجموعہ ہے، اسے بھی عمل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں پر بطور شاہد ایک مفصل روایت کے چند جملوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

ابوعمرو زبیری کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا:

قلت له ایها العالم اخبرنی ای الاعمال افضل عند الله؟ قال: مالا یقبل الله شیئا الا به قلت وما هو؟ قال الایمان بالله لا اله الا هو قلت الا تخبرنی عن الایمان اقول هو وعمل ام قول بلا عمل؟ فقال الایمان عمل کله والقول بعض ذلك العمل۔

اے بزرگ عالم مجھے بتائیں کہ اللہ کے نزدیک کون سا عمل افضل اور برتر ہے آپ نے جواب میں فرمایا: وہ عمل جس کے بغیر خدا کسی اور عمل کو قبول نہیں فرماتا میں نے پوچھا وہ عمل کون سا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: اللہ پر ایمان کہ اس کے بغیر کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ مجھے نہیں بتائیں گے کہ ایمان عمل اور قول ہے یا قول بغیر عمل کے ہے؟ آپ نے جواب دیا: تمام ایمان عمل ہے اور قول اس عمل کا کچھ حصہ ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایمان کو انسان کے تمام جوارح پر واجب کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو مخصوص ذمہ داری عطا کی ہے۔

فاما ما فرض علی القلب من الایمان فالاقرار والمعرفة والعقد والتسلیم بأن لا اله الا الله وحده لا شریك له وان محمد عبده ورسوله

صلوت اللہ علیہ والہ والاقرار بما جآء من عند اللہ من نبی او کتاب فذلك ما فرض اللہ علی القلب من الاقرار والمعرفة وھو عملہ۔

قلب وجوارح کے واجبات

جو چیز اس نے ایمان کے حوالے سے قلب پر واجب کی ہے وہ اقرار، معرفت، اعتقاد اور اس بات کو تہہ دل سے قبول کرنا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور حضرت محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں اور جو چیز خدا کی طرف سے نبی اکرمؐ اور کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس کی حقانیت کا اعتراف کرنا ہے جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اقرار اور معرفت، قلب پر فریضہ الٰہی ہے اور یہی قلب کا عمل ہے۔

وفرض اللہ علی اللسان القول والتعبیر عن القلب بما عقد علیہ واقربہ۔ قال اللہ تبارك وتعالیٰ "وقولوا للناس حسنا سورہ ۲ آیت ۸۳" وقال "وقولوا امنا بالذی انز الینا وانزل الیکم والھنا والھکم واحد ونحن لہ مسلمون۔ سورہ ۲۹ آیت ۴۶" فھذا ما فرض اللہ علی اللسان وھو عملہ۔ [1]

زبان پر الٰہی فریضہ یہ ہے کہ قلبی اعترافات اور عقائد کو بیان کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لوگوں کے ساتھ شائستہ اور اچھے انداز میں گفتگو کرو۔ اور اس نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اہل کتاب سے کہہ دیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں جو تمہارے اور ہمارے اوپر نازل ہوا ہے اور ہمارا تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم سب نے اسی کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زبان پر فرض ہے اور زبان پر واجب ہے کہ وہ اس کو انجام دے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے قلب اور زبان کے عمل کو بیان کرنے کے بعد دیگر اعضاو جوارح کے اعمال پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور ہر ایک کے عمل کو قرآن مجید کی چند آیات کے حوالے سے ذکر کیا کہ جن کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

---

[1] کافی، ج ۲، ص ۳۳

توانائی کا وجود اصیل

مذکورہ مطالب سے مجموعی طور پر چند نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں:

۱۔ لفظ عمل، روایات میں وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے اور روح، زبان اور بدن کے تمام افعال کو اپنے اندر شامل کرتا ہے۔

۲۔ انسان کے تمام اندرونی اور بیرونی اعمال مثلاً نیت، فکر، گفتگو کرنا، بات سننا اور اعضاء کے دوسرے کام کچھ توانائی کے صرف ہونے پر وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

۳۔ توانائی اعتباری وانتزاعی امور سے نہیں اور نہ ہی اعراض سے ہے جو جواہر سے قائم ہیں بلکہ مادے کی طرح ایک خارجی حقیقت اور اصالت رکھتی ہے اور یہ فنا اور نابود بھی نہیں ہوتی۔

۴۔ آیات اور احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قیامت کے دن انسانوں کے تمام اعمال وہ جسمانی ہوں یا روحانی تجسم اختیار کریں گے۔ اس انداز سے کہ ہر انسان اپنی نیتوں اپنے افکار اپنے اندرونی عقائد اور اسی طرح اپنی باتوں اور سماعت کو، اپنے آنے جانے کو اور دیگر اعمال کو اپنے پہلو میں حاضر و مجسم پائے گا اور ان کا مشاہدہ کرے گا۔

بحث کے آخر میں قارئین کی مزید آگاہی کے لئے تجسم اعمال کے بارے میں بعض آیات اور روایات کو نقل کیا جاتا ہے:

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ [۱]

روز قیامت ہر انسان دنیا میں انجام دیئے جانے والے اپنے ہر اچھے عمل کو اور اسی طرح اپنے ہر برے عمل کو حاضر پائے گا۔

اعمال کا عیاں ہونا

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝۴۹ [۲]

گناہگار جن اعمال کے مرتکب ہوں گے قیامت میں وہ انہیں اپنے پاس حاضر پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۴۸ [۳]

روزِ قیامت ظالموں کے گناہ ان پر عیاں اور آشکار ہو جائیں گے اور جس عذاب الٰہی کا وہ مذاق اڑایا

[۱] سورہ آل عمران آیہ ۳۰

[۲] الکہف۔ ۴۹

[۳] الزمر۔ ۴۸

کرتے تھے وہ ان کو گھیر لے گا۔

يَّوۡمَ يَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ يَدٰهُ وَيَقُوۡلُ الۡكٰفِرُ يٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ تُرٰبًا۝۴۰ [1]

قیامت کے دن ہر انسان اپنے آگے بھیجے گئے اچھے اور برے اعمال کا مشاہدہ کرے گا اور کافر اپنے برے اعمال کو دیکھ کر اتنا پریشان اور غمزدہ ہوگا کہ وہ کہے گا، اے کاش میں ناچیز خاک ہوتا اور اس صورت حال سے دوچار نہ ہوتا۔

کافر انروز از تزلزل و اضطراب
گوید او یالیتنی کنت تراب

کافر اس دن اضطراب اور پریشانی کے عالم میں کہے گا یالیتنی کنت تراب۔

یعنی آنکہ بودمی ایکاش خاک
می نمیدیم جنین ہول و ہلاک

یعنی اے کاش میں خاک ہوتا۔ اور اس ہلاکت وخوف کا سامنا نہ کرتا۔

يَوۡمَئِذٍ يَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۙ لِّيُرَوۡا اَعۡمَالَهُمۡ۝۶ فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ۝۷ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۝۸ [2]

روزِ قیامت لوگ متفرق گروہوں کی صورت میں باہر آئیں گے تا کہ وہ اپنے اعمال کا مشاہدہ کریں پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھے گا۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جاء جبرئيل الى النبى صلى الله عليه وآله فقال: يا محمد عش ما شئت فانك ميت واحبب من شئت فانك مفارقه واعمل ما شئت فانك ملاقيه۔ [3]

---

[1] النباء۔ ۴۰

[2] الزلزال ۶، ۷، ۸

[3] کافی، ج ۳ ص ۲۵۵

جبرئیل امین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ سے عرض کیا: اے محمد جس طرح چاہیں زندگی گذاریں آخر کار آپؐ کو موت کا پیالہ پینا ہے۔ جسے چاہیں دوست رکھیں سرانجام آپ کو اس سے جدا ہونا ہے اور دنیا میں جو عمل چاہیں انجام دیں البتہ جو کچھ بھی کریں قیامت میں اس کا مشاہدہ کریں گے۔

قرآن کلام خدا ہے اور وہ خدا ہے جس نے سارے عالم ہستی کو خلق فرمایا ہے اس کے علم کے سامنے تمام واقعات اور حقائق آشکار اور عیاں ہیں۔ یہ کتاب اس دنیا کے خاتمے تک انسانوں کی ہدایت اور اس کی نسلوں کو سعادت بخشنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے سائنسی اور علمی لحاظ سے بشر ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور ہمیشہ اس نے کمال کے مدارج طے کئے ہیں ممکن ہے کہ قرآن شریف کے کچھ حقائق انسان کی ایک نسل کے لئے مجہول اور مخفی رہیں لیکن بعد والی نسلیں علم میں پیش رفت کے نتیجے میں ان مجہول حقائق سے آگاہ ہوجائیں۔ یہی نکتہ بعض روایات میں ذکر ہوا ہے۔

امام سجاد علیہ السلام سے توحید کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپؑ نے جواب میں فرمایا:

ان اللہ عزوجل علم انہ یکون فی آخر الزمان اقوام متعمقون فانزل اللہ "قل ھو اللہ احد" والایات من سورۃ الحدید الی قولہ "علیم بذات الصدور"۔ [1]

اللہ تعالی جانتا تھا کہ آخری زمانے میں گہری فکر اور علمی تدبر کے حامل لوگ آئیں گے اس لئے سورۂ توحید اور سورہ حدید کی چند آیتوں کو نازل فرمایا:

یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تجسم اعمال کا مسئلہ بھی اسی طرح کا ہے کیونکہ فلاسفہ اور متکلمین حتی بعض محدثین اور مفسرین نے جو ہر وعرض کی بحث کی روشنی میں اس کو ایک ناممکن اور ممتنع امر خیال کیا اور آیات وروایات کی مختلف انداز میں توجیہہ اور تاویل کی۔ لیکن آج کے علم نے گفتار اور رفتار حتی لوگوں کی نیتوں کو ایک حقیقی اور اصیل امر سمجھا ہے۔ جو کہ توانائی صرف ہونے پر وجود میں آتے ہیں۔

قدماء گفتہ اندبی اغماض
کہ عمل ہست قسمی از اعراض
قدماء نے واضح طور پر کہا ہے

---

[1] تفسیر صافی۔ص۵۷۸

کہ عمل اعراض کی قسم ہے
چون عرض نیست قائم بالذات
کی کند خود بنفسہ عرض حیات
چونکہ عرض قائم بالذات نہیں ہوتا
اس لئے وہ تنہا قائم نہیں رہ سکتا
علم نیزیک و دانش امروز
کردہ حل ایں قضیہ مرموز
جب کہ آج کے فزکس اور علم نے
اس مشکل مسئلے کو حل کر دیا ہے
ہست اعمال ما انثر ریہا
کہ از اجزاء جسم گشتہ جدا
ہمارے اعمال توانائیاں ہیں
جو جسم کے اجزاء سے جدا ہوئی ہیں
لا جرم این عمل بہ روزِ جزاء
متکاثف کہ شد شود پیدا
روزِ قیامت یہ عمل حتماً
انجام پانے کے بعد وجود میں آجائے گا
بہمین قول و منطق و علت
تجد کل نفس ما عملت
اسی قول منطق اور علت کی وجہ سے ہر انسان اپنے انجام دیئے گئے عمل کو پائے گا۔

باب نمبر 15

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿٢٧﴾

(سورہ دھر۔ آیۃ، ۲۷)

طاقت فرسا دن

قیامت جسے قرآن مجید میں یومِ موعود کہا گیا ہے۔ ایک سخت اور بہت بھاری دن ہے۔ اس دن کے آلام ومصائب اتنے طاقت فرسا اور جانکاہ ہیں کہ ہمارے لئے ان کا تصور کرنا بھی ناممکن ہے۔ جیسا کہ قرآن کی آیات، احادیث اور سابقہ انبیاء کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بے مثال دن کے موقع پر اللہ تعالیٰ تمام ایماندار اور بے ایمان، نیک اخلاق والے اور برے اخلاق والے، اچھے اور برے عادل اور ظالم انسانوں کو جو دنیا میں آئے اور ایام زندگی گذارنے کے بعد مر گئے، زندہ کرے گا اور ان کے تمام اچھے اور برے اعمال کا حساب وکتاب لے گا۔ پاکیزہ افراد کو جزاء عطا فرمائے گا اور برے افراد کو سزا دے گا۔

بدقسمتی سے غافل انسان چندروزہ دنیا کی زندگی کا اس قدر دلدادہ ہوا ہے اور اپنے آپ کو مادی خواہشات ومیلانات میں گم کرلیا ہے کہ آنے والے وحشت ناک اور خطرناک دن سے غافل ہو گیا ہے اور قیامت کے عظیم دن کی فکر نہیں کرتا۔ قرآن شریف نے اس بارے میں یوں فرمایا ہے:

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿٢٧﴾ [1]۔

انہوں نے اسی دنیا میں دل باندھ لیا ہے اور قیامت کے سخت وہولناک دن کو فراموش کر دیا ہے جو بہت جلد ان تک آن پہنچے گا۔

قیامت کا سخت اور بے نظیر دن گوناگوں ابعاد پر مشتمل ہے۔ ایک ذریعہ جو کسی حد تک ابعاد قیامت کو واضح کرسکتا ہے۔ اس دن کے اسماء ہیں۔ اللہ عزوجل نے قرآن شریف میں قیامت کو متعدد ناموں سے یاد کیا ہے اور ہر اسم اس کی کسی خصوصیت اور اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے ان میں سے بعض ناموں کی مناسبت عام افراد کے لئے قابلِ فہم ہے۔ مثلاً ''یوم

[1] سورہ دھر۔ آیۃ، ۲۷

الدین'' روزِ جزا''یوم الحساب''یعنی حساب و کتاب کا دن۔لیکن کچھ ناموں کی مناسبت کی شناخت کے لئے تشریح کی ضرورت ہے۔مطلب کو واضح کرنے کے لئے اس فصل میں ان میں سے کچھ ناموں کی وضاحت کی جائے گی۔

قرآن اور اسامی قیامت

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ [1]

قرآن مجید میں ذکر ہونے والے اسماء میں سے قیامت کا ایک نام''یوم حق'' ہے۔

حق وعدالت کا دن

عربی لغت میں حق کے متعدد معانی ہیں اور قرآن شریف میں بھی یہ چند معنوں میں استعمال ہوا ہے۔قیامت کے متعلق اس کا استعمال ہونا۔ بیشتر دو معانی کے بیان کے لئے ہے۔ایک حق مطابق با واقع کے معنی میں جو خلافِ حق کے مقابلے میں ہے جس کا معنی جھوٹ اور باطل ہے۔اور یہ معنی اصل معاد کے بارے میں ہے یعنی معاد خدا کے حتمی اور قطعی وعدے کے مطابق ایک محقق الوقوع امر ہے جس میں کسی قسم کا کوئی ردو بدل نہیں ہوسکتا اور معاد پر ایمان ایک حقیقی امر اور حق پر ایمان سے عبارت ہے۔دوسرا حق کا معنی عدل ہے جو ظلم و جور کے مقابلے میں ہے۔یہ مورد قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حکموں اور فیصلوں کے متعلق ہے۔یعنی روزِ جزا کی حاکم و مالک ذاتِ اقدس الٰہی ہے اور اس دن حکمِ الٰہی سے جو سزا و جزا نیک اور برے لوگوں کے لئے مقرر ہوگی وہ سب حق وعدل کے مطابق ہوگی اور احکامِ خدا میں ظلم و جور کا کوئی امکان نہیں ہے۔اس بات کو مزید واضح کرنے کے لئے ان دو معانی کے بارے میں مختصر وضاحت کرنا ضروری ہے۔

معنی اول: انبیاء الٰہی نے صدیوں معاد کی بات کی ہے اور انہوں نے لوگوں کو روزِ جزا پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے لیکن ہر زمانے میں لوگوں کی اکثریت نے انبیاء کی باتوں کو جھوٹ خیال کیا، ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا اور معاد کو ایک غیر ممکن اور محال امر تصور کیا۔قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے

منکرین معاد

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ۝۶۷ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا

---

[1] النباء ۳۹

نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾ [1]

کافروں نے کہا جب ہم اور ہمارے باپ دادا زمین کے اندر سڑگل کر خاک ہوجائیں گے کیا دوبارہ قبروں سے نکلیں گے؟ یہ وعدے پہلے سے ہمیں اور ہمارے آباؤ اجداد سے کئے گئے ہیں اور یہ وعدے جھوٹ اور اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں۔

انبیاء الٰہی کی باتیں

معاد کو ناممکن اور جھوٹ سمجھنے والے کافروں اور مشرکوں کی باتوں کے مقابلے میں انبیاء الٰہی کی باتیں ہیں جو قیامت کو یقینی، امر، برحق وعدہ اور حتمی الوقوع قضاء جانتے تھے اور ان کو قاطعیت کے ساتھ لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ړ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ [2]

یہ تم سے پوچھتے ہیں کہ جو کچھ تم ہمیں دینِ خدا اور قیامت کے بارے میں بتاتے ہو کیا وہ حق اور حقیقت ہے؟ کہہ دو ہاں مجھے اپنے پروردگار کی قسم جو کچھ میں کہتا ہوں وہ حق ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ اور اللہ کا عذاب قیامت والے دن تمہیں نہیں چھوڑے گا۔

حتمی الوقوع یومِ حق

اس آیت میں لفظ 'حق' سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو سمجھایا جائے کہ معاد ایک حقیقی اور واقعی امر ہے اور انبیاء نے اسے پہنچانے میں غلطی نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔ قرآن مجید میں دیگر آیات بھی ذکر ہوئی ہیں جن میں لفظ ''حق'' اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ارشاد رب العزت ہے:

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا [3]

بے شک اللہ کا وعدہ پکا اور حق ہے اور کہیں دنیا کی زندگی تمہیں مغرور نہ بنادے اور آخرت کی یاد سے تمہیں غافل نہ کردے۔

---

[1] النمل۔ ۶۷،۶۸

[2] یونس۔ ۵۳

[3] لقمان۔ ۳۳

ایک اور جگہ پر حکم ہوتا ہے:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۠ ﴿۳۰﴾ [1]

اگر تم دیکھو کہ جس وقت قیامت کا انکار کرنے والے اللہ کے دربار میں حاضر ہوں گے اس وقت وہ ان سے کہے گا کیا روزِ جزا یعنی آج جس میں تم اب موجود ہو یہ حق نہ تھا؟ وہ کہیں گے ہاں ہمیں ہمارے پروردگار کی قسم حق تھا۔ خدا ان سے کہے گا اب روزِ جزا کے انکار پر عذابِ الٰہی کا مزہ چکھو۔

دوسرا معنی: روزِ جزا کی مالک وفرمانروا خدا ہی کی ذات باری تعالیٰ ہے۔ اس دن لوگوں سے پوچھ گچھ کرے گا۔ حق وعدل کی بنیاد پر ان کے درمیان فیصلے کرے گا اور کسی پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا۔ اسی لئے روزِ جزا کو یوم الحق بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

اَلْمُلْكُ یَوْمَىٕذِ ﹰالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ یَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا ﴿۲۶﴾ [2]

یعنی روزِ قیامت کی حاکمیت مطلق اور فرمانروائی خداوند رحمن ہی سے مختص ہے اور وہ دن کافروں کے لئے بہت سخت اور جانکاہ ہوگا۔

قرآن مزید فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۠ ﴿۲۰﴾ [3]

خداوند متعال روزِ قیامت حق وعدل کے ساتھ حکم کرے گا اور وہ معبود جو مشرکین نے اختیار کر رکھے ہیں وہ کسی قضاوت پر قادر نہ ہوں گے چہ جائیکہ اس خدا کے شریک ہوں کہ جو سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ

---

[1] الانعام۔ ۳۰

[2] الفرقان۔ ۲۶

[3] المؤمن ۲۰

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝۶۹ [۱]

زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہوگی۔ نامۂ اعمال اپنی اپنی جگہ پر قرار پائیں گے۔ انبیاء اور شہداء عدلِ الٰہی کے سامنے حاضر ہوں گے ان کے درمیان حق وعدل سے فیصلہ کیا جائے گا اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

ظلم یا علامتِ عجز

ذات مقدس باری تعالیٰ کے لئے دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں کسی قسم کا ظلم و جور قابل تصور ہے۔ کیونکہ ظلم عجز کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات عجز وتوانائی سے مبرا اور منزہ ہے۔ حضرت امام سجاد علیہ السلام بارگاہ رب العزت میں عرض کرتے ہیں:

وقد علمت انه ليس فی حكمك ظلم ولا فی نقمتك عجلة وانما يعجل من يخاف الفوت وانما يحتاج الى الظلم الضعيف و قد تعاليت يا الهی عن ذلك علوا كبيرا۔ [۲]

پروردگار! میں جانتا ہوں کہ تیرے حکم میں ظلم وستم ہے نہ تیرے عذاب وپکڑ میں جلدی۔ اپنے کام میں وہ جلدی کرتا ہے جس کو ڈر ہو کہ فرصت کھودے گا اور اس کا مقصد فوت ہو جائے گا اور ظلم وستم کی ضرورت اسے ہے جو ضعیف اور ناتواں ہے۔ بارِالٰہا تیری ذاتِ اقدس ان دونوں سے انتہائی بلند مراتب پر منزہ اور مبرا ہے۔

قرآن مجید میں قیامت کا ایک اور نام ذکر ہوا ہے۔

انسان اور فردی واجتماعی زندگی

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا۝۱۷ [۳]

''یوم الفصل''یعنی پاکیزہ اور غیر پاکیزہ افراد میں جدائی کا دن۔

---

[۱] زمر۔۶۹

[۲] صحیفہ کاملہ دعا نمبر ۴۸

[۳] النباء۔۱۷

اس مطلب کی وضاحت یوں ہے کہ دنیا میں انسان کی زندگی ایک لحاظ سے انفرادی ہے اور دوسرے لحاظ سے اجتماعی ہے۔انفرادی لحاظ سے ہر انسان اپنی زندگی، صحت وسلامتی اور اپنی سعادت کے دیگر عوامل کا خود ذمہ دار ہے۔اسے کوشش کرنی چاہیے کہ وہ اپنے کمال و بلندی کے اسباب کو فراہم کر سکے اور ایسے عوامل سے اجتناب کر سکے جو اس کے انحطاط وزوال کا باعث ہیں۔اجتماعی حوالے سے ہر فرد پیکر اجتماع کے عضو کی مانند ہے اور محیط سے وابستہ ایک جزو ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کے مختلف مادی ومعنوی حالات میں بعض خوش بختیاں اور بدبختیاں، کامیابیاں اور ناکامیاں، سختیاں اور آسانیاں، فتوحات اور شکستیں مختصر یہ کہ افراد کی بعض ترقیاں اور تنزلیاں ان اجتماعی حالات و واقعات سے مربوط ہیں جن میں زندہ گذارتا ہے۔اگر کسی معاشرے کی اکثریت فرض شناسی اور محنتی ہو تو وہ عملی طور پر ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھتی ہے۔عدالت پر استوار اصول وقوانین کی حدود سے تجاوز نہیں کرتی۔اس کے علاوہ اس معاشرے میں انسان دوست اور خیر خواہ افراد لوگوں کی خدمت کے لئے کمر ہمت باندھ سکتے ہیں اور پریشان حال، تنگدست، دردمند، بیمار، فقیر، یتیم اور بوڑھے افراد کے مسائل ومشکلات کو حل کرنے کے لئے پورے خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر کوشش کر سکتے ہیں اور ان محرومیوں کا سہارا بن سکتے ہیں۔ایسے معاشرے کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ تمام معاشروں میں سے اعلیٰ اور انسانیت کا امتیاز ہے۔کہ جس میں عدل وانصاف کی حکومت بھی ہے اور جذبہ انسان دوستی کی بھی۔ایک طرف عام لوگ عدالت اور اس پر مبنی قوانین سے بہرہ مند ہوتے ہیں دوسری طرف کمزور اور ضعیف افراد سے انسانی محبت اور دوستی کا سلوک کیا جاتا ہے۔

اگر کسی معاشرے میں اکثر افراد اجتماعی گناہوں میں آلودہ ہوں وہ حق وفضیلت کی رعایت نہ کریں اور اپنی محافل میں جھوٹ وافتراء، غیبت وتہمت، عیب جوئی، طعن وتشنیع، اہانت ودشنام اور فساد پھیلانے سے گریز نہ کریں تو ایسے معاشرے میں بدگمانی اور سوءظن تیزی کے ساتھ پھیل جاتا ہے، اعتماد واطمینان درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور لوگ ہمیشہ اپنی عزت وآبرو کو خطرے میں دیکھتے ہیں۔

ایسے معاشرے میں ممکن ہے بداخلاق اور لاابالی لوگوں کا ایک گروہ آپس میں مربوط ہو کر معاشرے کے مریض مزاج اور افراد کے درمیان موجود بدگمانی سے سوء استفادہ کریں اور بگاڑ اور تخریب کے راستے کو اپنا لیں لوگوں کے اموال کو غارت کریں اور بدامنی پیدا کریں۔اس صورت حال میں اچھے اور شریف افراد کی قلیل تعداد اگرچہ گناہگاروں کے ہمرکاب نہیں ہوتی لیکن پھر بھی ان کی طرح مصیبت میں مبتلا ہوتی ہے وہ بھی معاشرے میں لگی ہوئی آگ میں جلتی ہے اور جس عذاب کی لپیٹ میں پورا معاشرہ آیا ہوا ہوتا ہے وہ اس سے تکلیف اٹھاتی ہے اور یہ بات اجتماعی زندگی اور اس کے اعضاء باہم پیوست ہونے کا لازمہ ہے۔قرآن مجید نے اس بارے میں فرمایا ہے:

معاشرہ اور ہمہ گیر بلائیں

وَاتَّقُوۡا فِتۡنَةً لَّا تُصِيۡبَنَّ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡكُمۡ خَآصَّةً ۚ [1]

ایسے فتنے اور بلاء سے بچو جب وہ آتا ہے تو صرف ظالموں کو اپنی گرفت میں نہیں لیتا بلکہ خشک وتر اور نیک وبد کو ایک ساتھ اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور ان کو عذاب پہنچاتا ہے۔

انسان کے لئے اجتماعی زندگی ایک اجتناب ناپذیر ضرورت ہے اپنے کمال تک پہنچنے اور مادی ومعنوی بلند مقامات کو حاصل کرنے کے لئے انسانون کو چاہیے کہ وہ اجتماعی زندگی گذاریں اور مل کر جدوجہد کریں۔ حیات انسانی میں لوگ ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ وہ طبیعی جبر کے ہاتھوں مجبور ہیں کہ اپنے کاموں کو تقسیم کریں اور ہر گروہ کچھ کاموں کو اپنے ذمہ لے تاکہ زندگی کی گاڑی کو باہم کوشش کے ساتھ چلاسکیں اور یوں ایک دوسرے کے تعاون سے اپنی روحانی اور جسمانی ضروریات کو پورا کریں۔

اشرارِ خلق سے بے نیازی

ایک شخص نے امام محمد باقر علیہ السلام کے حضور میں دعا کی کہ میرے اللہ مجھے تمام مخلوق سے بے نیاز کردے امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

لا تقل هكذا ولكن قل اللهم اغننا عن شرار خلقك فان المؤمن لا يستغني عن اخيه۔ [2]

اس طرح دعا نہ کرو بلکہ کہو کہ میرے اللہ مجھے مخلوق کے اشرار سے بے نیاز فرما کیونکہ ایک مومن اپنے دینی بھائی سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

امام صادق علیہ السلام کے دوستوں میں ایک شخص آپ کی خدمت میں شرفیاب ہوا اور اپنی خصوصی حالت کے بارے میں کچھ عرض کیا اور پھر کہا:

جعلت فداك ادع الله لي ان تغنيني عن خلقه قال ان الله قسم رزق م شاء على يدي من شاء ولكن سل الله ان يغنيك عن الحاجة التي تضطرك الى

[1] الانفال ۲۵

[2] تحف العقول۔ص ۲۹۳

لئام خلقه۔ [1]

میں آپ پر قربان جاؤں میرے لئے خدا سے دعا کریں کہ وہ مجھے اپنی مخلوق سے بے نیاز کر دے۔ آپؑ نے اس سے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے رزق کی تقسیم میں بعض کا رزق بعض دوسروں کے ہاتھوں میں قرار دیا ہے لہٰذا تم خدا سے چاہو یہ کہ وہ تمہیں اضطراری حاجتوں اور قطعی ضروریات میں پست اور گھٹیا افراد کا محتاج نہ کرے۔

ایک سالم معاشرہ تشکیل دینے اور اجتماعی زندگی کے فوائد سے بہرہ مند ہونے اور اس کے نقصانات سے محفوظ رہنے کے لئے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ہمت اور کوشش کو بروئے کار لائیں تا کہ عدل وانصاف کو ہمیشہ تمام لوگوں کے ساتھ فعال رکھ سکیں اور عملی طور پر اسے زندگی کے تمام شعبوں پر لاگو کر سکیں۔

دوست و دشمن کے ساتھ عدل کا برتاؤ

اسلام کے مقدس آئین میں اسی لئے تمام مسلمانوں کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ تمام لوگوں کے ساتھ عملی اور زبانی طور پر عدل وانصاف سے پیش آئیں اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اس مقدس اصول کو اپنے دشمنوں کے بارے میں بھی خیال رکھیں۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

ولا يجرمنكم شنأن قوم على الا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوى [2]

کسی قوم وملت سے تمہارا کینہ و دشمنی تمہیں اس بات پر نہ اکسائے کہ تم ان کے بارے میں عدل و انصاف کو ترک کر دو تم ہرگز ایسا نہ کرو اور تمام لوگوں سے حتیٰ اپنے دشمنوں سے بھی عدل وانصاف کا سلوک کرو۔ اور یہ انداز تقویٰ سے ہم آہنگ ہے۔

اسلام نے اخلاقی حقوق کے لحاظ سے مومنین کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔ یہ اس بات کا اظہار ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے روحانی ہمبستگی کے اعتبار سے ایک انسان کے جسم کی طرح زندگی گزاریں اس انداز سے کہ جیسے ایک عضو میں درد و تکلیف دوسرے اعضاء جسم پر اثر ڈالتی ہے۔

ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

---

[1] کافی، ج۲ ص۲۶۶

[2] المائدہ۔۸

المومن اخو المومن کالجسد الواحد ان اشتکی شیئاً منه وجد الم ذلك فی سائر جسده۔ [1]

ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے جیسے ایک جسم کہ اگر اس کا کوئی عضو بیمار پڑ جائے تو سارے جسم میں اس کا درد اور بے چینی محسوس کی جاتی ہے۔

مسلم معاشرے میں عدل وانصاف کی حکمرانی کو برقرار رکھنے کے لئے اور اس کو خود غرض اور ہوائے نفس کے پیرو افراد کی قانون شکنی سے بچانے کے لئے اسلامی قانون بنانے والے نے اجتماعی نظارت کے طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو لوگوں کے لئے دینی فریضہ قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو شرعی واجب کے وسیلے سے ذمہ دار بنایا ہے کہ وہ ہمیشہ قوانین کے اجراء پر بہترین نگران کے فرائض انجام دیں۔ اگر کوئی قوانین کی سرحد سے تجاوز کر لے یا حدودِ الٰہی کو پامال کرے تو سب لوگ ذمہ دار ہیں کہ اسے اس ناجائز عمل سے روکیں ورنہ پورا معاشرہ تباہی وہلاکت کے دہانے پر پہنچ سکتا ہے۔

نبی اکرمؐ نے اس حقیقت کو ایک واضح اور دلنشین تشبیہ کی صورت میں بیان فرمایا ہے:

ان قوما رکبوا سفینة فی البحر واقسموا فصار کل واحد منهم موضعه فنقر رجل موضعه بفاس فقالوا ما تصنع ؛ قال هو مکانی اصنع به ما شئت فان اخذوا علی یدیه نجاو نجوا وان لم یأخذوا علی یدیه هلك و هلکوا۔ [2]

گناہگاروں سے جنگ

یعنی کچھ لوگ کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور سمندر میں سفر کا آغاز کرتے ہیں وہ کشتی میں جگہ کو اپنے درمیان کر لیتے ہیں اور ہر شخص اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا ہے۔ ان میں سے ایک شخص اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے کشتی میں سوراخ کرنا شروع کر دیتا ہے اس سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا کر رہے ہو؟ وہ جواب دیتا ہے کہ یہ میری اپنی جگہ ہے میں یہاں جو چاہوں کروں۔ اگر اہلِ کشتی اس کے ہاتھ کو پکڑ لیں اور اسے اس خطرناک کام سے روک دیں تو نہ صرف وہ بلکہ سب اہل کشتی بچ جائیں گے اور اگر اسے نہ روکیں اور آزاد چھوڑ دیں تو وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔

---

[1] کافی، ج۲، ص۱۶۶

[2] مجموعہ ورام، ج۲ ص ۲۹۴

وہ لوگ جو معاشرے میں گناہوں کو دیکھتے ہیں گناہگاروں کے قریب سے خاموشی سے گذر جاتے ہیں ان پر اعتراض نہیں کرتے تو وہ اپنے سکوت کی وجہ سے سزا کے مستحق ہوں گے۔ اگر گناہوں کے باعث کوئی بلا و مصیبت معاشرے پر آن پڑے تو وہ لوگ بھی اس میں مبتلا ہوں گے۔ جیسا کہ کشتی کے مسافرین اس بے وقوف شخص کے بارے میں خاموشی اختیار کریں جب پانی کشتی میں داخل ہوجائے گا تو صرف نادان گناہگار غرق نہیں ہوگا بلکہ تمام اہلِ کشتی سمندر کی لہروں کی نذر ہوجائیں گے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اوحی الله تعالیٰ الی شعیب النبی: انی معذب من قومك مائة الف اربعین الفا من شرارهم وستین الفا من خیارهم فقال یا رب هولاء الاشرار فما بال الاخیار؟ فاوحی الله عزوجل الیه واهنوا اهل المعاصی فلم یغضبوا لغضبی۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے شعیبؑ نبی کو وحی کی کہ تمہاری قوم کے ایک لاکھ افراد پر عذاب نازل کروں گا ان میں سے چالیس ہزار برے لوگ ہیں اور ساٹھ ہزار اچھے افراد ہیں۔ شعیبؑ نے کہا میرے پالنے والے برے لوگ تو عذاب کے مستحق ہیں لیکن نیک افراد کو کیوں عذاب میں مبتلا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ نیک افراد گناہگاروں سے نرمی برتتے ہیں اور ان سے اچھا سلوک روا رکھتے ہیں ان پر اعتراض نہیں کرتے اور جو نفرت میں گناہ اور گناہ کاروں سے رکھتا ہوں وہ اس نفرت کا اظہار نہیں کرتے۔

پاکیزہ افراد کا غیر پاکیزہ سے جدائی کا دن

ان تمام باتوں کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس دنیا میں انفرادی نفع و نقصان کے علاوہ اجتماعی فائدہ اور ضرر بھی موجود ہے۔ اس عالم میں انسان کے نصیب ہونے والی برکات و خیرات اور شرور نقصانات میں سے بعض اس کے معاشرے سے ارتباط اور وابستگی کی وجہ سے ہیں اور یہ اس کے انفرادی پہلو سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ البتہ قیامت میں ایسی بات نہیں ہوگی اور اس طرح کے فائدے اور نقصانات لوگوں کو پیش نہیں آئیں گے۔ کیونکہ وہ دن ''یوم الفصل'' ہے یعنی نیک افراد کا برے افراد سے پاکیزہ

[1] مشکوۃ الانوار، ص ۵۱

کا غیر پاکیزہ اور گناہگاروں کا پرہیزگاروں سے جدائی کا دن ہے۔اس دن گناہ آلودہ افراد کو حکم ہوگا۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۝۵۹ [۱]

اے گناہگارو، پاکیزہ افراد میں نہ مل جاؤ اپنے آپ کو ان کی صفوں سے جدا کرلو۔

قیامت میں نیک لوگوں کی جزاء اور برے لوگوں کی سزا ان کے انفرادی کاموں اور کردار کی اساس پر ہوگی اور کسی کو بھی دوسرے کے ناجائز عمل کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جائے گا۔ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ [۲]

کوئی بھی شخص کسی دوسرے کا بوجھ اور گناہ نہیں اٹھائے گا۔

انفرادی سود وزیاں

خلاصہ یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کا سود وزیاں دو قسم کا ہے۔ایک قسم کی وہ خیرات اور شرور ہیں جو انسان کو پہنچتے ہیں اور اس کے اپنے عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔دوسری قسم ان برکات اور شرور کی ہے جو انسان پر معاشرے کی طرف سے پہنچتے ہیں۔لیکن قیامت روز فصل ہے۔لوگ ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں گے۔اجتماعی نفع اور نقصان ختم ہوجائے گا۔ہر شخص تنہا خدا کے سامنے حساب کے لئے پیش ہوگا اور فقط اپنے اعمال کی جزا و سزا پائے گا۔ارشادِ خداوندی ہے:

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا۝۹۵ [۳]

قیامت میں محشور ہونے والے تمام لوگ ایک ایک کرکے دربارِ الٰہی میں پیش ہوں گے۔

قرآن حکیم میں قیامت کا ایک اور نام "یوم تبلی السرائر" ذکر ہوا ہے۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَاۗىِٕرُ۝۹ۙ [۴]

یعنی وہ دن جب پنہاں راز آشکار ہوجائیں گے۔

تفسیر مجمع البیان میں آیا ہے کہ والسرائر ما سرہ من خیرا و شر وما اضمرہ من ایمان او کفر۔
سرائر خیر و شر یا ایمان و کفر کی وہ چیزیں ہیں جنہیں انسان پنہاں رکھتا ہے۔

---

[۱] یٰسین۔۵۹

[۲] الفاطر۔۱۸

[۳] مریم۔۹۵

[۴] الطارق۔۹

رازوں کا عیاں ہونا

تفسیر مجمع البیان میں ہی ایک روایت عبداللہ بن عمر سے نقل کی گئی ہے کہ اس نے کہا ہے:

یبدی اللہ یوم القیمۃ کل سر و یکون زیناً فی الوجوہ وشیناً فی الوجوہ۔ [1]

اللہ قیامت کے روز تمام اسرار کو ظاہر کر دے گا اور یہ ظاہر شدہ اسرار نیک لوگوں کے چہروں پر باعث زینت و جمال ہوں گے اور برے لوگوں کے چہرے پر بدنما داغ ہوں گے۔

یَّوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوۡهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوۡهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ۝۱۰۶ [2]

قیامت ایسا دن ہے جس میں سفید چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور سیاہ چہرے والے آگ میں ڈالے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کیا تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا؟ اب اپنے کفر کے عذاب کا مزہ چکھو۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

هم اهل البدع والاهواء والاراء الباطلة من هذه الامه۔ [3]

امت اسلامی کا وہ گروہ جس نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا وہ ہے جو بدعتوں، ہوائے نفس اور باطل آراء و نظریات کی پیروی کرتا ہے۔

سیاہ چہروں والے

ارشادِ خداوندی ہے:

وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيۡنَ كَذَبُوۡا عَلَى اللّٰهِ وُجُوۡهُهُمۡ مُّسۡوَدَّةٌ ؕ [4]

قیامت کے دن آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے جو خدا پر جھوٹ باندھتے تھے اور دینِ الٰہی کے بارے

---

[1] تفسیر مجمع البیان، ج۱۰، ص۴۷۲

[2] آل عمران۔۱۰۶

[3] تفسیر صافی۔ص۹۸

[4] الزمر۔۶۰

میں جھوٹی باتیں کرتے تھے ان کے چہرے سیاہ اور تاریک ہوں گے۔

شاداب چہرے

پھر ارشاد ہوتا ہے:

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝۱۰۷ [۱]

لیکن وہ اشخاص جن کے چہرے روشن اور سفید ہوں گے وہ خدا کی بے پناہ رحمت کے سایے میں ہوں گے اور ہمیشہ کے لئے اللہ کی یہ وسیع رحمت ان کے شامل حال رہے گی۔ ارشاد رب العزت ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ۝۲۲ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۝۲۳ [۲]

قیامت میں ایسے افراد محشور ہوں گے جن کے چہرے شاداب اور روشن ہوں گے اور وہ رحمت الٰہی کے انتظار میں ہوں گے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا ہے:

يعنى مشرقة ثواب ربها۔ [۳]

ان لوگوں کے چہرے قیامت میں درخشاں ہوں گے اور یہ جزاالٰہی کے منتظر ہوں گے۔

قرآن فرماتا ہے:

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ۝۲۴ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ۝۲۵ [۴]

اور کچھ افراد میدانِ قیامت میں داخل ہوں گے ان کے چہرے انتہائی مرجھائے ہوئے اور اداس ہوں گے اور وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ان پر ایسی سخت اور سنگین مصیبت پڑنے والی ہے کہ جو ان کی کمر توڑ دے گی۔

قرآن فرماتا ہے:

---

[۱] آل عمران۔ ۱۰۷

[۲] القیامۃ۔ ۲۲، ۲۳

[۳] تفسیر صافی۔ ص ۵۵۱

[۴] القیامۃ ۲۴، ۲۵

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ [1]

قیامت کے دن بہت سے چہرے چمکتے ہوئے ہوں گے اور فضلِ الٰہی کے انتظار میں خنداں و شاداں ہوں گے۔

گنگاہگاروں کے چہرے

قرآن یہ بھی فرماتا ہے:

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ [2]

اور اس دن ایسے چہرے بھی دیکھیں جائیں گے جن پر گرد پڑی ہوگی اور ظلمت و سیاہی نے ان کو چھپا رکھا ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اپنی عمریں کفر اور گناہ کے ساتھ گزاری ہوں گی۔

ایک اور مقام پر قرآن فرماتا ہے؛

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ [3]

عرصۂ محشر میں مجرم لوگ اپنے گناہ آلودہ چہروں سے پہچانے جائیں گے اور لوگ ان کے ظاہر کو دیکھ کر ان کے باطن کو جان جائیں گے۔

قرآن ارشاد فرماتا ہے:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ [4]

اس دن تم مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو دیکھو گے کہ نور ان کے آگے سے اور دائیں ہاتھ سے جس میں نامۂ عمل ہوگا چھٹ رہا ہوگا اور فرشتے ان کو جاویدانی بہشت کی بشارت دیں گے۔ جو کہ

---

[1] عبس۔ ۳۸،۳۹

[2] عبس۔ ۴۰،۴۱،۴۲

[3] الرحمن۔ ۴۱

[4] الحدید ۱۲

بہت بڑی کامیابی ہے۔

مختصر یہ کہ قیامت میں لوگوں کے اسرار پردے سے نکل آئیں گے۔ چھپے ہوئے راز آشکار ہوجائیں گے پاکیزگی اور پلیدی نیک اور برے افراد کے چہروں سے عیاں ہوگی اور یہ بات اپنے مقام پر دنیا اور آخرت کے تکوینی قوانین میں موجود واضح تفاوت میں سے ایک ہے۔

اچھے اور برے لوگوں کے رخسار

دنیا میں لوگوں کی اچھی اور بری نیتیں اور صفات ان کے اندر چھپی ہوئی ہیں اس لحاظ سے برے اچھے اور نیک و بد سب ایک معاشرے کے اعضاء ہیں اور ظاہراً ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نہ تو نیک لوگوں کی پاکیزگی اور اچھائی ان کے چہروں سے پڑھی جاتی ہے اور نہ ہی گناہگاروں کے چہروں سے ان کے گناہ اور برائی۔لیکن قیامت میں سب راز عیاں اور چھپی ہوئی چیزیں ظاہر ہوجائیں گی، اچھے اور برے لوگ دو متفاوت چہروں کے ساتھ محشور ہوں گے اور لوگ پہلی ہی نظر میں ایک دوسرے کی اندرونی حالت کو جان جائیں گے اور ایک دوسرے کے باطن کی پاکیزگی یا پلیدی سے آگاہ ہوجائیں گے اور یہ مطلب قرآن شریف میں متعدد مقامات پر مختلف پیرائے میں بیان ہوا ہے۔ان میں ایک یہ ہے:

اَفَلَا یَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِی الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوۡرِ ﴿ۙ۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمۡ بِهِمۡ یَوۡمَئِذٍ لَّخَبِیۡرٌ ﴿۱۱﴾ [1]

کیا انسان نہیں جانتا جب قبروں کی خاک الٹ پلٹ کیا جائے گا اور مردے اٹھائے جائیں گے اور لوگوں کے دلوں میں پنہاں راز باہر آئیں گے جیسے چھلکے کے اندر سے کوئی میوہ باہر آجاتا ہے۔اس دن آگاہ اور خبیر خدا انہیں ان کے اعمال کی جزا دے گا۔

اسی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے ''یوم تبلی السرائر'' کو قیامت کے اسماء میں سے قرار دیا ہے۔کیونکہ اس دن چھپے ہوئے راز عیاں اور پنہاں اسرار آشکار ہوں گے۔

روزِ حسرت

قیامت کا ایک اور نام ''یوم الحسر ۃ'' قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے:

---

[1] العادیات۔۹،۱۰،۱۱

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ[1]

یعنی جس دن لوگ گذری ہوئی زندگی اور کھوجانے والی موقع پر افسوس کریں گے۔

بہت سے انسان جب میدان قیامت میں قدم رکھیں گے تو وہ آخرت کی وحشت ناک حالت کو دیکھیں گے اور وہ اس حقیقت سے آگاہ ہوں گے کہ انہوں نے دنیا کی زندگانی کو غفلت اور سستی میں گنوادیا نہ صرف انہوں نے زندگی سے فائدہ حاصل نہیں کیا بلکہ اس گراں قدر اور اعلیٰ سرمائے کو نقصان دہ اور فضول راہوں پر خرچ کیا اور آج کے دن کے لئے وبال، بوجھ اور پلیدی و گناہ کے علاوہ کچھ حاصل نہ کیا۔ اس طاقت فرسا دن اس جانکا صورتِ حال کی طرف تو جہ ان کو سخت افسردہ کردے گی۔ ایسی افسردگی جو بہت دردناک اور نا قابلِ تلافی ہے۔

دردناک افسوس

ارشاد ہوتا ہے:

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴿۳۹﴾[2]

گناہگاروں کو حسرت کے دن سے ڈراؤ جس وقت حسابِ قیامت ہوگا اور جزا وسزا الٰہی قطعی ہوجائے گی یہ لوگ اس لحاظ سے آخرت میں بدبخت و بیچارے ہیں کہ انہوں نے دنیا کو غفلت اور بے ایمانی میں گذارا ہے۔

قیامت میں گناہگاروں روحانی کیفیت اور ان کی حسرت کے سبب کو کسی حد تک واضح کرنے کے لئے اس موضوع پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔

کھیتی آخرت

الدنيا مزرعة الاخرة۔

یہ مشہور جملہ نبی اکرمؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

---

[1] مریم۔۳۹

[2] مریم۔۳۹

والعمل الصالح حرث الاخرة۔ [1]

عمل صالح آخرت کا بیج ہے۔

اگر چند کسان ایک دیہات میں اکٹھے زندگی گذارتے ہیں اور دن رات سب کے لئے یکساں ہیں اسی طرح زمین، پانی، آلات اور بیج کے لحاظ سے بھی وہ آپس میں مساوی ہیں۔ البتہ ان میں بعض موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے وقت پر زمین میں ہل چلاتے ہیں، بیج ڈالتے ہیں اور ضروری اقدامات انجام دیتے ہیں جب کہ بعض دوسرے اپنی عمر کو ضائع کرتے ہیں۔ زمین اور پانی کو بروئے کار نہیں لاتے۔ اور سودمند موقع کو گنوا دیتے ہیں۔ کسانوں کی ان دو قسموں میں فرق فصل اٹھانے کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔

عمر کی بربادی

جنہوں نے برموقع کام کیا وہ اب اپنی محنت کا پھل پا کر مسرور و شاداں ہوتے ہیں انہوں نے سال بھر کی روزی جمع کر لی ہوتی ہے اور باقی سارا سال مکمل آسائش وسہولت میں گزارتے ہیں اور پورے عزت واحترام میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

جنہوں نے زمین اور پانی کو صحیح استعمال نہ کیا اور اپنی عمر کو برباد کیا وہ سخت نادم اور پشیمان ہوتے ہیں افسردگی اور پریشانی ان کے غمناک چہروں سے عیاں ہوتی ہے۔ وہ خالی ہاتھ اور شرم کے مارے ہوتے ہیں۔ انہیں سرتاپا یاس وناامیدی نے گھیر رکھا ہوتا ہے۔ اسی مثال کو شعر میں بیان کیا گیا ہے

آنکہ دانہ نفشاند بزستان در خاک
نا امیدی بود از دخل بہ تابستانش

فرصتِ دنیا سے فائدہ اٹھانا

قیامت جو کہ ایام عمر کی فصل اٹھانے کا دن ہے اس میں ایماندار اور بے ایمان لوگوں کی صورت حال ابھی اسی طرح ہوگی۔ ایماندار اور نیک لوگ اس لحاظ سے کہ انہوں نے دنیا میں موقع کو غنیمت سمجھا اور صالح اعمال کے ذریعے سے سعادت کا بیج کاشت کیا آج وہ اس کا پھل ملنے پر شاداور مسرور ہیں۔ لیکن بے ایمان لوگوں نے زندگی غفلت میں گذار دی اور اپنی عمر کو برے اخلاق واعمال کے ساتھ بسر کیا۔ اور آج کے دن اپنے لئے مصیبت و بدبختی کے علاوہ کچھ حاصل نہ کیا وہ سخت اندوہگین اور افسردہ ہوں گے اور اپنے برباد ماضی پر افسوس کا اظہار کریں گے۔ قرآن میں ارشادِ الٰہی ہے:

---

[1] نہج البلاغہ۔ خطبہ ۲۳

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ [1]

بے شک منکرین قیامت اپنے انکار سے نقصان اٹھائیں گے یہاں تک کہ اچانک قیامت آن پہنچے گی وہ اس وقت کہیں گے وائے ہو ہم پر کہ ہم نے دنیا میں کوتاہی کی اور اپنے فرائض پر عمل نہ کیا۔ یہ لوگ اس دن اپنے برے اعمال کا بوجھ کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے اور یہ کتنا برا بوجھ ان کے دوش پر ہے۔

قابلِ توجہ نکتہ

یہ بات قابل توجہ ہے کہ قیامت میں ایک بے ایمان اور گناہگار شخص کا افسوس اور پریشانی غافل کسان کے افسوس اور پریشان سے قابل موازنہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کسان نے فرائض سے غفلت کی وجہ سے اپنے آپ کو صرف ایک سال کی زرعی آمدنی سے محروم کیا اور صرف ایک فصل کا حاصل اسے موصول نہ ہوا جب کہ زمین اور پانی اسی طرح اس کے اختیار میں ہے وہ آئندہ سال اور باقی سالوں میں موقع سے استفادہ کر کے اپنے فرائض کو مکمل طور پر بروقت ادا کر کے زمین اور پانی سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔لیکن جو مر جاتا ہے وہ اس دنیا جو کہ دارِ عمل اور آخرت کی کھیتی ہے، سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاتا ہے درحقیقت موت کے آنے سے عمل کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور آخرت کی کھیتی مکمل طور پر برباد ہو جاتی ہے۔ واضح ہے کہ ایسے انسان کی قیامت میں حسرت اور افسردگی دنیا میں غافل کسان سے زیادہ شدید اور سخت ہوگی۔

جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ قیامت میں افسوس اور پشیمانی کسی خاص گروہ میں منحصر نہیں ہے بلکہ اچھے برے سب لوگ کم و بیش اس روحانی حالت میں مبتلا ہوں گے۔

بے فائدہ ندامت

رسولِ اکرمؐ نے فرمایا:

ما من مخلوق یوم القیامة الا ویندم ولکن لا ینفعه الندامة فاما

---

[1] الانعام ۳۱

السعید اذا رأی الجنة وما اللہ فیھا لاولیائه المتقین یندم حیث لا عمل له مثل عملھم وان کان من الاشقیاء اذا رأی النار وزفیرھا وما اعد اللہ فیھا من العذاب الالیم صرخ وندم حیث لم یکن اقلع عن ذنوبه ومعاصیه لیسلم مما ھو فیه۔ [1]

قیامت کے دن کوئی مخلوق ایسی نہیں ہوگی جو نادم و پشیمان نہ ہو لیکن اس ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ سعادت مند شخص جب بہشت اور نعمتوں کو دیکھے گا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی اولیاء کے لئے آمادہ کی ہونگی تو وہ اس لحاظ سے پشیمان ہوگا کہ وہ ان اولیاء جیسا عمل نہیں رکھتا ہوگا اور جو شخص شقی و بد بخت ہوگا جب وہ دوزخ کا مشاہدہ کرے گا اور اس کی وحشت ناک آواز سنے گا اور یہ دیکھے گا کہ خداوند نے برے لوگوں کے لئے کیا کیا عذاب تیار کئے ہیں تو وہ نالہ وفریاد کرے گا اور اس پر پشیمان ہوگا کہ اس نے دنیا میں اپنے دامن سے گناہوں کو کیوں نہ پاک کیا کہ آج وہ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہتا۔

قیامت میں عمومی حسرت سے ہٹ کر بعض افراد ایک مخصوص جہت سے یاس وحسرت سے دوچار ہوں گے اور یہ بات بعض آیات اور احادیث میں ذکر ہوئی ہے۔

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

ان اشد الناس حسرة یوم القیمة الذین وصفوا العدل ثم خالفوہ وھو قوله عزوجل "ان تقول نفس یا حسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ۔ سورہ الزمر آیت ۵۶" [2]

قیامت میں شدید ترین حسرت اور افسوس ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے لوگوں کے لئے عدل و انصاف کا پرچار کیا لیکن خود اس کے خلاف عمل کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ایسا شخص قیامت میں کہے گا۔ ہائے افسوس کہ میں نے خدا کے حق اور اس کی اطاعت میں کوتاہی کی ہے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام درج ذیل آیت "کذلك یریھم اللہ اعمالھم حسرات علیھم البقرہ

---

[1] لئالی الاخبار، ص ۴۶۹

[2] تفسیر صافی، ص ۴۶۸

۱۶۷''میں مذکورہ لوگوں کی حسرت وافسوس کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

هو الرجل یکتسب المال ولا یعمل فیه خیرا فیرثه من یعمل فیه عملا صالحا فیری الاول ما کسبه حسرة فی میزان غیره۔ [۱]

وہ ایسا شخص ہے جس نے دنیا میں مال کمایا لیکن اس سے کوئی صالح عمل انجام نہ دیا لیکن وہ مال ایک ایسے شخص نے ارث میں پایا جو اہلِ خیر تھا اور اس نے نیک کام انجام دیئے۔ پہلا مالک جب حساب کے دن اپنے مال کو اپنے وارث کے میزانِ عمل میں خیر کی صورت میں دیکھے گا تو وہ سخت حسرت وافسوس کا شکار ہوگا۔

شدید ترین افسوس

یہ بات ان کہی نہ رہ جائے کہ سنی اور شیعہ طریقوں سے آنے والی روایات میں اس بات کا ذکر ہوا کہ قیامت میں اس وقت گناہگاروں اور کافروں کا افسوس اور پشیمانی اپنی اوج پر پہنچ جائے گی جب یہ اعلان کیا جائے کہ ان کا عذاب دائمی وابدی ہے اور اس کے بعد موت ہی نہیں ہوگی کہ یہ لوگ مر جائیں اور اس دردناک اور مصیبت بھری زندگی سے جان چھڑا لیں۔

ابن جریر نے ابن عباس سے آیت ''انذرهم یوم الحسرة'' کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: کہ

یصور الله الموت فی صورة کبش املح فیذبح فیئس اهل النار من الموت فیما یرجونه فتأخذهم الحسرة من اجل الخلود فی النار۔ [۲]

قیامت میں موت حکم الٰہی سے ایک خوبصورت گوسفند کی صورت میں مجسم ہوگی اور ذبح کر دی جائے گی اس کے بعد اہلِ عذاب مرنے سے مایوس ہو جائیں گے اور ہمیشہ جہنم میں رہنے کی فکر ان کو گھرے افسوس میں مبتلا کر دے گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

---

[۱] تفسیر مجمع البیان۔ج ۱۲،۲، ص ۲۵۱

[۲] الدر المنثور ج ۴ ص ۲۷۲

يوم الحسرة يوم يأتي بالموت فيذبح۔ [1]

روزِ حسرت وہ دن ہے جس دن موت کو لا کر ذبح کریں گے یعنی دوزخیوں کا عذاب ابدی ہو جائے گا۔

قرآن مجید میں ہے کہ:

ويوم يعض الظالم على يديه۔

یعنی قیامت کے دن ظالم لوگ ندامت کے مارے اپنے ہاتھوں کو چبائیں گے۔

روزِ حسرت و ندامت

قیامت کچھ افراد کے لئے روزِ حسرت ہے اور کچھ افراد کے لئے روزِ ندامت۔ مذکورہ تشریح کے مطابق حسرت ان لوگوں کے لئے ہوگی جو دنیا میں اپنی فکر کو بروئے کار لا سکتے تھے اللہ کے رسولوں کی باتوں پر غور کر سکتے تھے اور دینِ الٰہی کو اپنا سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ زندگی کے ایام کو غفلت میں گذار دیا اور آخرکار بے ایمان اس دنیا سے چلے گئے۔ ایسے لوگوں کے لئے قیامت تاسف اور حسرت کا دن ہے۔ اس دن وہ اپنی دنیاوی زندگی کی اہمیت سے واقف ہوں گے اور اس لحاظ سے قیمتی موقع گنوا بیٹھے ہیں افسوس کا اظہار کریں گے۔ البتہ پشیمان گروہ کی مصیبتِ ندامت غمِ حسرت سے کہیں زیادہ دردناک ہوگی۔ کیونکہ اس گروہ نے انبیاء کی باتوں پر کان دھرا اور ان کی دعوت کو قبول کیا اور دینِ الٰہی کو اپنایا لیکن برے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے اور شیطانی وسوسوں پر عمل کرنے سے حق کے راستے سے منحرف ہو کر دینِ الٰہی کو ترک کر دیا اور دوبارہ اپنے آپ کو کفر و شرک کی آغوش میں ڈال دیا۔ قرآن شریف نے اس قسم کے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾
يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ
وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾ [2]

یعنی ظالم شخص قیامت میں شدت پشیمانی سے اپنے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹے گا اور کہے گا: اے کاش! میں نبی کی راہِ ہدایت کو جاری رکھتا۔ وائے ہو مجھ پر! کاش میں فلاں سے دوستی نہ کرتا وہ مجھے گمراہ کرنے والا تھا اس نے مجھے انحراف کے راستے پر لگا دیا جب کہ میرے دل میں یادِ خدا آتی ہے اور وسوسے

---

[1] تفسیر صافی۔ ص ۳۳۸

[2] الفرقان۔ ۲۷، ۲۸، ۲۹۔

سے پیدا کرنے والا شیطان انسان کے لئے بے چارگی کا باعث ہے۔

برے ساتھی کا خطرہ

ایمان افراد بالخصوص جوان نسل ہمیشہ اپنا خیال رکھے برے اور گمراہ افراد کی صحبت اور دوستی سے دوری اختیار کرے تا کہ ان کے فریب میں نہ آئے اور اپنے ایمان کے سرمائے کو ضائع نہ کرے۔ یہ شیطان صفت افراد اپنی پر فریب باتوں اور گمراہ کن تحریروں کے ذریعے سے بڑی آسانی کے ساتھ سادہ دل جوانوں کو دھوکا دے لیتے ہیں ان کے پاکیزہ افکار کو مسموم کر دیتے ہیں اور ان کو اپنے باطل مقاصد کی تکمیل میں استعمال کرتے ہیں۔ ایک طرف یہ پاک فطرت جوان خیال کرتے ہیں کہ یہ گمراہ کنندہ افراد صحیح کہتے ہیں دوسری طرف وہ مسائل دینی کے تجزیہ وتحلیل میں کمزور ہوتے ہیں وہ حق اور باطل سے اور صحیح و غلط کے مابین تمیز نہیں کر سکتے۔ اسی لئے وہ بہت جلدی دھوکا کھا جاتے ہیں اور آسانی سے صراطِ مستقیم سے منحرف ہو جاتے ہیں، گناہ اور فسق میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یوں وہ آہستہ آہستہ خدا کو بھلا دیتے ہیں اور آخر کار ہلاک اور تباہ ہو جاتے ہیں۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٢٧﴾ [1]

قیامت ایسا دن ہے جب باطل پرستوں کا ضرر ونقصان آشکار ہو جائے گا۔

قیامت کا دن جس طرح بعض لوگوں کے لئے افسوس وحسرت کا روز ہے اور بعض دوسروں کے لئے روز ندامت و پشیمانی ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے لئے ضرر ونقصان کا دن ہے جو دنیا میں باطل پرست تھے اور انہوں نے اپنی گراں مایہ زندگی بیہودہ اور فضول کاموں میں گذار دی۔ وہ اشخاص جو فضول باتیں کرتے ہیں اور فضول و باطل کاموں کو انجام دیتے ہیں ممکن ہے وہ باطنی طور پر صاحب ایمان ہوں اور نسبتاً صحیح العمل ہوں لیکن اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے اور دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے لغویات کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ اس بات سے غافل ہیں کہ قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مؤمن کی علامات میں ایک لغو سے دوری ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿٣﴾ [2]

مومنین وہ ہیں جو فضول باتوں اور کاموں سے دوری اختیار کرتے ہیں۔

امام جعفر علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے:

---

[1] الجاثیہ۔ ۲۷

[2] المؤمنون۔ ۳

هو ان یتقول الرجل علیك بالباطل او یأتیك بما لیس فیك فتعرض عنه الله۔ [1]

لغو سے اعراض کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص باطل اور بیہودہ بات تمہارے سامنے کرے یا تمہارے متعلق ایسی بات کہے جو تم میں نہیں ہے تو اس موقع پر خدا کی رضا کی خاطر اس سے منہ پھیر لو۔

لغو سے ہر باطل گفتگو اور ہر بے ہودہ کام مراد ہے جس کا مادی فائدہ ہوتا ہے نہ معنوی۔ وہ لوگ جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمیشہ اس کی یاد میں رہتے ہیں ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنی توانائیوں کو شریعت کے راستوں پر صرف کریں اور ایسے اعمال انجام دیں جو مرضی الٰہی کے مطابق ہوں وہ اپنے ایمان کی بدولت اپنی تمام حرکات وسکنات کی طرف متوجہ رہتے ہیں وہ فضول باتوں کے پیچھے نہیں جاتے اور اپنے دامن کو باطل سے آلودہ نہیں کرتے۔ اس کے برعکس وہ افراد ہیں جنہوں نے خدا کو بھلا دیا ہے اور اس ذاتِ مقدس کے حضور اپنی ذمہ داری ومسئولیت سے غافل ہیں ایسے لوگ اخلاقی انحراف کا شکار ہو جاتے ہیں اور لغو گفتگو اور باطل کردار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

کل قول لیس فیه ذکر فهو لغو۔ [2]

ہر وہ بات جس میں ذکر خدا نہ ہو لغو اور بے ہودہ ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا ہے: مدینہ میں ایک شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے لغو اور بے ہودہ کام کرتا تھا۔ امام سجاد علیہ السلام کبھی کبھار راستے میں اس کے نزدیک سے گذرا کرتے تھے اور اس کے عمل سے بے اعتنائی کرتے تھے اور بغیر مسکرائے گذر جاتے تھے اس شخص نے کہا امام سجاد نے مجھے تھکا دیا ہے۔

ایک دن آپؑ راستے سے گذر رہے تھے دو آدمی آپ کے ساتھ تھے اس مسخرے نے آکر پیچھے سے امام کی عبا کو کاندھوں سے کھینچا اور بھاگ گیا۔ امام اعتنا کئے بغیر چلتے رہے دوسرے دو آدمیوں نے اس کا پیچھا کیا اس سے عبا چھین کر امام کے کندھوں پر لا کر ڈال دی۔ آپؑ نے ان سے پوچھا:

من هذا؟ فقالو له هذا رجل بطال یضحك اهل المدینة فقال: قولوا له ان

---

[1] تفسیر مجمع البیان۔ ج ۷، ص ۹۹

[2] تفسیر صافی۔ ص ۳۶۸

اللہ یوما یخسر فیہ المبطلون۔ [1]

وہ شخص کون تھا؟ انہوں نے جواب دیا وہ ایک مسخرہ ہے جو مدینہ کے لوگوں کو ہنستا ہے۔ آپؑ نے فرمایا: اسے کہدو کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن مقرر کیا ہے۔ جس میں باطل پرست اور لغویات بکنے والے اپنے برے اور باطل اعمال کا ضرور نقصان دیکھیں گے جو انہوں نے دنیا میں انجام دیئے ہوں گے۔

قیامت یا پیشی کا دن

قیامت کا ایک اور نام ''یوم التلاق'' قرآن مجید میں آیا ہے:

لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝۱۵ [2]

یعنی اللہ کے رسول لوگوں کو ملاقات اور پیشی کے دن سے ڈرائیں۔

''یوم التلاق'' یعنی پیش ہونے کا دن۔

تمام انبیاء الٰہی کی ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ذمہ داری تھی کہ وہ لوگوں کو اس دن سے آگاہ کریں اور انہیں خطرے سے خبردار کریں۔ ارشاد ہوتا ہے:

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝۱۵ [3]

وہ خدا ہے جو ایماندار افراد کے درجات کو بلند کرتا ہے۔ وہ عرش کا مالک اور اس جہان ہستی کا خالق و فرمانروا ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو قیامت سے ڈرائیں جو ملاقات، اس کے سامنے پیش ہونے اور مختلف گروہوں کے لئے ایک دوسرے کا سامنا کرنے کا دن ہے۔

''یوم التلاق'' یعنی آمنے سامنے ہونے کے دن اور یوم ملاقات کا کیا معنی ہے، اس بارے میں مختلف احتمالی ذکر کئے گئے ہیں۔

---

[1] امالی شیخ صدوق۔ مجلس ۳۹، ص ۱۳۳

[2] المؤمن۔ ۱۵

[3] المؤمن۔ ۱۵

ایک احتمال یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگ فرشتوں کو اپنے سامنے دیکھیں گے کیونکہ دنیا میں فرشتے جو کہ نظامِ کائنات کو چلانے والے اور مدبر ہیں، لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں اور لوگوں کے لئے ان کا مشاہدہ موت کے وقت شروع ہوجاتا ہے لیکن میدان قیامت میں یہ مشاہدہ اور ملاقات بہت زیادہ عمومی اور آشکار ہوگی اور سب اچھے برے لوگ نزدیک سے فرشتوں کو دیکھیں گے۔

اہل آسمان اور زمین کی ملاقات

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ''یوم التلاق'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

یوم یلتقی اهل السماء واهل الارض۔ [1]

قیامت کے دن اہل آسمان اور اہل زمین آپس میں ملاقات کریں گے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ قیامت میں ظالم اور مظلوم، مستضعف اور مستکبر غیبت کرنے والے اور جس کی غیبت کی گئی ہوگی۔ مختصر یہ کہ وہ تمام جنہوں نے کسی نہ کسی طرح دوسروں کے حقوق کو دبایا ہوگا اور وہ تمام جن کا کسی طرح بھی حق پامال ہوا ہوگا ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں گے اس دن حاکم اللہ تعالیٰ ہے اور وہ ذرا برابر ظلم کئے بغیر لوگوں کے بارے میں فیصلہ کرے گا۔ قرآن فرماتا ہے:

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۱۷ [2]

قیامت کے دن ہر کوئی اپنے عمل کی جزا دیکھ لے گا اس دن کی عدالت میں کوئی ظالمانہ اور حق کے خلاف فیصلہ نہیں ہوگا اور اللہ بندوں کا بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

ظالم کا دن یہ مختصر اور فانی دنیا ہے جب کہ یوم مظلوم آخرت کا پائیدار جاوداں دن ہے۔ ظالم اپنے دن میں فاسد و ستمگر عناصر کی مدد سے مظلوم پر ستم کرتا ہے اور اس کے حقوق کو پامال کرتا ہے۔ مظلوم اپنے دن میں ظالم کے سامنے آئے گا اور اللہ تعالیٰ جو کہ عادل و توانا ہے، کی حمایت و مدد کے زیرِ سایہ اپنے حقوق کا اس سے مطالبہ کرے گا۔ قطعاً یہ دو دن برابر نہیں ہیں۔ مولا علی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق:

---

[1] تفسیر صافی۔ ص ۴۷۱

[2] المؤمن۔ ۱۷

قیامت یا یوم مظلوم

یوم المظلوم علی الظالم اشد من یوم الظالم علی المظلوم۔ [1]

مظلوم کا دن ظالم پر، ظالم کے مظلوم پر دن سے کہیں زیادہ سخت اور شدید ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ اس دن لوگ اپنے سامنے مجسم کا مشاہدہ کریں گے اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں انجام دیا ہوگا۔اس کو اپنے سامنے مجسم صورت میں پائیں گے اور اس موضوع پر پچھلی فصل میں سیر حاصل وضاحت کی جا چکی ہے اور اس بارے میں آیات وروایات سے ثبوت پیش کئے جا چکے ہیں۔قرآن مجید کی ایک آیت میں قیامت کے دو اور اسماء ذکر ہوئے ہیں ایک ''یوم الجمع'' اور دوسرا ''یوم التغابن'' ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۭ [2]

جس روز خدا تمہیں اکٹھا کرے گا یوم جمع کے لئے اور وہ روز تغابن ہے۔یعنی جس دن لوگوں پر دنیا میں ان کا انجام دیا ہوا غبن اور ہیر پھیر ظاہر ہوگا۔

تمام انسانوں کے جمع ہونے کا دن

یوم جمع سے مراد آیات اور روایات کی روشنی میں اسلام کے ماننے والوں کے لئے واضح اور روشن ہے اور کسی توضیح اور شرح کی ضرورت نہیں ہے یعنی جس دن اللہ تعالیٰ اولین وآخرین مخلوق کو یکجا زندہ کرے گا اور انہیں ایک جگہ پر جمع کرے گا۔البتہ تغابن کے معنی کی کسی حد تک وضاحت کے لئے اس کے بارے میں مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

اخذ کرنے میں غلطی

غبن دنیاوی معاملات میں خرید وفروش کے موقعہ پر لوگوں کو پیش آتا ہے اور یہ ایک قسم کا فریب اور دھوکا کھانا ہے اس کی وجہ جنس کی پہچان اور شناخت میں غلطی ہے جس کو معاملے کے واقع ہونے کے بعد خریدار یا بیچنے والا سمجھتا ہے اور وہ اپنے غبن سے واقف ہوتا ہے۔

غبن معنوی معاملات میں تفکر سے غفلت اور نفسانی شہوات سے فریب کھانے کا نتیجہ ہے اس کی وجہ انبیاء الٰہی کے

---

[1] نہج البلاغہ۔کلمہ ۲۴

[2] التغابن۔۹

بارے میں نامناسب قصور اور دینی تعلیمات کے سمجھنے میں غلطی کرنا ہے۔قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ دنیاوی معاملات میں نتیجے میں غلطی دنیا میں رونما ہوتی ہے اور اس کا ظاہر ہونا بھی اسی دنیا ہی میں ظاہر ہو جاتی ہے۔دھوکا کھانے والا شخص اسی جہان میں اپنی غلطی کا احساس کر لیتا ہے اور اپنے غبن سے آگاہ ہو جاتا ہے لیکن معنوی معاملات میں معیار کی شناخت میں خطا دنیا ہے لیکن اس کا علم ''یوم التغابن'' یعنی روزِ قیامت کو ہوگا۔وہ دن جب عمل کی ذمہ داری اختتام پذیر ہوگی۔دھوکے کا ازالہ ناممکن ہو جائے گا اور اس سے ہونے والا نقصان ناقابل تلافی ہوگا۔

راغب کہتے ہیں کہ ''یوم التغابن'' کے بارے میں بعض افراد سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا:

تبدوا الاشیاء لھم بخلاف مقادیر ھم فی الدنیا۔ [1]

اس دن اشیاء کی حقیقی قدر و قیمت فریب کھانے والوں پر آشکار ہو جائے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے حقیقی قدر و قیمت کے برخلاف دنیا میں عمل کیا ہے۔

قرآن شریف اور روایات اسلامی میں بطور مکرر دنیا میں لوگوں کے اعمال کو معنوی اور روحانی اور ان کی جزا و سزا کے اعتبار سے دنیا کے بازار میں خرید و فروخت اور ظاہری معاملات سے تشبیہہ دی گئی ہے۔اسی مناسبت سے ان کے اعمال کے متعلق نفع و نقصان اور غبن و مغبون کا ذکر ہوا ہے۔کتابِ الٰہی میں قیامت کو بہت سے افراد کے لئے ''یوم التغابن'' کہا گیا ہے یعنی جس دن وہ اپنے دنیا میں انجام پانے والے معاملات میں غبن اور دھوکے سے واقف ہوں گے۔

معاملہ محشر میں غبن

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ [2]

وہ لوگ جو الٰہی عہد و پیمان اور اپنی قسموں کو دنیا کی ناچیز قیمت کے عوض بیچ دیتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت میں ان سے کلام نہیں کرے گا اور ان پر نظر رحمت نہیں کرے گا اور ان کی تطہیر و تزکیہ نہیں کرے گا ایسے افراد کے لئے دردناک عذاب مقرر کیا گیا ہے۔

---

[1] مفرداتِ راغب (غبن)

[2] آل عمران۔۷۷

ضرر رساں تجارت

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

ولبئس المتجر ان تری الدنیا لنفسك ثمنا ومما لك عند الله عوضا۔ [1]

یہ کتنی بری تجارت ہے کہ اپنے وجود کی قیمت تم یہ دنیا سمجھو اور اپنے بارے میں الٰہی عنایات کو دنیاوی ذخائر کا معاوضہ جانو۔

روزِ آگاہی

وہ لوگ جنہوں نے عہدِ الٰہی کی قدر و قیمت پہچاننے میں خطا کی ہے اور اسے بہت کم قیمت پر فروخت کر دیا ہے اسی طرح وہ لوگ جو اپنی قدر و اہمیت کو نہ سمجھ سکے اور انسانیت کی قیمت یہ فانی دنیا لگائی، وہ افراد جنہوں نے دنیا کے بازار میں اپنے آپ کو ایک گھٹیا جنس اور متاع کے طور پر فروخت کے لئے پیش کیا اور نہایت کم قیمت پر اپنے آپ کو بیچ دیا محشر کے دن جو ''یوم التغابن'' ہے۔ اپنے غبن سے آگاہ ہوں گے۔ وہ اس دن سمجھیں گے کہ انہوں نے دنیا میں اپنی قدر و قیمت نہیں پہچانی اور اپنے آپ کا صحیح اندازہ نہ لگا کر وہ بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں اور اپنے انتہائی قیمتی سرمایہ زندگی کو گناہ اور فسق کے راستے میں تباہ کر بیٹھے ہیں۔

قرآن مجید میں آیا ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ [2]

قیامت ایسا دن ہے جس میں مال اور اولاد کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔

دنیا کشمکش اور مقابلے کا نام ہے لوگ زندگی کے حوادث اور امور میں اپنے جائز مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرتے ہیں تا کہ وہ ایک طاقت حاصل کر لیں اور اس سے اپنے راستے کی مشکلات اور رکاوٹیں دور کر سکیں اور اپنے مطلوبہ اہداف اور مقاصد کو پالیں۔

معنوی طاقت کا اثر

دنیا میں جو طاقتیں مؤثر ہیں ان کی مختلف شکلیں ہیں۔ ان میں سے ایک روحانی طاقت ہے وہ افراد جو لوگوں کے

---

[1] نہج البلاغہ۔ خطبہ ۳۲

[2] الشعراء۔ ۸۸

دلوں میں مقام رکھتے ہیں اور معاشرے میں مقبول ہیں، بہت بڑی قدرت کے مالک ہیں۔ اگر یہ افراد کوئی قطعی فیصلہ کریں تو عوامی طاقت سے اپنی بہت سی مشکلات کو برطرف کر سکتے ہیں۔ سخت قسم کی رکاوٹوں کو عبور کر سکتے ہیں اور اپنے مقاصد تک پہنچنے کے لئے راہ ہموار کر سکتے ہیں۔ ان قوتوں میں سے جو افراد کو توانائی عطا کرتی ہیں ان کی کامیابی کی راہیں ہموار کرتی ہیں، ایک علمی قوت ہے۔ تعلیم یافتہ افراد بعض مواقع پر اپنے علم و دانش کے مراتب استفادہ کر سکتے ہیں اور لائق اشخاص کے ذریعے سے جو ان کے علمی مقام و منزلت کے قدردان ہیں اپنی مشکلات برطرف کر سکتے ہیں اور اپنے اہداف تک پہنچ سکتے ہیں۔

دولت اور عہدے کی طاقت

بعض اوقات افراد طاقت کے حصول کے لئے یہ کوشش کرتے ہیں کہ حکومت یا فوج میں کوئی اہم عہدہ حاصل کر لیں اور یوں طاقت ور بن جائیں اور اپنی راہ کی رکاوٹ کو برطرف کر کے اپنے مقاصد کو پالیں۔ کچھ لوگ مال و دولت جمع کر کے طاقت ور بن جاتے ہیں اور وقت پڑنے پر سرمائے کے بل بوتے پر لوگوں کو مغلوب اور اپنا تابع بنا لیتے ہیں اور ان کے ذریعے اپنے اہداف کی تکمیل کر لیتے ہیں۔ بعض اشخاص اپنے بھائیوں اور بیٹوں، رشتہ داروں اور قوم قبیلے کی حمایت اور حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ان پر بھروسہ کرتے ہوئے جرأت سے بات کرتے ہیں اور اس طریقے سے اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہناتے ہیں۔ مختصر یہ کہ لوگ اپنے آپ کو طاقت ور قدرت مند بنانے کے لئے جدو جہد اور محنت کرتے ہیں تاکہ ضروری مواقع پر اپنا دفاع کر سکیں یا کبھی دوسروں کے حقوق پر تجاوز کر سکیں۔ قیامت کے دن ان باتوں میں سے کسی کی بھی گنجائش نہیں ہوگی کیونکہ اس دن حاکم اور فرمانروا مطلق ذاتِ اقدس الٰہی ہے اور اس کی بارگاہ میں کسی کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے نہ دفاعی طاقت کی ضرورت ہوگی اور نہ کوئی اپنی طاقت کے بل بوتے پر دوسرے کے حقوق پر ڈاکہ ڈال سکے گا۔

پس اس بنا پر دنیا میں حق یا خلافِ حق کے لئے استعمال ہونے والی طاقتیں اور قوتیں آخرت میں انسان کے لئے ذرا برابر مفید نہیں ہوں گی۔

طاقتوں کے زوال کا دن

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾ [1]

قیامت کے روز نہ مال و ثروت انسان کے کام آئے گا اور نہ اولاد۔ بلکہ جو چیز انسان کو فائدہ پہنچائے گی وہ یہ ہے کہ انسان شرک و نفاق اور اخلاقی برائیوں سے پاک و سالم دل کے ساتھ دربارِ الٰہی میں حاضر ہو۔

---

[1] الشعراء ۸۸، ۸۹

امام صادق علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

السليم الذي يلقى ربه وليس فيه احد سواه وكل قلب فيه شرك او شك فهو ساقط۔ [۱]

صاحب قلب سلیم وہ شخص ہے جو اپنے پروردگار سے ملاقات کرے اس کے دل میں خدا کے سوا کوئی اور نہ ہو اور جس دل میں شرک اور شک موجود ہو وہ دل ساقط ہے (یعنی مردہ ہے)

صاحبِ قلب سلیم

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک اور فرمان ہے:

صاحب النية الصادقة صاحب القلب السليم۔ [۲]

جس شخص کی نیت سچی ہے وہ قلبِ سلیم کا مالک ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں: ایک دن ہم نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپؐ نے ایک طرف اشارہ کیا اور فرمایا: اس راستے سے ابھی ایک اہل بہشت تمہارے پاس آئے گا۔ زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ انصار میں سے ایک شخص اس راستے سے (وضو کے پانی کو اپنے ہاتھوں سے خشک کرتے ہوئے) آیا اور سلام کیا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنی ریش سے وضو کا پانی اپنے ہاتھوں سے خشک کر رہا ہے اور اپنے جوتوں کے تسمے بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھا۔ دوسرے تیسرے دن بھی رسولؐ اکرم نے وہی بات دہرائی اور اسی طرح وہی شخص اس راستے سے آیا ہے۔

تیسرے دن جب حضور اکرم مجلس میں تشریف لے گئے تو عبداللہ بن عمرو بن عاص اس انصاری کے پیچھے گیا اور اس سے جا کر کہا میرے اور میرے باپ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ تین دن ان کے پاس نہ جاؤں اگر آپ موافق ہوں تو یہ تین دن آپ کے پاس گزار لوں۔ اس شخص نے کمال صفا و سادگی سے کہا: اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ میں تین راتیں اس کے پاس رہا اور ہر وقت اس کے اعمال کو گہری نظر سے دیکھتا رہا۔ ان تین راتوں کے دوران میں نے اسے نہیں دیکھا کہ عبادت کے لئے اٹھا ہو۔ البتہ کبھی کبھی بستر پر کروٹ بدلتے ہوئے ذکر خدا کرتا تھا اور طلوع فجر کے بعد نماز صبح کی ادائیگی کے لئے اٹھتا تھا لیکن اس مدت کے دوران میں نے اس سے اچھائی اور نیکی کے علاوہ کوئی اور بات نہ سنی۔

---

[۱] تفسیر برہان، ج ۳، ص ۱۸۴

[۲] تفسیر صافی، ص ۳۹۳

پاکیزہ دل انصاری

تین روز ختم ہو گئے۔ رخصت کے وقت میں نے چاہا کہ اس کے اعمال کو ناچیز خیال کروں۔ میں نے اسے کہا میرے اور میرے باپ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں تھا لیکن میں نے رسولؐ اکرم سے تین دن متواتر آپ کے بارے میں اس طرح سنا۔ مجھ میں یہ جاننے کی خواہش پیدا ہوئی کہ آپ بارگاہِ الٰہی میں کون سا عمل انجام دیتے ہیں کہ اس مقام پر پہنچے ہیں۔ البتہ میں نے اس مدت میں آپ سے کوئی غیر معمولی عمل نہیں دیکھا۔ پس کس چیز نے آپ کو یہ بلند مقام بخشا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا: جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس کے علاوہ میں کچھ بجا نہیں لاتا اور ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

میں اپنی راہ ہولیا۔ اس نے مجھے آواز دی اور کہا:

ما هو الا ما رایت غیر انی لا جد علیٰ احد من المسلمین فی نفسی غشا ولا حسد علی خیرا اعطاه الله ایاه. قال عبد الله: هی التی بلغت بك وهی التی لا نطیق. [1]

میرے اعمال وہی تھے جن کا آپ نے مشاہدہ کیا مگر یہ کہ میرے دل میں مسلمانوں میں سے کسی کے بارے میں بھی کینہ نہیں ہے اور جو نعمت اور خیر اللہ تعالیٰ نے کسی کو عطا کی اس پر میں حسد نہیں کرتا۔

اس پر عبد اللہ نے کہا: یہ تیرے دل اور ضمیر کی پاکیزگی ہے جس نے تجھے اس مقام پر پہنچایا ہے اور ہم ایسا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

تمام پہلوؤں سے دل کا سالم ہونا

قیامت میں قلبِ سلیم اپنے صاحب کو فائدہ اور نفع پہنچائے گا اسے نجات اور فلاح تک پہنچائے گا اور اسے سعادت ابدی سے ہمکنار کرے گا۔ انسان کا قلب مختلف جہات اور گوناگوں پہلوؤں کا حامل ہے۔ قلبِ سلیم کے خواہشمند کو چاہیے کہ وہ تمام جہات اور پہلوؤں سے اس کی سلامتی کا بندوبست کرے ایمان کے پہلو سے صرف یگانہ خدا کی طرف متوجہ رہے اور اپنے آپ کو شرک ونفاق سے پاک رکھے۔ اخلاق اور نفسانی ملکات کے اعتبار سے سچی نیت اور پاکیزہ ضمیر کا حامل ہو اور دل کی فضاء کو پلید نیتوں اور باطل افکار سے آلودہ نہ کرے۔ ان دو پہلوؤں کی مذکورہ روایت سے اچھی طرح تائید ہوتی ہے، خدا سے محبت کرے، ان چیزوں کو محبوب رکھے جن میں خدا کی مرضی شامل ہو اور ان افراد یا اشیاء سے دل لگانے سے اجتناب کرے جو قلب کی سلامتی کے منافی ہیں اور انسان کی سعادت میں رکاوٹ ہیں۔

---

[1] مجموعہ ورام۔ ج اول، ص ۱۲۶

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

هو القلب الذی سلم من حب الدنیا۔ [۱]

قلب سلیم وہ دل ہے جو حب دنیا سے پاک ہو۔

اس اور اس جیسی دوسری احادیث میں حب دنیا سے مراد انسانوں کی بیوی بچوں، دکان، سرمائے، گھر اور اس کے اثاثوں اور دیگر دنیاوی معاملات سے عام اور طبیعی محبت نہیں ہے کیونکہ محبت کی یہ قسم فطری ہے اور اللہ تعالیٰ نے نظامِ خلقت کو چلانے کے لئے اس محبت کو تمام انسانوں کی فطرت میں ودیعت کیا ہے اور اسلام اپنی تعلیمات میں ایک خاص حد تک اس کا احترام کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

من قتل دون ماله فهو شهید۔ [۲]

جو شخص اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید کا اجر رکھتا ہے۔

مذموم دنیا کی شناخت

وہ دنیا جس سے محبت قابل مذمت ہے اس سے مراد ایسی دنیا ہے جو انسان کو خدا سے غافل کر دیتی ہے اس کی کشش اور جاذبیت لوگوں کو اطاعت الٰہی سے روکتی ہے، گناہ اور پلیدی کی راہ ہموار کرتی ہے اور انسانوں کی ہلاکت اور تباہی کے اسباب فراہم کرتی ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو دل کی سلامتی سے میل نہیں کھاتی۔ یہ وہ حب دنیا ہے جس کے بارے میں پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا ہے:

حب الدنیا رأس کل خطیئة [۳]

دنیا سے وابستگی اور لگاؤ تمام خطاؤں اور انحرافوں کی جڑ ہے۔

---

[۱] تفسیر مجمع البیان، ج ۷، ص ۱۹۴

[۲] سفینۃ البحار، ج (شہد) ص ۷۲۰

[۳] مجموعہ ورام، ج اول، ص ۱۲۸

باب نمبر 16

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَقِفُوۡهُمۡ اِنَّهُمۡ مَّسۡـُٔوۡلُوۡنَ ﴿۲۴﴾ مَا لَـكُمۡ لَا تَنَاصَرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ بَلۡ هُمُ الۡيَوۡمَ مُسۡتَسۡلِمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ (سورہ صافات آیۃ۔ ۲۴، ۲۵، ۲۶)

نیند کا عالم اور بیداری

جب انسان گہری نیند میں چلا جاتا ہے تو عالم بیداری اور بیدار افراد سے منقطع ہوجاتا ہے اور وہ خواب میں مختلف مناظر دیکھنے میں غرق ہوجاتا ہے۔ اچانک اس کے اطراف میں ایک زوردار آواز آتی ہے وہ اس آواز کی شدت سے نیند سے بیدار ہوجاتا ہے اور ایک لمحے میں ایک جہان سے دوسرے جہان میں آجاتا ہے البتہ وہ نہیں جانتا کہ یہ انتقال کس طرح ہوگیا اور کیا عوامل اور اثرات اس کے جسم کے اندر رونما ہوئے کہ یہ انتقال انجام پا گیا۔

انسان یا حیوانِ جب اتنا سولے کہ اس کی طبیعی ضرورت پوری ہوجائے تو خود بخود کسی بے آرامی اور پریشانی کے بغیر جاگ جاتا ہے اور نشاطِ زندگی کے ساتھ اپنے زندگی کے امور کا آغاز کرتا ہے۔ لیکن وحشت ناک اور خوف ناک آواز سننے کے بعد نیند سے جاگنا غیر طبیعی ہے اور یہ بیداری تکلیف دہ اور اعصابی کھچاؤ کا باعث بنتی ہے۔

نبی اکرمؐ کے فرمان کے مطابق روزِ محشر لوگوں کو اٹھایا جانا بھی نیند سے جاگنے کی طرح ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ اس موقع پر اٹھنے والے کہیں گے:

يٰوَيۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا [1]

وائے ہو ہم پر کس نے ہمیں نیند سے بیدار کردیا؟

وحشت ناک بیداری

البتہ روایات اور آیات کی رو سے یہ بیدار ہونا طبیعی اور نشاط آور نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی خوف ناک اور وحشت ناک بیداری ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے جس آواز سے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور اپنے بستر خاک سے سر

---

[1] یٰسین۔ ۵۲

اٹھائیں گے وہ حضرت اسرافیل کے صور کا نفخہ یا شدید چنگھاڑ ہوگی جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہوگا۔ وہ نامعلوم اور مجہول چنگھاڑ پروردگارِ عالم کی اجازت اور مشیت سے تعمیری بھی ہے اور لوگوں کو زندہ بھی کرے گا اور اس خوفناک آواز کے اثر کی وجہ سے انسانوں کا اٹھنا دہشت اور خوف وہراس کی حالت میں ہوگا۔ یہ بات قرآن مجید میں مختلف انداز میں بیان ہوئی ہے:

اَلْقَارِعَةُ ۝١ مَا الْقَارِعَةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝٣ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝٤ [1]

کھڑکھڑا ڈالنے والی، کیا ہے وہ کھڑکھڑا ڈالنے والی۔ اے رسولؐ! آپ کھڑکھڑا ڈالنے والی کی حقیقت تفصیلی طور پر نہیں جانتے۔ جس دن لوگ پروانوں کے ہجوم کی طرح جو رات کو شمع کے گرد چکر لگاتے ہیں، ناموزوں اور بے مقصد حرکت کریں گے، ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور گروہ گروہ کر کے آگ میں ڈالے جائیں گے۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے:

القارعة اسم من اسماء یوم القیمة لانها تقرع القلوب بالفزع۔ [2]

''قارعۃ'' قیامت کے اسماء میں سے ہے کیونکہ قیامت اس دن دلوں کو ہلا دے گی اور انہیں شدید خوف وہراس سے دوچار کر دے گی۔

خوفناک دعوت

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝٦ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝٧ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝٨ [3]

جس دن قیامت کا دعوت دینے والا یعنی اسرافیل لوگوں کو ایک وحشت ناک اور اجنبی چیز کی طرف بلائے گا یہ بلاوہ اتنا خوفناک ہوگا کہ اس کی شدت سے آنکھیں احساسِ ذلت سے جھک جائیں

---

[1] القارعہ۔ ۱، ۲، ۳، ۴

[2] تفسیر مجمع البیان۔ ج ۱ ص ۵۳۳

[3] القمر۔ ۶، ۷، ۸

گی، لوگ قبروں سے نکل پڑیں گے اور ٹڈی دل کی طرح انسان بھی حیرت زدہ اور خوف کی حالت میں حرکت کریں گے اور انہیں اپنی حرکت کی جہت بھی معلوم نہیں ہوگی۔ وہ دعوت دینے والے کی آواز کے پیچھے پیچھے چلتے جائیں گے۔ کفار اس ہیبت ناک صورتِ حال کو دیکھ کر کہیں گے: یہ بڑا سخت اور مشکل دن ہے۔

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

اشد ساعات ابن ادم ثلاث ساعات الساعة التی یعاین فیها ملك الموت والساعة التی یقوم فیها من قبره والساعة التی یقف فیها بین یدی الله تبارك و تعالیٰ فاما الی الجنة واما الی النار۔ [1]

آدمی کے لئے تین گھڑیاں سخت ترین ہیں۔ پہلی گھڑی وہ ہے جب وہ ملک الموت کو دیکھتا ہے دوسری گھڑی وہ ہے جب وہ قبر سے اٹھے گا اور تیسری گھڑی وہ ہے جب انسان بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوگا اور اس کی قسمت کا فیصلہ کیا جائے گا یا وہ جنت کی طرف جائے گا یا اسے جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔

اعمال کی سزا کا خوف

بروزِ محشر کفار اور ظالمین سخت ترین حالات میں ہوں گے۔ پریشانی، ناراحتی، خوف اور وحشت نے ان کے تمام جسم کا احاطہ کیا ہوگا۔ ان کے لئے پریشانی اور تکلیف کا سبب سے پہلا عامل زندگی کا سیاہ اعمالنامہ اور دنیا میں بجالائے گئے اعمال کی سزا کا خوف ہوگا۔

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ [2]

تم قیامت کے دن ظلم وستم کرنے والے کو دیکھو گے جو اپنے برے اعمال پر سخت وحشت زدہ ہوں گے لیکن ان کا خوف کسی کام نہیں آئے گا۔ مجبوراً نہیں اپنے کئے کی سزا بھگتنا پڑے گی۔

---

[1] خصال صدوق، ص ۱۱۹

[2] الشوریٰ۔ ۲۲

وسائلِ دنیاوی سے انقطاع

ان کی وحشت اور پریشانی کا دوسرا سبب یہ ہوگا کہ وہ رشتہ داری و وابستگی، دوستی و رفاقت، مال و دولت اور طاقت و قدرت اور وہ تمام وسائل دیکھیں گے تو جو دنیا میں اپنے مقاصد اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ان کے پاس تھے لیکن انہوں نے ان سے اس طرح استفادہ کیا کہ وہ سب ختم ہو گئے اور ان میں سے ایک بھی میدانِ قیامت میں قدر و قیمت نہیں رکھتا ہوگا۔

......وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ [1]

ایک طرف وہ عذاب الٰہی کا مشاہدہ کریں گے اور دوسری طرف یہ دیکھیں گے کہ تمام دنیاوی وسائل ان کے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں۔

سیاہ نامہ اعمال

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ [2]

البتہ نامۂ اعمال جس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا: اے کاش! نامۂ اعمال مجھے نہ دیا جاتا اور میں اپنی حالت سے آگاہ نہ ہوتا۔ اے کاش! دنیا میں موت میرے تمام وجود کو نابود کر دیتی اور اس کے بعد میں نہ ہوتا اور نہ اٹھایا جاتا۔ میں نے دنیا میں جو مال و دولت جمع کیا وہ مجھے آج بے نیاز نہیں کرتا اور دنیا میں میرے پاس جو طاقت تھی وہ مکمل طور پر میرے ہاتھوں سے جا چکی ہے اور اب میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

مشرکین، کفار اور گناہگاروں کی پریشانی اور اضطراب کا تیسرا عامل یہ ہوگا کہ قیامت میں حاکم مطلق ذات اقدس الٰہی ہوگی۔ اس کے سامنے کسی قسم کا بہانہ، سازش، مکر و حیلہ، سفارش اور محو حقیقت ممکن نہیں ہوگا اور اس کی درگاہ میں کوئی بھی کسی حیلے بہانے سے اپنے آپ کو اپنے برے اعمال کی سزا سے نہیں بچا سکتا۔ ہر کسی کو سر جھکائے اپنے گناہوں کی سزا بھگتنا ہوگی۔

---

[1] البقرہ۔۱۶۶

[2] الحاقہ۔۲۵،۲۶،۲۷،۲۸

ذلت آمیز سزا

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ [1]

وہ لوگ جو گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں، اپنے گناہوں جیسی سزا ذلت وخواری کے ساتھ کہیں گے اور کوئی بھی طاقت انہیں خدا کی ناراضی اور اس کی منصفانہ سزا سے رہائی نہیں دلا سکتی۔

جیسا کہ ہر ملک کے بالغ اور عاقل افراد معاشرے کی عدالت میں اپنے آپ کو اپنے اعمال کا جوابدہ سمجھتے ہیں اور انجام دیئے گئے جرم کے تناسب سے اپنے آپ کو سزا دیتے ہیں۔ اسی طرح دینی اور معنوی لحاظ سے بھی دنیا کے تمام لوگ خالق جہاں کے حضور اپنے اعمال کا جوابدہ ہیں اور قیامت کے دن انہیں مختلف مقامات پر روکا جائے گا تا کہ ہر مقام پر ان کے نامۂ اعمال کے کسی ایک باب کے متعلق پوچھ گچھ کی جائے گی وہ اعمال کے تناسب سے جزا یا سزا پائیں۔

ایک مقام پر توقف

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾ [2]

انہیں ایک مقام پر روک لو تا کہ ان سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال کیا جائے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

فحاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا علیہا فان للقیامۃ خمسین موقفا کل موقف مقدار الف سنۃ ثم تلا "فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ۔ سورہ ۷۰، آیت ۴" [3]

پچاس ہزار سال کا دن

اپنے آپ کا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تم سے پوچھ گچھ کی جائے کیونکہ قیامت میں پچاس موقف (چوکیاں) ہیں اور

---

[1] یونس۔ ۲۷

[2] والصفت۔ ۲۴

[3] علم الیقین، ص ۹۱۲

ہر موقف (چوکی) کا وقت ہزار سال ہوگا اس کے بعد آپ نے قرآن کی آیت تلاوت فرمائی جس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔

اس بات کے پیش نظر کہ ظلم وعدل، حق و باطل، جائز و ناجائز اور مشروع وغیر مشروع وغیرہ اعتقادی، اخلاقی اور عملی پہلوؤں کے تمام شعبوں میں موجود ہوسکتا ہے اور دینی طور پر تمام لوگوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ تمام موارد میں انہیں ملحوظ رکھیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ قیامت میں حساب و کتاب اور پوچھ گچھ کے متعدد مواقف ہوں تا کہ ہر چیز کے بارے میں اس کے مخصوص موقف (مقام) پر جانچ پڑتال کی جائے اور مذکورہ حدیث میں امام صادق علیہ السلام نے ان کا مجموعہ پچاس موقف بتایا ہے۔

گناہوں میں فرق

قیامت میں حساب و کتاب سے قارئین محترم کی مزید آگاہی اور ایک حد تک وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ شریعت مقدس کی نظر میں گناہوں میں فرق اور اسی طرح ان گناہوں کے بارے میں لوگوں کی ذمہ داری کے مراتب اور درجات کے بارے میں بعض آیات اور احادیث کی روشنی میں مختصر وضاحت کی جاتی ہے امید ہے مفید اور سودمند ثابت ہوگی۔

ظلم کی تین قسمیں

امام باقر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ:

الظلم ثلاثة: ظلم یغفره الله عزوجل وظلم لا یغفره وظلم لا یدعه فاما الظلم الذی لا یغفره فالشرك بالله عزوجل واما الظلم الذی یغفره الله فظلم الرجل نفسه فیما بینه وبین الله عزوجل واما الظلم الذی لا یدعه فالمداینة بین العباد۔ [1]

ظلم کی تین قسمیں ہیں: ایک ایسا ظلم ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے لطف ورحمت سے بخش دے گا۔ دوسرا وہ ظلم ہے جو نہیں بخشا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے درگذر نہیں فرمائے گا۔ تیسرا وہ ظلم ہے جسے اللہ

[1] خصال صدوق۔ص ۱۱۸

تعالیٰ نہیں چھوڑے گا اور اس کا محاسبہ کیا جائے گا۔ البتہ وہ ظلم جو قابلِ بخشش نہیں ہے وہ شرک با خدا ہے۔ وہ ظلم جو قابلِ عفو ہے وہ ایسا ظلم ہے جو بندے نے اپنے اور اپنے خدا کے مابین اپنے آپ پر کیا ہے۔ اور وہ ظلم جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا اور اس کا مواخذہ اور باز پرس کی جائے گی لوگوں کے ایک دوسرے پر حقوق اور قرضے ہیں۔

دینِ مقدس اسلام میں اللہ تعالیٰ سے شرک کو ظلمِ عظیم کہا گیا ہے اور اس بارے میں متعدد آیات اور روایات منقول ہیں۔

ان میں سے قرآن میں منقول لقمان حکیم کا وہ جملہ بھی جو انہوں نے اپنے فرزند سے کہا تھا:

شرک یا نہ بخشا جانے والا گناہ

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۣاِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝۱۳ [1]

میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے شرک نہ کرو، بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ قرآن شریف میں ایک مقام پر آیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ [2]

بے شک اللہ مشرک کے شرک کو نہیں بخشے گا اور اسے ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ البتہ شرک کے علاوہ گناہوں کو جسے چاہے اور مصلحت سمجھے بخش دے گا اور اپنے عذاب سے چھٹکارا دے گا۔

اسلام میں شرک بہت بڑا گناہ شمار کیا گیا۔ جس نے شرک اختیار کیا اس نے درحقیقت اپنے اس عمل سے اپنی عقل کی نفی کی، اپنی فکر کو پامال کیا اور مخلوقاتِ الٰہی میں سے کسی ایک کو پرستش میں خدا کا شرک بنادیا مثلاً چاند، سورج، سانپ، گائے یا دوسرے فرضی معبود وغیرہ۔ اس نے ان چیزوں میں کسی ایک کی عبادت و بندگی کو اپنا بنالیا اور یہ ذاتِ اقدسِ الٰہی کی بہت بڑی اہانت ہے۔ اسی طرح اس نے اپنی گراں قدر اور محترم عقل کے ساتھ بھی برا سلوک۔ ایسا گناہ بارگاہِ الٰہی میں قابلِ بخشش نہیں ہے اور ایسا گناہگار حتماً عذابِ الٰہی کا مزہ چکھے گا۔ انہی مطالب کو ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

---

[1] لقمان۔ ۱۳

[2] النساء۔ ۴۸

حق بغیر از شرک از ہر کس کہ خواست
ہر گناہی رابنجشد گر سز است
وآنکہ بگرفتہ است انبازی بہ او
بر گناہی بس بزرگ آوردہ رو
شرک اندر نزد اہلِ معرفت
ذنب بنود سوء ذاتست و صفت
گفت ز آنرد ذنب رانجشم تمام
یک مشرک نیست مغفور راز کلام
شرک انکار از وجود واجبست
فی زبونی کان بر رحمت جاذبست

دینی اعتبار سے قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ گناہِ شرک کے علاوہ مشرک کے دوسرے اعمال کا حساب وکتاب نہیں ہوگا۔ کیونکہ شرک کا ناقابلِ بخشش گناہ ہی مشرک کے دائمی عذاب اوراس کی ابدی سزا کے لئے کافی ہے۔ یہ نکتہ آئمہ علیہم السلام کی روایات میں مذکور ہے۔

اہلِ شرک کے متعلق امام کا قول

امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا:

اعلموا عباد الله ان اهل الشرك لا تنصب لهم الموازين ولا تنشر لهم الدواوين وانما تنشر الدواوين لاهل الاسلام۔ [1]

اے اللہ کے بندو! جان لو کہ قیامت کے دن مشرکین کے لئے ترازو اور میزان نہیں لگائے جائیں گے اور ان کے اعمال کے حساب وکتاب کے لئے ان کا نامۂ اعمال نہیں پڑھا جائے گا۔ نامۂ اعمال موحدین کا کھولا جائے گا جو دنیا میں اللہ کی وحدانیت کے سامنے سرِ تسلیم خم تھے۔

قابل عفو ظلم اپنے نفس کے ساتھ ظلم ہے یعنی ایسا ظلم جو انسان اپنے اور خدا کے درمیان انجام دیتا ہے اوراس میں کسی دوسرے کے حقوق پر تجاوز نہیں کرتا ایسے ظلم میں صاحبِ حق اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس ہے۔ یہ لوگ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی

---

[1] امالی صدوق، جلد ۶۷، ص ۳۰۳

پرعذاب کے مستحق ہیں لیکن جن موارد میں اللہ تعالیٰ ان پر اپنی عفوورحمت کا سایہ کرنا چاہے ان کے گناہ کو بخش دے گا اور انہیں عذاب سے رہائی دے دے گا۔

ابوبصیر کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ نے فرمایا:

اذا دخل اهل الجنة الجنة باعمالهم فاين عتقاء الله من النار ان الله عتقاء من النار۔ [1]

اگر صرف نیک لوگ اپنے اعمالِ حسنہ کی بناء پر جنت میں جائیں تو پھر اللہ کی طرف سے بخشے جانے والے کہاں ہوں گے؟ اس کے بعد آپ نے فرمایا: کچھ لوگ عذابِ الٰہی کے مستحق ہونے کے باوجود جہنم کی آگ میں نہیں ڈالے جائیں گے اور انہیں عذاب نہیں دیا جائے گا، یہ افراد اللہ کے آزاد کردہ ہوں گے۔

وہ ظلم جس کا پورا پورا حساب ہوگا اور اس سے صرفِ نظر نہیں کیا جائے گا۔ وہ لوگوں کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں اور یہ بات بہت سی روایات میں صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ آئمہ علیہم السلام نے مختلف مواقع پر اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔

لوگوں کے مالی حقوق

افراد کے ایک دوسرے کے ذمے مالی حقوق، ان حقوق العباد میں سے ہیں جن پر قیامت کے دن سخت مؤاخذہ اور حساب ہوگا۔ خواہ یہ مال شرعی طریقے کسی کے ذمے ہو مثلاً قرض، غیر نقدی معاملہ وغیرہ، خواہ غیر شرعی کے ذریعے سے ہوں مثلاً چوری، کم فروشی وغیرہ۔ اس کی جو بھی صورت ہو اللہ تعالیٰ حقوق العباد سے درگذر نہیں کرے گا جب تک صاحبانِ حق راضی نہیں ہوں گے یہ مالی حساب وکتاب صاف نہیں ہوگا۔

امام باقر علیہ السالم نے فرمایا:

كل ذنب يكفره القتل فی سبيل الله الا الدين فانه لا كفارة له الا اداؤه او يقضی صاحبه او يعفوا الذی له الحق۔ [2]

---

[1] امالی شیخ طوسی، ج اول، ص ۱۸۲

[2] وسائل، کتاب تجارت، باب وجوب قضاء دین، ص ۱۹۰

خدا کی راہ میں قتل ہونا ہر گناہ کا کفارہ ہے مگر قرض یا مالی ادائیگی کا نہیں۔ کیونکہ قرض کا کفارہ نہیں ہے مگر یہ کہ مقروض خود اس کو ادا کر دے یا اس کے مال میں سے ادا ہو جائے یا مقروض کا دوست اس کی طرف سے ادا کر دے یا صاحبِ حق اپنا یہ حق مقروض کو معاف کر دے۔

شہید اور قرضہ

حضرت علی علیہ السلام سے ایک روایت نقل ہوئی ہے جس میں آپؑ نے فرمایا:

لقد صلی رسول الله باصحابه ذات یوم فقال ماهیهنا من بنی اللجار احد وصاحبهم محتبس علی باب الجنة بثلثة دارهم لفلان الیهودی وکان شهیدا۔ [1]

ایک دن رسول اللہؐ نے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز ادا کی اور فرمایا: یہاں پر بنی نجار میں سے کوئی ہے؟ ان کا دوست جنت کے دروازے پر روک کر گرفتار کر لیا گیا ہے اور اسے اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی کیوں وہ فلاں یہودی کا تین درہم کا مقروض ہے اگر چہ مقروض شہداء میں سے ہے اور راہِ خدا میں قتل کیا گیا ہے۔

معاویہ بن وہب روایت کرتے ہیں:

قلت لابی عبد الله علیه السلام بلغنا ان رجل من الانصار مات وعلیه دین فلم یصل علیه النبی (ص) وقال لا تصلوا علی صاحبکم حتی یقضی عنه الدین فقال علیه السلام ذلك حق ثم قال علیه السلام: انما فعل رسول الله صلی الله علیه وآله ذلك لیتعاطوا الحق ویؤدی بعضهم الی بعض ولئلا یستخفوا بالدین۔ [2]

میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی: ہم تک یہ خبر پہنچی ہے کہ انصار میں سے ایک مقروض شخص فوت ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی اور فرمایا: جب

---

[1] احتجاج طبرسی، ج اول، ص ۳۳۳

[2] سفینہ (دین) ص ۴۷۷

تک قرض ادا نہ ہو جائے دوسرے بھی نماز نہ پڑھیں۔ امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: یہ خبر صحیح ہے رسول اکرمؐ نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا تا کہ ہمیشہ لوگوں کے درمیان گردش کرتا رہے۔ بعض افراد دوسروں کا قرضہ ادا کریں اور لوگ قرض کے مسئلے کو معمولی نہ سمجھیں۔

امام اور قرض متوفی

امام جعفر صادق علیہ السلام نے رسول اللہؐ سے نقل کیا کہ آپؐ نے فرمایا:

ایما مؤمن او مسلم مات و ترك دینا لم یکن فی فساد ولا اسراف فعلی الامام این یقضیه۔ [1]

ہر مسلمان اور مومن جو مرے اور اس کے ذمے قرض ہو اگر یہ قرض حرام اور برے کاموں فضول خرچی یا اسراف یا فساد آمیز امور کے لئے نہ کیا گیا ہو تو امام کو یہ قرض ادا کرنا چاہیے۔

ان چند روایات اور ان جیسی دوسری روایات سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ اسلامی قوانین میں لوگوں کے مالی حقوق کی طرف پوری توجہ دی گئی ہے یہاں تک کہ اگر مقروض مر جائے اور اس کا کوئی مال نہ ہو اس کے دوست احباب اور رشتہ دار بھی قرض کی ادائیگی میں تعاون نہ کریں تو اس صورتِ حال میں اگر اس نے یہ قرض برائی اور اسراف میں خرچ نہ کیا ہو تو امام کو چاہیے کہ بیت المال سے ادا کرے۔

جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ قیامت میں متعدد مقامات و مواقف ہیں۔ لوگوں کی اعتقادی اخلاقی، عبادی اور عملی لحاظ سے مختلف امور میں بہت زیادہ ذمہ داریاں ہیں اور ان میں ہر ایک کا مخصوص مقام پر حساب لیا جائے گا۔ یہاں پر مزید آگاہی کے لئے قیامت کے بعض مواقف اور ان کے مطالب کے بارے میں چند روایات کا ذکر کرنا مناسب رہے گا۔

عمر اور جوانی کے بارے میں سوال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا تزول قدما عبد یوم القیامة حتی یسئل عن اربع عن عمرہ فیما افناہ و عن شبابه فیما ابلاہ وعن ماله من این اکتسبه وفیما انفقه وعن حبنا اهل

---

[1] کافی، ج اول، ص ۴۰۷

البیت۔[1]

قیامت کے دن کوئی بھی اپنی جگہ سے ایک قدم نہیں اٹھا سکے گا جب تک چار سوالوں کے جواب نہ دے لے۔ پہلا سوال اس کی زندگی کے متعلق ہوگا کہ اسے کس راستے پر گذارا اور اسے کس طرح ختم کیا۔ دوسرا سوال جوانی کے بارے میں ہوگا کہ جوانی کیسے اور کس راستے پر گذاری۔ تیسرا سوال مال و دولت کے بارے میں کیا جائے گا کہ اسے کس طریقے سے حاصل کیا اور کس راستے میں خرچ کیا۔ چوتھا سوال اس سے اہلبیت سے محبت اور دوستی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

پہلا اور دوسرا سوال زندگی اور دورانِ جوانی سے مربوط ہے اگرچہ جوانی پوری عمر کا ہی حصہ ہے اور عمر کے بارے میں پرستش سے جوانی کا ذکر بھی ہوجاتا ہے لیکن نبی اکرمؐ نے عمر کے ساتھ ساتھ جوانی کا جدا طور پر ذکر کیا ہے اور اس کو مشخص کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمام زندگی میں جوانی ایک خاص اہمیت کی حامل ہے۔ یہ گراں قدر گوہر اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ جداگانہ اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور اس کے لئے یہی مناسب ہے کیونکہ جوانی اجتماعی زندگی کا آغاز ہے۔ جوانی کے ایام میں انسان اپنی خودسازی کرتے ہیں، تمام زندگی کے لئے راستے کا انتخاب کرتے ہیں اور اپنی شخصیت کو اپنے منتخب راستے کے مطابق استوار کرتے ہیں۔ لہٰذا جوان نسل کی ذمہ داری ہے کہ وہ جوانی کو غنیمت سمجھیں اس قسمت ساز دور کو اپنی ترقی اور تکامل کے لئے زیادہ سے زیادہ بروئے کار لائیں اور قیامت میں فرشتوں کے حساب لینے سے پہلے دنیا میں ہی اس جوانی کا محاسبہ کریں۔

مالی امور کے متعلق سوال

مذکورہ حدیث میں تیسرا سوال مالی امور سے مربوط ہے قیامت میں مسئول شخص سے پوچھا جائے گا کہ اپنے اموال کو کس طرح اور کس ذریعے سے حاصل کیا اور کن جگہوں پر خرچ کیا۔ یہ بات ہم جانتے ہیں کہ مال کا مسئلہ تمام انسانوں کی زندگی کا ایک بنیادی مسئلہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پورے عالم میں بعض انفرادی اور اجتماعی خوش بختیاں اور بدبختیاں لوگوں کے پیشے اور اس کی کیفیت سے وابستہ ہیں یا ان کے اخراجات کی کیفیت اور مصارف کی انواع سے مربوط ہیں یا ان دونوں سے مربوط ہیں۔

دین اسلام میں آمدنی اور اخراجات اور اس کے معاشرے کی ترقی اور انحطاط پر اثرات کے بارے میں مکمل توجہ

---

[1] خصال صدوق، ص ۲۵۳

دی گئی ہے اور مسلمانوں کو اس کی اہمیت سے آگاہ کرنے کے لئے بعض روایات میں یاد دلایا گیا ہے کہ آمدنی اور اخراجات میں حق وقانون کی پابندی کرنا اسلام اور مسلمین کی بقاء کا باعث ہے اور اسے ملحوظ نہ رکھنا ان کی فناء کا سبب بن سکتا ہے۔

معاشرہ اور دولت کے اثرات

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

ان بقاء المسلمین و بقاء الاسلام ان تصیر الاموال عند من یعرف فیھا الحق و یصنع فیھا المعروف وان من فناء المسلمین وفناء الاسلام ان تصیر الاموال عند من لا یعرف فیھا الحق ولا یصنع فیھا المعروف۔ [۱]

اسلام اور مسلمانوں کی بقاء اس میں ہے کہ دولت کی گردش ان افراد کے ہاتھوں میں ہو جو مال وثروت کے بارے میں حق وقانون کا علم رکھتے ہوں اور انہیں صحیح اور جائز ذرائع میں استعمال کرتے ہیں۔ اور اسلام ومسلمانوں کے انحطاط اور ہلاکت کے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ مال ودولت کی گردش حق اور قانون کے جاہلوں کے ہاتھوں میں ہو اور وہ انہیں غیر شرعی اور غلط راہوں پر خرچ کرتے ہوں۔

غلط وحرام پیشے

اسلامی قوانین میں ہر وہ کام اور پیشہ جو ایک یا چند جہتوں سے معاشرے کی ترقی وسعادت کے لئے نقصان دہ ہو اور لوگوں کو برائی اور تباہی کی طرف کھینچ لے جائے اسے حرام قرار دیا گیا ہے اور شارعِ مقدس نے ایسی تجارت اور معاملات کو باطل قرار دیا گیا ہے شراب، جوا، فحشاء، چوری، رشوت وغیرہ۔ اسی اساس پر ان ذرائع سے ہاتھ آنے والی رقم حرام ہے اور ان ذرائع میں رقم خرچ کرنا ممنوع ہے۔ قرآن شریف نے مسلمانوں کو اس سے خبردار کیا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [۲]

اے ایمان والو! ایک دوسرے کے اموال کو غیر شرعی معاملات کے ذریعے استعمال نہ کرو اور انہیں باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔

---

[۱] مستدرک، ج ۲ ص ۳۹۳

[۲] النساء ۲۹۔

جوا دورِ جاہلیت میں

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

عنی بها القمار و کانت قریش تقاموا الرجل بأهله وماله فنهاهم الله عن ذلك۔ [1]

جوا ان امور میں سے ہے جن کا اس آیت میں ذکر ہے کیونکہ دورِ جاہلیت میں قریش اس میں بہت زیادہ ملوث تھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض تو اموال کی طرح اپنی عورتوں کو بھی داؤ پر لگا دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس باعث شرم اور ننگ آور عمل سے منع فرمایا ہے۔

امام باقر علیہ السلام نے ''اکل بہ باطل'' کے چند موارد ذکر فرمائے ہیں جو مذکورہ آیت میں بیان کیا ہے:

"الرباء والمقار والبخس والظلم۔ [2]

سودخوری، جوابازی، کم فروشی اور ظلم کی کمائی۔

مقروض کی موت کے بعد پریشانی

مختصر یہ کہ مال و دولت کا آمدنی کے ذرائع اور اسی طرح اس کے مصرف کی کیفیت کے لحاظ سے تیسرا سوال ہے جو حدیث رسولؐ میں بیان ہوا ہے اور قیامت کے دن اس کے متعلق پوچھا جائے گا اور حساب لیا جائے گا۔ وہ اشخاص جو دوسروں کے مقروض تھے اور فوت ہو گئے اور ان کی موت کے بعد کسی نے ان کے قرضوں کو ادا نہ کیا اور وہ بری ذمہ نہ ہوئے وہ اس دن سخت پریشان اور مضطرب ہوں گے کیونکہ خدا تعالیٰ حقوق العباد سے چشم پوشی نہیں فرماتا اور جب تک صاحبان حق کی رضایت سے تصفیہ حساب نہ ہو جائے انہیں معاف نہیں کرتا اور اس طرح کا سخت محاسبہ ان لوگوں کے لئے بہت سخت اور ناقابل تحمل ہوگا جو دنیا میں دوسروں کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے تھے اور ان کے مقروض تھے۔

جو افراد دورانِ زندگی کبھی کبھار دوسروں کے مقروض ہو جاتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ پہلی فرصت میں اپنے قرضوں کو ادا کریں اور بری ذمہ ہو جائیں اگر خود ایسا نہ کر سکیں تو وصیت کریں اور اپنے ایماندار وصی سے کہیں گے کہ میری موت کے بعد جتنا جلدی ممکن ہو میرے باقی اموال میں سے حساب کر کے قرض ادا

---

[1] تفسیر صافی، ۱۱۸

[2] تفسیر صافی، ص ۱۱۸

کر دے عالمِ برزخ کے عذاب سے رہائی دلائے۔

البتہ مولا امیر المومنین علی علیہ السلام اسے ترجیح دیتے ہیں کہ انسان جن کاموں کے بارے میں چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی موت کے بعد انجام دیں وہ خود اپنی زندگی میں انہیں انجام دے۔ کیونکہ سچا مومن جو روزِ جزا کے سوال و جواب پر ایمان رکھتا ہے وہ کسی بھی ہمدرد وصی سے بہتر عمل کرتا ہے اور دوسروں کے قرضوں کی ادائیگی اور اپنے آپ کو ان حقوق سے بری الذمہ کرنے میں پس وپیش سے کام نہیں لیتا بلکہ اس کے لئے کوشش کرتا ہے۔

اپنے خود وصی بنو

حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

یابن ادم کن وصی نفسك فی مالك واعمل فیه ما تؤثر ان یعمل فیه من بعدك۔ [1]

اے فرزند آدم! تم اپنے اموال میں خود اپنے وصی بنو جو تم چاہتے ہو کہ تمہاری موت کے بعد انجام پائے اسے خود اپنی زندگی میں انجام دو۔

عنبسہ بن مصعب کہتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں وعظ ونصیحت کرنے کی درخواست کی تو آپؑ نے فرمایا:

اعد زادك وهیئ جهازك و کن وصی نفسك ولا تأمر غیرك یرسل الیك بما یصلحك۔ [2]

اپنے سفر کے لئے زادِ راہ مہیا کرو اور اس راستے میں جن اشیاء کی ضرورت ہے انہیں تیار کرو۔ اپنے خود وصی بنو اور دوسرے سے نہ کہو کہ وہ تمہاری موت کے بعد تمہارے لئے باعثِ سعادت اشیاء تمہارے لئے بھیجے۔

بنی امیہ کا منشی

علی بن حمزہ کہتے ہیں: میرا ایک دوست تھا جو بنی امیہ کی حکومت میں منشی تھا ایک دفعہ اس نے مجھ سے کہا: میرے

---

[1] نہج البلاغہ، کلمہ ۲۵۴

[2] مشکوۃ الانوار، ص ۲۷

لئے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اجازت لیں کہ میں ان کی خدمت میں شرفیاب ہوں۔ میں نے ان کے لئے اجازت حاصل کی اور وہ وقت مقررہ پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس نے سلام کیا اور بیٹھ گیا اس کے بعد اس نے عرض کی: میں بنی امیہ کے دیوان میں کام کرتا ہوں اور میں نے مختلف ذرائع سے بہت سا مال وثروت جمع کیا ہے۔ یہاں پر امام علیہ السلام نے اس کی بات کاٹ کر فرمایا: اگر لکھنے والے، ٹیکس وصول کرنے والے، جنگ کرنے والے اور (ان کے پیچھے) نماز جماعت میں شرکت کرنے والے بنی امیہ کے اردگرد جمع نہ ہوتے تو وہ ہمارا حق غصب نہ کرتے۔اگر لوگ انہیں ٹھکرا دیتے اور اپنے اموال سے ان کی مدد نہ کرتے تو وہ ہرگز طاقت ور نہ بنتے اور یہ غلط اعمال بجا نہ لاتے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی گفتگو کے بعد منشی نے دوبارہ اپنی بات شروع کرتے ہوئے کہا: کیا میرے لئے اپنے آپ کو ان ناجائز اموال سے خلاص بچانے کا کوئی طریقہ ہے کہ میں اس سے بری الذمہ ہو جاؤں؟ آپؑ نے فرمایا: وہ تمام اموال جو تم نے بنی امیہ کی حکومت کی نوکری میں حاصل کئے ہیں۔انہیں واپس کردو اور وہ مال جن کے مالکوں کو تم نہیں جانتے اسے صدقہ دے دو۔اگر تم اس کام کو انجام دو تو میں تمہاری جنت کا ضامن ہوں۔منشی نے اپنا سر جھکا دیا کچھ دیر فکر کرنے کے بعد اس نے سر اٹھا کر عرض کیا: آپؑ نے جو حکم فرمایا ہے میں اس پر عمل کروں گا۔

ابن حمزہ کہتے ہیں بنی امیہ کا منشی میرے ساتھ کوفہ واپس آ گیا اور امام کے فرمان کے مطابق اپنی تمام ملازمت کے دوران میں کمائے ہوئے اموال یہاں تک کہ جو کپڑے اس نے پہنے تھے کے بارے میں اقدام کیا۔ان میں جو چیزیں معلوم اشخاص کی تھیں ان کو واپس کردیا اور مال کا وہ حصہ جن کے مالک مجہول و نامعلوم تھے اسے صدقہ دے دیا۔ یہاں تک کہ اپنے استعمال کے لئے کپڑے بھی باقی نہ بچائے۔

ابن ابی حمزہ کہتے ہیں کہ میں اور چند دیگر دوستوں نے کچھ رقم جمع کی، اس میں سے کچھ کے کپڑے خریدے اور باقی رقم روزانہ کے اخراجات کے لئے اس کے حوالے کی۔ چند ماہ گزرے تھے کہ وہ مریض ہو گیا۔ میں مسلسل اس کی عیادت کرنے جاتا تھا۔آخری دن جب اس سے ملاقات کے لئے گیا تو وہ احتضار کی حالت میں تھا ایک لحہ کے لئے اس نے آنکھیں کھولیں مجھے دیکھا اور کہا:

یا علی وفی لی واللہ صاحبك ثم مات فولینا امرہ فخرجت حتی دخلت علی ابی عبد اللہ علیه السلام فلما نظر الی قال یا علی وفینا واللہ لصاحبك فقلت جعلت فداك هکذا قال لی واللہ عند موته۔ [1]

---

[1] بحار الانوار۔ج ۱۱ ص ۱۴۴

اے علی! اللہ کی قسم تیرے مولا نے میرے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اسے وفا کر دیا۔ یہ کہنے کے بعد وہ فوراً چل بسا۔ ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور اسے دفن کر دیا۔ اس کے بعد جب میں مدینے واپس آیا اور امام کی خدمت میں شرف یاب ہوا، جونہی امام کی نظر مجھ پر پڑی تو آپؑ نے فرمایا: اے علی! حق کی قسم جو وعدہ تیرے دوست کے ساتھ کیا میں نے اسے نبھا دیا ہے۔

حب اہل بیت

حدیث رسولؐ میں مذکور ہے، چوتھا سوال جس کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ حب اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں ہے اور یہ مسئلہ اسلام کے اہم ترین اعتقادی مسائل میں سے ہے اور قرآن شریف نے اس بارے میں فرمایا ہے:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى [1]

اے رسولؐ! لوگوں سے کہہ دو کہ میں اپنی رسالت کا تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے اہلِ بیت اور قرابت داروں سے مودت (محبت و دوستی) رکھو۔

اس آیت کی تفسیر میں رسول اکرمؐ سے اہل سنت اور شیعہ سے روایات نقل ہوئی ہیں کہ مودت قربیٰ سے حب اہل بیت علیہم السلام مراد ہے اور یہاں پر اختصار کے پیش نظر اہل سنت اور شیعہ کی صرف دو دو احادیث نقل کی جاتی ہیں۔

اس آیت کے ذیل میں زمخشری نے تفسیر کشاف میں، بیضاوی نے تفسیر انوار التنزیل میں، سیوطی نے تفسیر در المنثور میں نیز متعدد دیگر مفسرین نے یہ حدیث ذکر کی ہے:

جن کی مودت واجب ہے

روی انها لما نزلت قیل یا رسول الله من قرابتك هولاء الذین وجبت مودتهم علینا قال: علی وفاطمة وابناهما۔

روایت کی گئی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہؐ سے پوچھا گیا کہ آپ کے اقربا کون ہیں کہ جن کی مودت ہم پر واجب کی گئی ہے؟ آنحضرتؐ نے جواب دیا: علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے دو بیٹے۔

[1] الشوریٰ۔ ۲۳

ابن عباسؓ کہتے ہیں: رسول اکرمؐ نے اس آیت ''لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی'' کی تفسیر اور وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

ان تحفظونی فی اهل بیتی و تودوهم بی۔ [۱]

یعنی اس سے مقصود یہ ہے کہ میرے اہل بیت کی حدود کے محافظ رہو اور ان سے میری خاطر محبت کرو اور دوست رکھو۔

امام باقر علیہ السلام نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرمایا:

هم الائمة علیهم السلام۔ [۲]

آیت میں اقرباء سے مراد آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ اہل بصرہ مذکورہ آیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ جواب دیا گیا:

اصحابِ کسا

انهم یقولون انها لاقارب رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم قال کذبوا۔ انما نزلت فینا خاصة، فی اهل البیت فی علی وفاطمة والحسن والحسین علیهم السلام اصحاب الکساء۔ [۳]

وہ کہتے ہیں کہ مراد پیغمبر اسلامؐ کے اقربا اور رشتہ دار ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ جھوٹ ہے، یہ آیت فقط ہم اہل بیت، اصحابِ کساء یعنی علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کی مودت ایک اسلامی فریضہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر واجب کیا گیا ہے اور اس کا ذکر قرآن مجید میں ہوا ہے تاکہ ہم اس الٰہی حکم کی معنوی اہمیت اور حیثیت سے کسی حد تک آگاہ ہو جائیں اور مودت اہلبیت کی وجہ سے اسلام کے پیروکاروں کی سعادت مندی میں جو نتائج حاصل ہوتے ہیں ان سے واقف ہو جائیں۔ یہاں پر مناسب ہے کہ موضوع کی کچھ وضاحت کی جائے۔

---

[۱] تفسیر درالمنثور، ج۶ ص۷

[۲] تفسیر برہان، ج۴، ص۱۲۱

[۳] تفسیر صافی، ص۴۸۰

قرآن مجید میں سورہ شعراء کی آیات ۱۰۹، ۱۴۵، ۱۶۴، ۱۸۰ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کی زبان سے دین خدا کی تبلیغ اور نبوت کے مسئلے میں درج ذیل جملے کا تکرار کیا ہے۔

پیغمبر اسلام کا اجر

وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین۔

میں رسالت اور خدا پر ایمان اور اس کی اطاعت کی طرف دعوت دینے کی اجرت تم سے نہیں مانگتا بلکہ میرا اجر تو عالمین کے پروردگار کے ذمے ہے۔

لیکن حضور اکرمؐ کی جب باری آتی ہے تو قرآن کریم کے بات کرنے کا انداز بدل جاتا ہے اور خدا فرماتا ہے۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط [۱]

اے رسول! کہہ دو میں تم سے رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے اہلبیت سے مودت رکھو۔

اہل سنت کی روایات

نبی اکرمؐ نے اپنے تمام دورِ رسالت میں اہل بیت کے اعلیٰ وارفع مقام اور لوگوں کی ہدایت کے لئے ان کی رہبری کے بارے میں بہت سے مطالب بیان فرمائے جن کا ذکر سنی اور شیعہ کتب میں آیا ہے۔ اس فعل میں ان میں سے چند ایک کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ سمجھدار اور منصف مزاج افراد ان روایات کا بغور مطالعہ کرنے سے کسی حد تک اہلبیت کی حقیقی اہمیت سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ نیز وہ اس بات کی طرف بھی متوجہ ہو سکتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی دوستی اور مؤدت کو مسلمانوں کے فرائض میں سے کیوں قرار دیا۔

علماء اہل سنت میں سے تین بڑے علماء مسلم، ترمذی اور نسائی نے اپنی کتابوں میں زید بن ارقم سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے لوگوں سے فرمایا:

ذکرکم اللہ فی اہل بیتی۔ [۲]

---

[۱] الشوریٰ۔ ۲۳

[۲] تفسیر درالمنثور، ج۶، ص۷

کتاب وعترت کی امانت

جلال الدین سیوطی نے درالمنثور میں سنی علماء میں سے ترمذی اور ابن الانباری سے زید بن ارقم کی حدیث نقل کی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:

انی تارك فيكم ما ان تمسكتم به لن تضلوا بعدى احدهما اعظم من الاخر كتاب الله حبل ممدود من السماء الى الارض و عترتى اهل بيتى ولن يتفرقا حتى يردا على الحوض فانظروا كيف تخلفونى فيهما ۔ [1]

میں تمہارے درمیان ایک چیز بطورِ امانت چھوڑتا ہوں اگر تم اس سے وابستہ رہے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے۔ اس امانت کے دو جزء ہیں ان میں سے ایک جز دوسرے سے عظیم تر ہے۔ کتابِ الٰہی وہ طویل رسی ہے جو آسمان سے زمین تک کھینچی گئی ہے اور میری عترت یعنی میرے اہل بیت اور یہ دو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ قیامت میں مجھ تک حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔ پس خیال رکھو کہ تم میرے بعد ان سے کیا سلوک کروگے۔

اس حدیث میں اور اس کی مانند دیگر احادیث میں رسول اللہؐ نے اہل بیت کو قرآن کا ہم پلہ قرار دیا ہے، انحراف اور گناہ سے ان کی معصومیت کو ثابت کیا ہے، حضرت باری تعالیٰ کے حکم سے ان کی مودت کو تمام مسلمین پر واجب قرار دیا ہے اور نہایت واضح انداز میں یاد دلایا ہے کہ قرآن کریم اور اہل بیت ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے یعنی ان کی رفتار اور گفتار ہمیشہ قرآن کریم کی تعلیمات کے مطابق ہے اور اگر لوگ قرآن اور اہلبیت سے وابستہ ہو جائیں اور صحیح طور پر ان کی پیروی کریں تو وہ کبھی ضلالت و گمراہی سے دوچار نہیں ہوں گے۔

ایک سوال

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ مودت اور عداوت اور اسی طرح دوستی اور دشمنی دو نفسیاتی حالتیں اور دو غیر اختیاری امر ہیں، اللہ تعالیٰ نے کس طرح لوگوں کو ایک چیز کا حکم دیا اور دوسری چیز سے منع کیا جب کہ وہ چیز ان کے اختیار میں نہیں۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ وہ اہل بیت سے دلی طور پر محبت کریں اور اپنے ضمیر کو ان کی دشمنی سے پاک رکھیں۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس نفسیاتی حالت کو دین کی تعلیمات میں اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ رسول اکرمؐ کے

---

[1] تفسیر درالمنثور، ج۶، ص۷

فرمان کے مطابق روز جزا کے دن لوگوں کو ایک مقام پر روک لیا جائے گا اور ان سے مودت اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اختیار کی وضاحت

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک چیز بذاتِ خود ہمارے اختیار میں نہ ہو۔لیکن اس کے مقدمات اور شرائط جو اس غیر اختیاری امر کے وقوع کا موجب ہیں۔ ہمارے اختیار و ارادہ کے تحت ہوں تو عقلائے عالم ایسے کام کو انسان کے اختیار میں سمجھتے ہیں اور اس غیر اختیاری عمل کو اس شخص سے منسوب کرتے ہیں جس نے اس کے وقوع پذیر ہونے کے لئے شرائط اور مقدمات کو فراہم کیا اور عموماً جو کام خلقت کے تکوینی نظام اور اس کے نا قابل تغیر قوانین کی بنیاد پر انجام پاتے ہیں۔وہ اسی قسم کے ہیں۔

مثال: اگر کوئی شخص چھ منزلہ عمارت کی چھت پر چلا جائے اور اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ، آگاہ طور پر چھت سے فضا میں چھلانگ لگا دے تو وہ نیچے گر کر ہلاک ہوجائے گا اور اس کی ہڈی پسلی ایک ہوجائے گی۔دنیا کے تمام عاقل انسان یہی کہیں گے کہ اس نے خودکشی کی ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ جو عمل اس نے اپنے اختیار و ارادے کے ساتھ انجام دیا ہے وہ اپنے آپ کو چھت سے فضا میں گرانا تھا اور یہ کام اس کی موت کا اصلی سبب نہیں بلکہ اس کی موت زمین کی کشش ثقل کی وجہ سے واقع ہوئی ہے کہ اس کشش نے اسے فضا سے اپنی طرف کھینچا ہے اور سختی کے ساتھ زمین پر دے پٹخا ہے اور یوں اس کی زندگی کا خاتمہ کردیا ہے۔

کشش ثقل نظام خلقت کے تکوینی قوانین میں سے ہے جو زبردستی اجراء ہوتے ہیں اور انسانوں کے اختیار میں نہیں لیکن چونکہ خودکشی کرنے والے نے اس غیر اختیاری امر کے وقوع کی شرائط اور مقدمات اپنے اختیار و ارادے سے فراہم کردیئے اور عمداً اپنے آپ کو فضا میں گرا دیا یوں اس نے اس عمل سے اپنے آپ کو کشش ثقل کے حوالے کر دیا جس کا نتیجہ اس کی موت کی صورت میں نکلا۔اسی لئے لوگ کہتے ہیں کہ اس نے خودکشی کی ہے اور اپنی آگاہی پر مبنی فیصلے کے ذریعے اپنی زندگی کا خاتمہ کردیا ہے۔

مودت معرفت کے بعد

مودت اہل بیت اگرچہ نفسیاتی لحاظ سے ہماری دسترس میں نہیں لیکن ان کے حق سے آگاہی اور معرفت مودت کے تحقق پذیر ہونے کی شرط ہے جو ہمارے بس میں ہے۔یعنی اگر کوئی شخص اہلبیت کو اس طرح پہچان لے جس طرح نبی اکرمؐ

نے ان کا تعارف کرایا ہے تو وہ ان کے حق سے آ گاہ ہو جائے گا، ان کی حقیقی قدر و منزلت سے آشنا ہو جائے گا، وہ حتماً اپنے دوستی و محبت کے جذبے کے تحت ان کا دوست و محب بن جائے گا اور حب ذات کی کشش ان کی مودت کا پیش خیمہ ہو گی کیونکہ وہ اہل بیتؑ کی ہدایت اور راہنمائی کے ذریعے سچے اسلام کا پیرو بن جائے گا۔ وہ اپنی ابدی سعادت پالے گا اور اپنے انسانی کمال تک پہنچ جائے گا اور ان کی ہدایت سے انحراف اور مخالفت کی وجہ سے حقیقی اسلام سے دور ہو جائے گا، ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔ اور آ کر ہلاکت و تباہی سے دو چار ہو جائے گا۔ بے شک اگر ایک مسلمان انسان ایسے اہل بیت سے واقف ہو جائے اور اسے ان کے حق کی پہچان ہو جائے تو وہ حتمی طور پر ان کے دوستوں میں سے ہو جائے گا۔ اور وہ ایسے افراد سے بے اعتنائی اختیار نہیں کر سکتا جو اس کی ابدی سعادت کا سرمایہ ہیں۔

ایک روشن مثال

رسول اکرمؐ کی احادیث میں اہل بیت علیہم السلام اور مسلمانوں کے ان سے تمسک کے بارے میں ایک مثال دی گئی ہے جو رابطۂ معرفت و محبت کو واضح کرتی ہے۔ قارئین کے لئے پیغمبر اسلامؐ کی بات کو اچھی طرح واضح کرنے کی خاطر مثال سے پہلے ایک مقدمہ ذکر کرنا ضروری ہے تا کہ وہ بہتر انداز میں اور زیادہ سے زیادہ زیر بحث مسئلہ کو سمجھ سکیں۔

آپ ایک ساحلی شہر میں رہنے والے شخص کا تصور کریں جو ہر وقت مسافروں اور سامان بھری کشتیوں کو ساحل پر لنگر انداز ہوتے اور مسافر اتارتے اور بٹھاتے، سامان اتارتے یا چڑھاتے دیکھتا رہتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ ان کشتیوں سے کسی قسم کا ربط اور وابستگی نہیں رکھتا اس لئے وہ ہر روز ان کے قریب سے بے اعتنائی سے گذر جاتا ہے وہ کشتیوں کے ہونے یا نہ ہونے اور ان کے مالکوں کے نفع و نقصان کے بارے میں نہیں سوچتا۔

اگر یہی شخص ایک دن بحری سفر کے لئے ان میں سے کسی ایک کشتی میں سوار ہو جائے اور سمندری راستے پر چل پڑے طبعی طور پر وہ کشتی سے مانوس ہو جائے گا اس طرح کہ اگر سمندر کے وسط میں کوئی سانحہ پیش آ جائے اور فنی نقص کی وجہ سے کشتی معرض خطر میں پڑ جائے تو یہ شخص غمگین اور سخت پریشان ہو جائے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کی بقاء کشتی کی بقاء سے وابستہ ہے اور اس کی زندگی اور سلامتی کشتی کے سالم رہنے میں ہے چونکہ وہ اپنے آپ سے محبت کرتا ہے اس لئے کشتی جو اس کی محافظ ہے، سے بھی اسے محبت کرنی چاہیے۔

محبت حب ذات کی بنیاد پر

اگر سمندر کے وسط میں کوئی اسے یہ کہے کہ کشتی سے توجہ ہٹا لو اور اس سے رابطہ منقطع کر لو کہ تمہیں ہم اس سے جدا

کرنا چاہتے ہیں اور تمہیں سمندر میں ڈالنا چاہتے ہیں تو اس پر وہ شدید غصے میں آ جائے گا، وہ نہ صرف ایسا کام نہیں کرے گا اور کشتی سے جدا نہیں ہوگا بلکہ اپنی تمام قوت و توانائی صرف کرے گا کہ کسی طرح اپنی جان ان سے چھڑا لے اور اسی طرح کشتی میں رہے تا کہ سمندر کی موجوں کا نشانہ نہ بنے اور ہلاکت و نابودی سے دو چار نہ ہو۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس بیکراں سمندر میں صرف یہی کشتی اس کا وسیلۂ نجات ہے۔ یہ کشتی ہی ہے جو اسے خوف سے رہائی دلا سکتی ہے اور اسے ساحلِ نجات تک پہنچا سکتی ہے۔

رسولِ اکرمؐ نے اپنی بعض احادیث میں اہلِ بیت علیہم السلام کو نجاتِ مسلمین کے لئے کشتی سے تشبیہ دی ہے۔

کشتی نوحؑ کی مثال

حضرت رضا علیہ السلام نے اپنے اجداد سے انہوں نے امیر المومنین سے اور انہوں نے رسولِ اکرم علیہم الصلوۃ والسلام سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مثل اهل بیتی کمثل سفینة نوح من رکبها نجی ومن تخلف منها زج فی النار۔ [1]

میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی طرح ہے جو اس پر سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جس نے اسے ترک کیا وہ آگ میں ڈالا جائے گا۔

مختصر یہ کہ یہ مودت وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اجر رسالت پیغمبر اکرمؐ اور لوگوں کے دینی فرائض میں سے مسلمانوں کی نجات سعادت اور ان کی ہدایت کے لئے قرار دیا ہے۔ درحقیقت محبت اہل بیت علیہم السلام کا فائدہ خود لوگوں کو پہنچتا ہے اور یہی بات قرآن شریف اور روایات میں بیان ہوئی ہے۔

قل ماسئلتکم من اجر فھو لکم ان اجری الا علی اللہ وھو علی کل شئ شھید۔ [2]

اے رسول! لوگوں سے کہہ دو جو کچھ میں نے تم سے اجرِ رسالت مانگا ہے وہ تمہارے ہی لئے فائدہ مند ہے اور میرا اجر تو خدا پر ہے اور وہ ہر چیز سے آگاہ و واقف ہے اور وہ میری بات کی سچائی اور خلوصِ نیت

---

[1] سفینہ، ج ۱، (سفن) ص ۶۳۰

[2] تفسیر صافی، ص ۴۴۳

کو جانتا ہے۔

اصول کافی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

اجر المودة الذی لم اسئلکم غیره فهو لکم تهتدون به وتنجون من عذاب یوم القیمة۔ [1]

اجر مودت کہ اس کے علاوہ میں نے تم سے کوئی اجر نہیں چاہا اس میں تمہارے لئے ہی فائدہ ہے کیونکہ اس اجر سے تم اہل بیت کی مودت سے ہدایت پا جاؤ گے اور عذاب آخرت سے نجات حاصل کر لو گے۔

عوام اور اہلبیت

اہل بیت علیہم السلام کی نسبت سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس نے رسول اکرمؐ کے فرمان کی پیروی کی۔ اہل سنت اور شیعوں کی کتب کا مطالعہ کیا اور اہل بیت کی عظمت و اہمیت سے واقف ہو گئے اور اپنی سعادت و نجات اہلبیت کی محبت و مودت میں ہی جاننے لگے۔

بے اعتنا گروہ

دوسری قسم ان افراد کی ہے جنہوں نے آنحضرت کی باتوں کی تحقیق نہیں کی، اہل بیت کے بلند و بالا مقام نہ پہچانا اور جس بات کی رسول اکرمؐ نے بار بار تاکید فرمائی اسے نہ سمجھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اہل بیت سے بے اعتنا ہو گئے۔ یہ نا آگاہ اور جاہل ہیں خواہ یہ قاصر ہوں یا مقصر ہر صورت میں اہل بیت عصمت و طہارت کی محبت سے بے بہرہ ہیں اور قیامت کے دن حکمِ الٰہی سے ان کے انجام کا فیصلہ کیا جائے گا۔

دشمن اور ضدی گروہ

تیسری قسم اہل بیت کے مخالفوں اور دشمنوں پر مشتمل ہے۔ ان میں بہت سے لوگ صدر اسلام میں اہل بیت کے مقام رفیع سے آگاہ تھے اور ان کے بارے میں حضور اکرمؐ کے فرامین کو بھی جانتے تھے لیکن خود پسندی، ہوائے نفس، حب جاہ اور شیطانی افکار کی بدولت وہ منحرف ہو گئے۔ انہوں نے حق سے روگردانی کی اور اپنے دل میں اہل بیت سے بغض و کینہ کو پروان چڑھایا۔

---

[1]

یہ گروہ ان لوگوں کی مانند ہے جنہوں نے قریب سے حضرت موسیٰ بن عمران کے معجزات کو دیکھا اپنے دل میں یہ یقین پیدا کرلیا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور جو عمل اس نے انجام دیا وہ آیاتِ الٰہی میں سے ہے لیکن انہوں نے ظاہراً ان کے معجزات کو جادو سے تعبیر کیا اوران کی رسالت کا انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے:

برتری حاصل کرنے کا انگیزہ

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ [1]

جب ہماری آیات کا انہوں نے مشاہدہ کرلیا تو کہنے لگے: یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جو موسیٰ کے معجزات تھے سے انکار کیا جب کہ ان کے ضمیر آیات کے معجزہ ہونے اور موسیٰ کی نبوت پر یقین رکھتے تھے۔ یہ ظالمانہ اور خلافِ حق باتیں انہوں نے برتری اور اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے لئے کیں۔

اہل بیت علیہم السلام سے دوستی ومحبت اور اس کے فوائد وثمرات کے بارے میں، اسی طرح ان کی دشمنی اور اس کے نقصانات کے متعلق اہل سنت اور اہل تشیع کے بزرگ علماء نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں جو کتبِ معتبرہ میں ذکر ہوئی ہیں۔ گفتگو کے طول پکڑ جانے کے خوف سے یہاں پر ان میں سے صرف چند احادیث کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے طول پکڑ جانے کے خوف سے یہاں پر ان سے صرف چند احادیث کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ آخر میں سنی اور شیعہ ذرائع سے نقل کی جانے والی ایک ایک حدیث کو بیان کیا جاتا ہے۔ پہلی حدیث زمخشری نے تفسیر کشاف[2] میں اس آیت ''قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ[3]'' کے ذیل میں ذکر کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

من مات علی حب ال محمد مات شهيد. الا ومن مات علی حب ال محمد مات مغفورا له. الا ومن مات علی حب ال محمد مات تائبا. الا ومن مات

---

[1] النمل ۱۳، ۱۴

[2] تفسیر کشاف، ج ۳ ص ۴۶۷

[3] الشوریٰ ۲۳

علی حب ال محمد مات مومنا مستکمل الایمان...... الا ومن مات علی بغض ال محمد جاء یوم القیمة مکتوب بین عینیه ائس من رحمة الله۔ الا ومن مات علی بغض ال محمد لم یشم رائیحة الجنة۔ [۱]

جو شخص آلِ محمد کی محبت پر مرے وہ شہید ہے، آ گاہ ہو جو آلِ محمد کی محبت پر اس دنیا سے رخصت ہو تو وہ بخشا ہوا ہے۔ آ گاہ رہو جو اہل بیت کی محبت پر دنیا سے کوچ کر جائے وہ مومن بن کر اس دنیا سے گیا اور مومن بھی ایمان کامل کے ساتھ۔ خبردار جو شخص آلِ محمد سے دشمنی کے ساتھ مرے قیامت کے دن جب وہ عرصۂ محشر میں وارد ہوگا تو اس کے دو آنکھوں کے درمیان ''رحمت خدا سے مایوس'' لکھا ہوا ہوگا۔ آ گاہ رہو! جو بھی دشمنی آل محمد پر دنیا کو ترک کرے وہ کافر ہو کر مرا، آ گاہ رہو! جو کوئی دشمنی آل محمد پر مرے وہ بہشت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔

نعمت کے بارے میں سوال

عیون الرضا میں ہے کہ حضرت رضا علیہ السلام نے فرمایا:

لیس فی الدنیا نعیم حقیقی فقال له بعض الفقهاء ممن حضره فیقول الله عزوجل "ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم"[۲] اما هذا النعیم فی الدنیا وهو الماء البارد۔

دنیا میں حقیقی نعمت کا وجود نہیں ہے۔ آپ کی محفل میں حاضر بعض فقہاء نے قرآن مجید کی مذکورہ آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ قیامت کے دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، کیا ٹھنڈا اور میٹھا پانی نعمت نہیں؟ امام رضا علیہ السلام نے اپنی آواز بلند کرتے ہوئے فرمایا: آپ لوگوں نے آیت کی یوں تفسیر کی ہے کہ آپ میں سے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نعمت ٹھنڈا پانی ہے، بعض نے کہا ہے کہ اچھی غذا نعمت ہے اور کچھ نے کہا کہ گہری نیند نعمت ہے۔ میرے باپ نے اپنے والد گرامی سے حدیث نقل فرمائی ہے کہ یہ بات آنحضرت نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر فرمائی ہے۔ امامؑ ناراض ہوئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو چیز بندوں کو اپنے فضل سے عنایت کی ہے اس کے بارے میں وہ سوال نہیں کرتا اور ان پر منت نہیں

---

[۱] الشوریٰ۔ ۲۳

[۲] التکاثر۔ ۸

لگا تا کیونکہ انعام پر مخلوقِ خدا پر احسان دھرنا قبیح ہے اور ایسی قباحت کی خالق کی طرف کیسے نسبت دی جاسکتی ہے۔ پھر فرمایا: قیامت کے دن جس نعیم کے بارے میں پوچھا جائے گا وہ ہم اہلبیت سے دوستی اور محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ توحید اور نبوت کے بعد اس کے متعلق سوال کرے گا۔ اس کے بعد آپؑ نے فرمایا:

موت کے بعد پہلا سوال

ولقد حدثني بذلك ابي عن ابيه عن ابائه عن علي عليهم السلام قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: يا علي اول ما يسئل عنه العبد موته شهادة ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله وانك ولي المومنين بما جعله الله وجعلته لك فمن اقرب بذلك وكان يعتقده صار الى النعيم الذي لا زوال له۔ [1]

میرے والد گرامی نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے اجداد سے اور اجداد نے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: اے علی! موت کے بعد بندے سے سب سے پہلے سوال توحید و نبوت کی شہادت اور تیری ولایت کے بارے میں ہوگا کیونکہ تجھے حکمِ الٰہی سے ولی المومنین مقرر کیا گیا ہے اور میں نے حق تعالیٰ کے حکم سے اس مقام پر تیرا تقرر کیا ہے پس جو شخص اس بات کا اقرار کرے اور اس کا عقیدہ رکھے تو وہ زوال ناپذیر نعیم یعنی بہشتِ جاوید کا مستحق قرار پائے گا۔

قیامت کے دن جن امور کے بارے میں سخت پوچھ گچھ ہوگی اور جو عذاب یا ثواب الٰہی کا سبب ہیں ان میں سے ایک شوہر کا اپنی بیوی اور بیوی کا اپنے شوہر سے اچھا یا برا سلوک ہے۔ اس موضوع پر نبی اکرمؐ اور آئمہ علیہم السلام سے بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں۔ یہاں پر ان میں سے صرف دو حدیثیں نقل کی جاتی ہیں۔

شوہر اور بیوی کو نصیحت

رسول اکرمؐ نے فرمایا:

ايما امرأة اذت زوجها بلسانها لم يقبل الله منها صرفا۔ ولا عدلا ولا

---

[1] بحار الانوار، ج ۳ ص ۳۲۹

حسنة من عملها حتى ترضيه وان صامت نهارها وقامت ليلها وكانت اول من يرد النار وكذلك الرجل اذا كان لها ظالما ۔ [۱]

جوعورت اپنی زبان سے اپنے شوہر کو آزار و اذیت پہنچائے گی اس گناہ کی تلافی کے لئے اللہ تعالیٰ اس کا کوئی عذر اور صدقہ قبول نہیں فرمائے گا جب تک وہ اپنے شوہر کو راضی نہ کر لے اس کا کوئی بھی نیک عمل قبول نہیں ہوگا اگرچہ وہ دنوں کو روزے رکھے اور راتیں عبادت میں گذار دے اور وہ عورت قیامت کے دن سب سے پہلے آتشِ جہنم میں ڈالی جائے گی اور جو مرد اپنی بیوی کو تکلیف پہنچائے گا اس کا بھی یہی حال ہوگا اور جب تک وہ اپنی بیوی کو راضی نہ کر لے اس کے نیک اعمال اور عبادت قبول نہیں ہوگی اور وہ مرد روزِ قیامت پہلا شخص ہوگا جو دوزخ کی آگ میں جھونکا جائے گا۔

اسی طرح رسول اکرمؐ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

الا وايما امرأة لم ترفق بزوجها وحملته على ما لا يقدر عليه وما لا يطيق لم تقبل منها حسنة وتلقى الله وهو عليها غضبان ۔ [۲]

آگاہ رہو! جو عورت زندگی میں اپنے شوہر سے بگاڑ کر رکھے اور اسے ایسے کام کے لئے مجبور کرے جو اس کی قدرت و طاقت سے باہر ہے اس عورت کی کوئی نیکی بھی قابل قبول نہیں ہے اور قیامت میں خداوند تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوگا۔

ہم سب جانتے ہیں کہ لوگوں کے بہت سے اعتقادی، اخلاقی اور عملی انحرافات کا سرچشمہ برے اور فاسد افراد سے دوستی اور ان کی صحبت ہے۔ اسی لئے اولیاء دین نے اپنی تعلیمات میں اس بات کو اہمیت دی ہے اور یاد دہانی کروائی ہے کہ قیامت کے دن تمام سوالوں سے قبل دوست اور مصاحب کے متعلق سوال ہوگا اور انسان کا اس لحاظ سے حساب و کتاب ہوگا۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے:

---

[۱] امالی صدوق۔ص ۲۵۷

[۲] امالی صدوق۔ص ۲۸۵

مصاحب کے بارے میں سوال

ان اول ما یسئل عنه العبد یوم القیمة عن جلسائه۔ [1]

قیامت کے دن انسان سے سب سے پہلا سوال اس کے مصاحبین کے بارے میں ہوگا۔

باطنی صفات کی تحقیق

قیامت کے روز حساب و کتاب کے متعدد مواقف و مقامات ہیں۔ اسی طرح جن مسائل کے بارے میں سوال ہوں گے وہ بھی بہت زیادہ ہیں۔ ان میں کچھ سوالات لوگوں کے عقائد اور افکار سے مربوط ہوں گے یعنی ایسے عقائد جو ان کے اعمال، رفتار اور گفتار کا سرچشمہ ہیں۔ عقائد اگر پاکیزہ و منزہ ہوں تو وہ انسان کے اعمال کو خلوص اور پاکیزگی عطا کرتے ہیں اور اگر فاسد ہوں تو اعمال کو بھی برائی سے آلودہ و فاسد بنا دیتے ہیں۔ بعض سوالات دینی ذمہ داریوں اور عبادات کے متعلق ہوں گے یعنی سوال کیا جائے گا کہ کیا تم نے اوامر الٰہی کو انجام دیا ہے اور دینی فرائض کو ادا کیا ہے؟ اگر وہ بجالایا گیا ہوگا تو پھر اس بات کو دیکھا جائے گا کہ عمل کی بجا آوری میں ضروری تعلیمات کا خیال رکھا گیا ہے یا نہیں۔ کچھ سوالات انسان کی باطنی صفات اور نفسانی عادات کے بارے میں پوچھے جائیں گے یعنی اس بات کی تحقیق کی جائے گی کہ دنیا میں انسان کن صفات و عادات کا حامل تھا، انہیں وہ کس طرح بروئے کار لایا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اس نے کیسا سلوک روا رکھا۔ بعض افراد قیامت کے تمام مواقف پر سرخرو اور سربلند ہوں گے بعض تمام مقامات پر سرفراز ہوں گے بعض تمام مقامات پر ذلیل اور شرمندہ ہوں گے۔ بعض کچھ مقامات پر سرفراز ہوں گے اور کچھ شرمندہ اور سر جھکائے ہوں گے۔

حیوانات کے متعلق مواخذہ

ان تمام مواقف اور تمام سوالات و پوچھ گچھ جن کا ذکر قرآن اور احادیث میں ہوا ہے کی تفصیل کو ایک دو مقالوں میں نہیں سمویا جاسکتا۔ یہاں تک جن امور کے متعلق وضاحت کی جاچکی ہے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ لیکن ایک نکتے کی طرف توجہ کرنا بہت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ قیامت میں حساب و کتاب کے وقت صرف انسانوں کے ایک دوسرے کے حقوق کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا بلکہ روایات بتاتی ہیں کہ لوگوں سے حیوانات، زمین اور آبادی کے متعلق بھی سوال و جواب کئے جائیں گے اور ان پر بھی مواخذہ ہوگا۔ اسی مناسبت سے بحث کی تکمیل کے لئے اس بارے میں وارد ہونے والی بعض

---

[1] تفسیر در المنثور، ج ۵ ص ۲۷۳

روایات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

حیوانات کے متعلق مواخذہ

ابن عمرؓ رسول اکرمؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

ان الرجل یسئل عن کل شئ حتی عن حیة اهله۔ [1]

بے شک قیامت میں انسان سے تمام چیزوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کے گھر میں رہنے والے جانوروں مثلاً بلی، کتا وغیرہ کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔

زمین کے بارے میں مواخذہ

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اتقوا الله فی عباده وبلاده فانکم مسئولون حتی عن البقاع والبهائم۔ [2]

بندگانِ الٰہی اور بلادِ الٰہی کے بارے میں خدا کے عذاب سے ڈرو کیونکہ ان کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ تم سے زمین اور حیوانات کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔

قیامت میں لوگوں سے پوچھا جانے والے سوالات دینی فرائض اور ان قوانین وسنن کی بنیاد پر ہوں گے جنہیں شارع مقدس نے مقرر کیا ہے اور انہی میں سے حیوانات اراضی اور آبادیوں کے متعلق لوگوں کے فرائض اور تکالیف میں۔ فقہاء عظام نے منابع اسلامی سے استفادہ کرتے ہوئے اس بارے میں لوگوں کے فرائض کو اپنی فقہی کتب میں فتاویٰ کی صورت میں ذکر کیا ہے۔ فقیہ عالی مقام صاحب جواہر اعلی اللہ مقامہ کہتے ہیں:

حیوانات کے حقوق

واما انفقه البهائم المملوکه التی منها دود القرء والنحل وغیرهما فواجبة بلا خلاف سواء کانت ما کولة اللحم اولم تکن وسواء انتفع بها اولا ولکن لا تقدیر لنفقاتهن وانما الواجب القیام بما تحتاج الیه من

[1] لسان العرب (حیا)، ص ۲۱۴

[2] نہج البلاغہ، خطبہ ۱۶۷

اکل وسقی ومکان وجل و نحر ذلك مما یختلف باختلاف الازمنة والامکنة۔ [۱]

وہ حیوانات جوانسان کی ملکیت ہیں۔مثلاً ریشم کا کیڑا،شہد کی مکھی اوران کےعلاوہ دوسرے جانورتمام فقہا کااس بات پراتفاق ہے کہ ان مملوک حیوانات کا نفقہ(خوراک)واجب ہے۔خواہ یہ حلال گوشت ہوں یانہ ہوں،خواہ مالک اس سے نفع حاصل کرتا ہو یانہ کرتا ہو،البتہ حیوانات کے نفقے کی کوئی مقدار معین نہیں کی گئی۔جووجوب شرعی کا تقاضا ہے وہ یہ ہے کہ حیوان کی غذا،پانی،جگہ،لباس اوراس قسم کی جودوسری ضروریات ہیں انہیں زمان ومکان کے مطابق پورا کیا جائے۔

حکومت اور مالک پر زبردستی

پھرفرماتے ہیں اگر جانور کا مالک نفقہ دینے کا فریضہ انجام نہ دے اوراسے آزاد بھی نہ کرے کہ وہ خود جاکر کر اپنی روزی تلاش کرے تو حکومت اسلامی اسے اپنا فریضہ انجام دینے پرمجبور کرے گی اگر مجبور کرنے سے عاری ہو تو حاکم خود مالک کی نیابت میں جو کام ضروری سمجھے گا اس کو انجام دے گا اور مالک کے اموال سے جانور کی خوراک کا بندوبست کرے گا۔اگر اس کا منقول مال موجود نہ ہو وہ حاکم اس کے غیرمنقولہ مال میں سے اس کام کی ادائیگی کے لئے اقدام کرے گا۔یہاں پر صاحب جواہرمرحوم نے حاکم کےفریضے کی فروعات بیان کی ہیں اس کے بعدفرماتے ہیں:

ولو لم یوجد ما ینفق علی الحیوان ووجد عند غیرہ وجب الشراء منه فان امتنع من البیع ففی المسالك یجوز غصب العلف منه لا بقائها اذا لم یوجد غیرہ کما یجوز غصبه کذلك لحفظ الانسان ویلزمه المثل او القیمة۔ [۲]

اگروہ چارہ جو جانور کی غذا ہے عام حالات میں میسر نہ ہواور وہ کسی مخصوص شخص کے قبضے میں ہوتو واجب ہے اس آدمی سے خریدا جائے اوراگروہ آدمی بیچنے سے اجتناب کرے۔جب کہ وہ چیز اس کے علاوہ کسی اور کے پاس نہ ہوتو صاحب مسالک کے قول کے مطابق جانور کی زندگی کی حفاظت

---

[۱] جواہر،ج۳۱،ص ۳۹۴،۳۹۶

[۲] جواہر،ج۳۱ص ۳۹۴،۳۹۶

کے لئے وہ چیز اس سے غصب کی جاسکتی ہے جیسا کہ انسان کی جان کی حفاظت کے لئے ضروری تھا مواقع پر غذا غصب کرنا جائز ہے۔ البتہ اس چیز جیسی کوئی اور چیز یا اس کی قیمت اس کے مالک کو ضرور ادا کرنی چاہیے۔

جانوروں پر ظلم یا ترحم

حیوانات کے حقوق کی شرعی اصولوں کے مطابق رعایت کرنا ان کے مالکوں کے قطعی فرائض میں سے ہے۔ ان فرائض وتکالیف کی بنیاد پر جو شارع مقدس نے ان کے لئے مقرر کئے ہیں، ان کا مواخذہ کیا جائے گا اور اپنے انجام دیئے گئے عمل کی مناسبت سے جزاء وسزا کے مستحق ہوں گے۔ ممکن ہے بعض افراد دینی فرائض کی مخالفت کرتے ہوئے اور انصاف کے تقاضوں اور انسانی جذبات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے جانوروں کے ساتھ برا سلوک کریں اور ان پر ظلم وستم کریں جس کی وجہ سے رحیم ومہربان خدا کو طیش میں لے آئیں اور اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنالیں۔ اس کے برعکس بھی ممکن ہے کہ ایک گنہگار شخص انسانی جذبے کے ساتھ ایک حیوان پر مہربانی کرے اور اس ذریعے سے اپنے کو عفو الٰہی میں شامل کرلے اور بہشت کا حقدار بن جائے۔ روایات میں ان دونوں بات کے نمونے ملتے ہیں۔

دوعورتوں کی جزا وسزا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

اطلعت لیلة اسری علی النار فرأیت امراة تعذب فسألت عنها فقیل انها ربطت هرة ولم تطعمها ولم تسقها ولم تدعها تاکل من خشاش الارض حتی ماتت فعذبها بذلك واطلعت علی الجنة فرأیت امرأة مومسة یعنی زانیة فسألت عنها فقیل انها مرت بکلب یلهث من العطش فارسلت ازارها فی بئر فعصرته فی حلقه حتی روی فغفر الله لها۔ [1]

شبِ معراج میں نے دوزخ کو دیکھا اس میں ایک عورت عذاب میں مبتلا تھی۔ میں نے اس کا گناہ پوچھا تو جواب دیا گیا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ دیا تھا نہ اسے غذا اور پانی دیتی تھی اور نہ اسے آزاد کرتی

---

[1] جواہر الکلام، ج ۳۱، ص ۳۹۵

تھی کہ وہ خود جا کر غذا تلاش کر سکے۔ اس نے اسی دردناک حالت میں رکھا۔ یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو اسی گناہ کی سزا کے طور پر دوزخ میں ڈالا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جب مجھے بہشت میں لے جایا گیا میں نے وہاں پر ایک بدکار عورت کو دیکھا۔ میں نے اس کے بارے میں سوال کیا: جواب دیا گیا کہ اس عورت کا گذر ایک کتے کے قریب سے ہوا جو پیاس کی وجہ سے جاں بلب تھا اور اس کی زبان پیاس کی شدت سے باہر نکلی ہوئی تھی اس نے اپنے دوپٹے کو کنوئیں میں ڈالا اسے بھگو کر کتے کے منہ میں نچوڑا۔ یہ عمل اس نے کئی بار انجام دیا۔ یہاں تک وہ کتا سیراب ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی عمل کی وجہ سے اس کے گناہوں کو معاف کر دیا۔

زمین اور آبادیوں اور شہروں کے بارے میں بھی اسلامی قوانین کی روشنی میں لوگوں کے فرائض مقرر ہیں اور قیامت کے دن ان کے متعلق پوچھا جائے گا اور ان پر مؤاخذہ ہوگا۔ یہاں پر اس کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے۔ پر انسانوں کو مسلط کیا ہے اور ان کو انسانوں کے لئے مسخر کیا ہے اور انہیں اس کرۂ خاک کو آباد کرنے کی صلاحیت اور لیاقت عطا فرمائی ہے اور ان سے چاہا ہے کہ وہ اس مقدس اور سعادت بخش فریضہ کو کوشش کے ساتھ انجام دیں اور زمین کو اپنے اور دوسروں کے نفع کے لئے آباد کریں۔

انسان اور زمین کی آبادی

ارشادِ الٰہی ہے:

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا [1]

اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے خلق فرمایا ہے اور اس کی آبادی کو تم سے چاہا ہے۔

اس عالم طبیعت میں کوئی بھی حیوان خلاق فکر اور ادراک کی قوت کا مالک نہیں ہے کہ وہ زمین کو آباد کر سکے اور ان کے خزانوں سے ذخائر کو باہر نکال سکے۔ یہ صرف انسان ہیں جو اس گراں قدر عطیہ سے بہرہ مند ہیں وہ اپنی اندرونی و بیرونی توانائیوں اور اپنی فکر کو بروئے کار لا کر الٰہی خواہش کو پورا کر سکتے ہیں۔ وہ زمین کی چھپی ہوئی صلاحیت کو بروئے کار لا سکتے ہیں اسے آباد کر کے قابلِ استعمال اور قابلِ استفادہ بنا سکتے ہیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی وجہ سے زمین کی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے اور اس کرۂ خاک کا رخ

---

[1] ہود۔ ۶۱

بالکل بدل گیا ہے۔لیکن زمین کو آباد کرنے کا قدیمی ترین طریقہ زراعت اور درخت کاری اسی طرح پائیدار اور برقرار ہے۔ یہ طریقہ ہرگز ختم نہیں ہوگا کیونکہ کھیتیاں اور باغات لوگوں کی غذا کی فراہمی کا ذریعہ اوران کی زندگی کے محافظ ہیں۔دین اسلام میں یہ دو کام نہایت اہم شمار کئے گئے ہیں اس سلسلے میں اولیاء دین سے بہت ساری روایات نقل ہوئی ہیں، مثلاً:

زراعت اور شجر کاری

امام صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا:

ازرعوا وغرسوا واللہ ما عمل الناس عملا احل ولا اطیب منہ۔ [1]

فصلیں اگائیں اور درخت لگائیں خدا کی قسم ان تمام کاموں میں سے جو لوگ اپنی زندگی کے لئے انجام دیتے ہیں کوئی بھی کام اس سے حلال تر اور پاک تر نہیں ہے۔

نظامِ قدرت میں پانی اور مٹی کو انسانوں کی روزی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔لوگوں کا یہ فرض ہے کہ وہ زمین کے سینے کو چاک کریں اور اس میں بیج ڈالیں اور یوں خداداد روزی حاصل کریں اور اپنی زندگی کو جاری وساری رکھیں۔

اگر کسی کے پاس زمین اور پانی ہو لیکن وہ تساہل اور سستی کی وجہ سے وقت پر بیج نہ ڈالے اور زمین کو بنجر بنائے رکھے یا اپنی سرسبز کھیتی اور باغ کو سیراب نہ کرے اور پانی ضائع کردے اور یوں کھیتوں اور درختوں کو خشک کردے تو بے شک اس نے اپنے ناروا عمل سے ایک طرف تو نعمتِ الٰہی کا کفران کیا اور دوسری طرف معاشرہ پر ظلم کیا۔ایسا انسان دربارِ الٰہی میں مسئول ہے۔اور آئمہ علیہم السلام کی نظر میں وہ اچھا شخص نہیں ہے۔حضرت علی علیہ السلام نے اس قسم کے افراد کے بارے میں جو مسلمانوں کے لئے ننگ وعار اور معاشرہ کی ذلت کا باعث ہیں، یوں فرمایا ہے:

من وجد ماء وترابا ثم افتقر فابعدہ اللہ۔ [2]

جو شخص زمین اور پانی ہونے کے باوجود اپنی زندگی کو فقر وتنگدستی میں گذارے اس پر نفرین ہو اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے۔

تمام گفتگو کا نتیجہ

اس پوری بحث سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ انسان بارگاہِ الٰہی میں مسئول اور قابلِ مواخذہ ہے اور روزِ جزا ان تمام

---

[1] سفینہ، ج اول، زرع، ص ۵۴۹

[2] وسائل، ج ۱۲ باب العمل، ص ۲۴

نیک و بداعمال کی جانچ پڑتال کا دن ہے۔جنہیں اس نے اپنی پوری زندگی میں انجام دیا ہوگا۔لیکن اخروی زندگی ایک نئی زندگی ہوگی جس کے نئے قوانین اور حدود ہوں گی جو دنیا کے قوانین سے قابلِ موازنہ نہیں ہوں گے۔

مقتضای حیات و نشوونما
متغیر شود بحکمِ خدا
زندگی اور نشوونما کے تقاضے
حکمِ الٰہی سے بدل جائیں گے
بطریقی کہ بانظام دگر
متولد شود زخاک، بشر
اس طرح کہ ایک اور نظام کے ذریعے
بشر زمین سے پیدا ہوگا
جبرایں فعل و انفعالِ عجیب
ذرہ ہا راباہم کند ترکیب
اس عجیب و غریب عمل و ردعمل کا ناگزیر ہونا
ذروں کو آپس میں میں جوڑ دے گا
جای مادر، زمین بشر زاید
انقلابی کند کہ می باید
ماں کی جگہ زمین بشر کو جنم دے گی
ایسا انقلاب لائے گی جو لانا چاہئے

اس دن لوگوں کو مختلف مقامات پر روکا جائے گا اور ان سے خالق ومخلوق کے حقوق،عقائد اور اخلاق،گفتار وغیرہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔یہاں تک کہ حیوانات،اراضی اور باغات کے بارے میں ان کے نارواروئیے اور سلوک کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور اس پر مواخذہ ہوگا۔

باب نمبر 17

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ (سورہ ابراھیم آیۃ ۴۲)

لامحدود خواہشات کی تکمیل

ماضی کو دیکھیں یا حال کو دنیا میں لوگوں کی اکثریت اپنی نفسانی خواہشات اور ہوا ہوس کے تابع ہے۔ وہ اپنی حد سے زیادہ حیوانی خواہشات کی تکمیل اور اپنے خود سر جبلی میلانات اور شہوات کو پورا کرنے کے لئے قانون کی حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ اسی کی خاطر وہ ظالمانہ اور غیر شائستہ اعمال کے مرتکب ہوتے ہیں، عدل و انصاف کے اصولوں کو پائمال کرتے ہیں اور عملی طور پر کمزور افراد کے حقوق کو غصب کرتے ہیں۔ آخر کار ظالم اور مظلوم دونوں کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا اور وہ مر جائیں گے ظالموں میں سے اکثر اپنے ظلم کا بدلہ نہیں دیکھ پاتے اور اپنے کئے کی سزا بھگتے بغیر اس دنیا سے چلے جاتے ہیں اسی طرح مظلوم اور ستم رسیدہ افراد کی بھی کوئی دستگیری نہیں ہوتی اور ان کے غصب شدہ حقوق واپس نہیں ملتے۔

دنیا میں آزادیٔ بشر

بے شک اللہ تعالیٰ ظالم اور مظلوم کے واقعات اور حالات سے آگاہ ہے وہ ہمیشہ ہر مقام پر تھوڑی ہی دیر میں ظالم کے ہاتھ کو روک سکتا ہے اور اس کے ظالم پنجوں سے مظلوم کو رہائی دلا سکتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا کیونکہ خدا کی قطعی تقدیر یہی ہے کہ اس دنیا میں انسان آزاد رہیں۔ وہ فقط انہیں حق و باطل کے راستوں کی ہدایت کرتا ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو سکے اور نتیجے کے طور پر ان میں سے نیک و بد کی تمیز کی جا سکے۔ البتہ بشر کو یہ بات سمجھانے کے لئے کہ وہ عادل، عالم اور توانا ذات مظلوم کے حقوق کو کبھی معاف نہیں کرے گی اور ظالم کو ضرور سزا دے گی، اس نے تمام آسمانی کتب میں قیامت کا ذکر کیا ہے اور اپنے رسولوں کے ذریعے سے یہ بات پہنچائی ہے کہ اس دن تمام لوگوں کے اعمال کا سخت حساب و کتاب لیا جائے گا یہ بات بھی یاد دلائی ہے کہ وہ اس دن اولین و آخرین مخلوق کو زندہ کرے گا اور تمام ظالمین اور مظلومین کے حساب و کتاب کا جائزہ لے گا۔ قرآن شریف نے اس دن ظالم کی وحشت ناک اور جانکاہ حالت کی تصویر کشی کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

ظالم میدانِ قیامت میں

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ [1]

تم یہ گمان مت کرو کہ اللہ تعالیٰ ظالمین اور متجاوزین کے اعمال سے غافل ہے۔ اس نے ان کے عذاب کو ایک خاص دن کے لئے ٹال رکھا ہے کہ جس دن خوف و وحشت کی شدت سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اس دن ظالم جلدی سے آسمان کی طرف سر اٹھائیں گے اور وہ ٹکٹکی باندھے میدان قیامت کا خوفناک منظر دیکھیں گے۔ اس دن ان کے بیقراء اور آشفتہ دل شدید پریشانی اور بے قراری کی وجہ سے فہم و ادراک کھو بیٹھیں گے۔

دو مطلب مادی نظر میں

وہ افراد جو تمام امور کو مادی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور سب چیزوں کی توجیہ منطق عادی کے مطابق کرنا چاہتے ہیں اس مقام پر ان کا سامنا دو اہم باتوں سے ہوتا ہے۔ پہلی یہ کہ دنیا کے آغاز سے لے کر آج تک اربوں ظالم اور مظلوم انسان اس دنیا میں آئے اور چلے گئے اس کے بعد بھی یہ سلسلہ تا قیام قیامت جاری رہے گا، یہ کس طرح ممکن ہے کہ تمام ظالمین اور مظلومین ایک ہی دن زندہ ہو جائیں گے اور اسی دن عدالتِ الٰہی میں پیش ہوئیں ظالموں کو سزا مل جائے اور مظلوموں کو ان کا حق مل جائے؟

دوسری یہ کہ وہ کون سی طاقت ہے جو پوری تاریخ انسانی کے تمام مظالم اور جرائم کا بالکل صحیح حساب رکھ سکے اور ظالم و مظلوم ہر ایک کی پہچان کر سکے کہ عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے ہو سکیں اور تمام چھوٹے بڑے مظالم کی اس طرح تحقیق ہو سکے کہ ایک بھی مورد فراموش نہ ہو اور کسی صاحبِ حق کا ذرہ برابر حق بھی ضائع نہ ہو؟

---

[1] ابراہیم ۴۲۔ ۴۳

مادی اور الٰہی فرق

البتہ مادی نظر سے ایسی فکر کا انسان کے ذہن میں آنا اجتناب ناپذیر ہے۔ کیونکہ بشر خود ایک مادی وجود ہے اور محدود قدرت وطاقت کا حامل ہے اور وہ جس ماحول اور عالم میں زندگی گذارتا ہے وہ بھی مادی اور محدود ہے۔ اس کے علاوہ دنیا میں اب تک انسان نے اپنے علم، تجربے اور طاقت سے جو ترقی کی ہے اور مادی عوالم پر تحقیق اور ریسرچ کی ہے ان کی روشنی میں اس نے تمام توانائیوں کو محدود پایا ہے اور اسے پورے عالم مادی میں لامحدود اور بے انتہا طاقت کا سراغ نہیں مل سکا۔ اس بناء پر وہ مندرجہ بالا دو باتوں کو باور نہیں کرسکتا جو مادی لحاظ سے ناممکن ہیں۔لیکن ایک الٰہی انسان اور حقیقی مومن جن سے اپنی عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس منظم کائنات کے نظام کا مطالعہ کیا ہو، دانا وتوانا خالق پر ایمان لایا ہو اور قرآن شریف کو کلامِ الٰہی اور نبی اکرمؐ کو خدا کا رسول سمجھا ہو، وہ کسی قسم کے شک وشبہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔ اسے یہ اطمینان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اپنے تمام انبیاء سے فرمایا ہے اس کے مطابق وہ روزِ محشر اولین وآخرین کو اپنے قیومی ارادے اور لامحدود قدرت سے زندہ کرے گا اور ان کے تمام اعمال جو لوحِ محفوظ پر ثبت ہیں ان کا محاسبہ کرے گا، مظلوموں کی حمایت فرمائے گا اور ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچائے گا۔

سب چیزیں لوحِ محفوظ میں

ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَنَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ ؕ وَکُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۲﴾ [1]

ہم قیامت میں مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ انہوں نے اپنی زندگی میں اچھا برا انجام دیا ہوگا اسی طرح ان کے اچھے برے آثار جو موت کے بعد عائد ہوں گے، سب کو لکھیں گے اور اس سب کو ہم نے لوح محفوظ میں جو ایک آشکار وظاہر کتاب ہے، ریکارڈ کیا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لامحدود ارادے اور قدرت کے متعلق انبیاء کے پیروکاروں کی منطق کو مزید واضح کرنے کے لئے قرآن شریف کی چند آیات کو بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح چند ایک روایات سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔

---

[1]

انسان اور عالمِ تصور

انسان اپنے اندر جس چیز کا بھی ارادہ کرے وہ اسے چند لمحوں میں عالمِ خیالی میں وجود ذہنی دے سکتا ہے، لیکن اگر وہ ذہن سے باہر اپنی مراد کو عملی جامہ پہنانا ہے اور حقیقی وجود دنیا چاہے تو اسے ضروری مواد اور طاقت کو مہیا کرنا ہوگا اور کام کی انجام دہی کے لئے کچھ وقت مخصوص کرنا پڑے گا تا کہ وہ اپنے مورد نظر ہدف کو حاصل کر سکے۔

مثلاً اگر وہ کسی دور دراز کے ملک میں رہتا ہے اور وہ چاہے کہ اپنے وطن واپس چلا آئے اس واپسی کا تصور کرنا اس کے لئے بہت آسان ہے کیونکہ عالم خیال میں وہ دور دراز کے سفر کو فوراً طے کر لے گا اور اپنے شہر پہنچ جائے گا، سڑکوں اور گلیوں سے گذرتا گھر میں داخل ہوجائے گا، اپنے اعزاء واقربا سے گرمجوشی سے گلے ملے گا اور ان سے مل کر بڑی مسرت اور خوشی کا اظہار کرے گا لیکن جب وہ عملی طور پر غیر ملکی سے اپنے وطن کا واپسی کا پروگرام بنائے گا اور سفر کا فیصلہ کرے گا تو اسے سفر کے ذریعے کا بندوبست کرنا ہوگا، اس کے لئے کچھ وقت اور طاقت صرف کرنا پڑے گی پھر وہ اپنے شہر اور گھر پہنچ سکے گا اور اپنے رشتہ داروں اور دوستوں سے ملاقات کر سکے گا۔

ارادۂ الٰہی

مختصر یہ کہ جس چیز کا انسان ارادہ کرے وہ فوراً اپنے تصور میں اسے مجسم کرسکتا ہے لیکن اگر وہ اسے خارج میں بھی عملی صورت دینا چاہتا ہے اور اسے حقیقی وجود دینا چاہتا ہے تو اسے مادہ اور مدت کی ضرورت ہوگی۔ لیکن اللہ تعالٰی کی ذات مقدس کے بارے میں یہ گمان درست نہیں کیونکہ اس کا چاہنا اور اس چیز کا تحقق پانا ایک ہے۔ اس کی مراد صرف ارادے سے جامہ ہستی پہن لیتی ہے اور وہ حقیقی وجود پالیتی ہے۔ بالفاظِ دیگر باری تعالٰی کا ارادہ خود اس چیز کے وجود کی علت تامہ ہے جو اس کی مراد ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے اس بارے میں یوں فرمایا ہے:

اِنَّمَآ اَمۡرُہٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیۡئًا اَنۡ یَّقُوۡلَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۸۲﴾ [1]

خلقت وآفرینش کے مسئلے میں شانِ الٰہی یہ ہے کہ جس وقت وہ کسی چیز کے موجود ہونے کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اس کے حکم ''کن'' سے وہ فوراً موجود ہوجاتی ہے۔

---

[1] یٰسین، ۸۲

ایجادواحداث

صفوان بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوالحسن علیہ السلام کی خدمت میں خدااور مخلوق کے ارادہ کے بارے میں کچھ بیان کرنے کی گذارش کی: آپؑ نے فرمایا:

الارادۃ من الخلق الضمیر وما یبدولھم بعد ذلك من الفعل واما من اللہ تعالیٰ فارادتہ احداثہ لا غیر ذلك لانہ لا یروی ولا یھم ولا یتفکر وھذہ الصفات منفیۃ عنہ وھی صفات الخلق فارادۃ اللہ الفعل لا غیر ذالك یقول لہ کن فیکون، بلا لفظ ولا نطق بلسان ولا ھمۃ ولا تفکر ولا کیف لذلك کما انہ لا کیف لہ۔ [1]

مخلوق کاارادہ ایک چھپی ہوئی فکراور پوشیدہ عمل ہے جوانجام پانے کے بعدظاہر ہوتا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کاارادہ ایجاداوراحداث ہے کیونکہ نہ اس اس کا خیال ہے نہ وہ تفکر کرتا ہےاور نہ کسی کام کرنے کا فیصلہ کرتا ہے یہ مخلوق کی صفات ہیں اور خالق کی ذات اقدس ان صفات سے بری اور منزہ ہے پس خدا کا ارادہ اس کافعل ہے وہ ہونے کاحکم دیتا ہےلیکن یہ حکم نہ توالفاظ ہوتے ہیں کہ زبان سے اداہوں اور نہ ہی فیصلہ اورتفکر ہے۔ یہ حکم کسی کیفیت کا حامل نہیں ہے،جیسا کہ خودذاتِ الٰہی کیفیت کی حامل نہیں ہے۔

ارادۂ خالق اورایجادِموجودات کے بارے میں جوکچھ بیان ہواہےاس کی روشی میں مندرجہ ذیل آیت کامعنی اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ [2]

تم سب کی دنیامیں خلقت اورآخرت میں زندہ ہونااس خالق توانا کے لئے ایک انسان کو پیدا کرنے کی طرح ہے۔

مصنوع کا کمیت اورکیفیت کےلحاظ سے کم یازیادہ ہونابشری صنعت گروں کےافعال اورایجادات میں مؤثر ہے۔کیونکہ ان کا کام محدود مادی طاقت سے وابستہ ہوتا ہےاورزمان ومکان کی حدود میں ہوتا ہے۔لیکن خدا کا ارادہ ہی اس کی

---

[1] کافی،ج اول،ص۱۰۹

[2] لقمان۔۲۸

خلقت ہےاس کے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ ایک انسان کی پیدائش کا ارادہ کرے یا اربوں انسانوں کی خلقت کا۔

تمام انسانوں کا زندہ ہونا

نوع بشر کی آفرینش وخلقت میں اس قادرِ مطلق کا ارادہ یوں تھا کہ دنیا میں انسان تدریجاً متولد ہوں اور بتدریج موت کی وادی میں جائیں، اس طرح نظامِ کائنات حکمت ومصلحت کی بنیاد پر برقرار واستوار ہے۔ جب کہ آخرت میں ارادۂ الٰہی یوں ہے کہ قیامت کے دن دنیا کے دوران ابتدا سے لے کر آخر تک پیدا ہونے والے اور مرنے والے انسان اکٹھے زندہ ہوں اور میدانِ محشر میں حساب وکتاب کے لئے دربارِ الٰہی میں اپنے آپ کو پیش کریں اوران دونوں کا ارادہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایک انسان کو پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ اسی لئے روزِ محشر اولین اور آخرین مخلوق کا زندہ ہونا مادہ پرستوں کی نگاہ میں ناممکن اورغیر قابل قبول امر نظر آتا ہے۔لیکن قرآن کے پیروکاروں کی نظر میں یہ مشکل ترین امر ایک حکمِ الٰہی سے تحقق پا جائے گا اور ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے ایک امرِ تکوینی ''کن'' دنیا میں اول تا آخر آنے اور مرنے والے تمام انسان کو زندہ کر دے گا۔

ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ [1]

اے رسول! لوگوں سے کہہ دو کہ اول سے آخر تک کے تمام انسانوں روزِ قیامت کی وعدہ گاہ میں جمع کئے جائیں گے۔

اس اجتماعی زندگی اور روزِ محشر اللہ کا وعدہ عملی صورت اختیار کرے گا، ظالموں کو حساب کی جگہ روکا جائے گا اور مظلوموں سے ان کا آمنا سامنا کروایا جائے گا۔عدلِ الٰہی جاری ہوگا ظالم سے مظلوم کا حق لیا جائے گا۔اس دن پروردگارِ عالم میدانِ محشر میں موجود تمام افراد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائے گا:

الٰہی عدالت

انا اللہ لا الہ الا انا الحکم العدل الذی لا یجور الیوم احکم بینکم بعدلی وقسطی لا یظلم الیوم عندی احد الیوم اخذ للضعیف من القوی حقہ۔ [2]

میں ہوں خدا کہ میرے سوا کوئی حاکم عادل معبود نہیں ہے۔ایسا معبود جو ظلم نہیں کرتا۔آج کے دن میں تم

---

[1] الواقعہ۔۴۹، ۵۰

[2] علم الیقین ص ۹۲۱

سب کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کروں گا۔ آج میرے دربار میں کسی پر ظلم وستم نہیں ہوگا۔ آج میں کمزور کا حق طاقت ور سے لے کر دوں گا۔

دینِ الٰہی یا راہِ سعادت

اس عالمِ طبیعت میں صرف انسان ایک ایسا جاندار موجود ہے جو عاقل اور آزاد خلق کیا گیا ہے وہ چاہے تو اپنی آزادی سے سوءاستفادہ کرے، دوسروں کے حقوق اور حدود کو پائمال کرے۔ دوسروں پر ظلم وستم روا رکھے اور قیامت کے دن اپنے مظالم اور جرائم کی پاداش میں عذابِ الٰہی کا سزاوار بن جائے۔ آزادی کی نعمت اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ ہے اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں یہ آزادی انسانوں کی ہلاکت وتباہی کا سبب نہ بن جائے اور وہ ظلم و جور کی طرف نہ جھک جائیں اور صراط مستقیم سے منحرف نہ ہوجائیں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت تشریعی سے نوازا ہے اور اتمام حجت کی خاطر اس نے تمام زمانوں اور ادوار میں اپنی دینی تعلیمات جو سعادت اور خوش بختی کا راستہ ہیں، انبیاء کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچائیں۔ لیکن عالمِ طبیعت کے دوسرے جانداروں یعنی حیوانات اور نباتات کو تشریعی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ باری تعالیٰ کی تکوینی ہدایت ان کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی ہے۔

زندہ موجودات اور ہدایت تکوینی

دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے عالمِ طبیعت میں نباتات اور حیوانات کی زندگی کا پروگرام ہدایت تکوینی کے ذریعے سے منظم کیا ہے، اس نے ہدایت کو ان کی فطرت میں رکھ دیا ہے اور یوں انہیں جبری خلقت کے تحت اپنے راستے کو طے کرنا ہوتا ہے۔

درخت اور پودے ہدایت تکوینی سے زمین میں پھوٹتے ہیں، خوراک حاصل کرتے ہیں نشوونما پاتے ہیں اور پھل پھول دیئے ہیں، حشرات اور حیوانات ہدایت تکوینی سے خوراک اور پانی کے پیچھے جاتے ہیں، اپنے گھر اور گھونسلے بناتے ہیں، بچے پیدا کرتے ہیں اور اپنی انفرادی اور نوعی زندگی کی حفاظت کرتے ہیں۔

انسان اگرچہ اس کائنات کے جانداروں میں سے ہے لیکن چند جہتوں سے ان سے فرق رکھتا ہے اس عالم کے تمام جاندار ایک پہلو اور بعد کے حامل ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت تکوینی کے حامل ہیں یعنی ایسی ہدایت جو ان کی سرشت میں داخل ہے۔ لیکن عاقل اور آزاد انسان دو پہلوؤں اور بعدوں کا حامل ہے اس کے دو ہدائتیں ہیں۔ ایک تکوینی اور دوسری تشریعی۔ ہدایت تکوینی ایک فطری تعلیم ہے جو تمام انسانوں کی سرشت میں حکمتِ الٰہی سے موجود ہے

اور اس کے لئے درس وتعلیم کی ضرورت نہیں۔ ہدایت تشریعی وہ ہدایت اور راہنمائی ہے جو انبیاء نے انسانوں تک پہنچائی اور انہیں اس کی تعلیم دی ہے۔

انسان اور ہدایت تشریعی

انسان میں ہدایت تکوینی دوسرے جانداروں کی طرح جبری طور پر اجراء ہوتی ہے اور کسی بھی انسان کو اس پر اختیار اور کنٹرول نہیں ہے جیسا کہ دل کی دھڑکن، دورانِ خون، نظامِ ہضم معدہ، دماغ کی حساسیت وغیرہ غیرارادی طور پر انجام پاتے ہیں۔لیکن ہدایت تشریعی میں جبر نہیں ہے۔خداوند تعالیٰ نے انسانوں کو عمل کی آزادی دی ہے اور انہیں انبیاء کی دعوت قبول کرنے، نہ کرنے کا مختار بنایا ہے۔وہ چاہیں تو موحد بنیں اور چاہیں تو مشرک۔وہ مطیع الٰہی بنیں یا نافرمان، نیک اور اچھے بنیں یا برے۔مختصر یہ کہ اگر وہ چاہیں تو اللہ تعالیٰ کی تشریعی ہدایت اور دعوتِ انبیاء قبول کرلیں اور عملی طور پر ان کی پیروی کر کے ابدی سعادت پالیں، اس کے برعکس اگر وہ چاہیں تو ان کی دعوت رد کردیں، اپنی عمر گمراہی وضلالت میں بسر کریں اور یوں اپنی تباہی وہلاکت کا سامان فراہم کریں۔

طبیعی زندگی اور موت

نباتات اور حیوانات کی دنیا میں طبیعی زندگی اور موت جبری ہے اور یہ دونوں امور تکوینی سنن اور اصولوں کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں۔حیوانات اور نباتات نہ تو اپنی مرضی اور اختیار سے زندہ ہوتے ہیں اور نہ اپنی خواہش وارادہ سے مرتے ہیں۔انسان کی زندگی اور موت بھی اپنے طبیعی پہلو سے دوسرے جانداروں کی طرح جبری ہے اور انسان کے ارادے اور اختیار کا ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔البتہ حیات انسان سے زندہ ہونا اور انسانی زندگی کا حامل ہونا ہمارے اپنے اختیار میں ہے اور اس مقدس زندگی کا لائحہ عمل خدا کی ہدایت تشریعی ہے۔

حیات انسانی اور انبیاء الٰہی

انبیاء الٰہی کا اس حیاتِ آفرین ہدایت کے پیش کرنے کا مقصد لوگوں کو راہِ انسانیت دکھانا ہے اور ان کی فطرت میں پوشیدہ انسانی صلاحیتوں کا اجاگر کرنا اور انہیں بروئے کار لانا ہے۔انسانوں کو اپنے ارادے اور انتخاب سے انسانی حیات سے بہرہ مند کرنا ہے اور انہیں انسان کے شایان شان کمال تک پہنچانا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں لوگوں سے کہا ہے کہ آزادانہ طور پر اس دعوت کو قبول کریں جو سرمایۂ زندگی ہے اور اس کے پرتو میں انسانی حیات کو حاصل کرنے کی خواہش کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ [1]

اے ایمان والو! جب خدا اور اس کا رسول تمہیں ایسی چیز کی طرف دعوت دیں جو تمہارے لئے سرمایۂ حیات ہے تو ان کی دعوت پر لبیک کہو۔

اس کائنات کے تمام جاندار اپنی پوری زندگی میں طبیعی طور پر جس راستے کو طے کرتے ہیں وہ مشیتِ الٰہی سے معین شدہ ہے اور وہ صراطِ مستقیم الٰہی ہے۔ ہر جاندار مجبور ہے کہ اپنے اس تکوینی راستے کو طے کرے جو خلقت کے حکیمانہ نظام میں ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور وہ اس صراطِ الٰہی سے ایک قدم بھی ادھر ادھر رکھنے پر قادر نہیں ہے۔

تکوینی صراطِ مستقیم

قرآن شریف فرماتا ہے:

مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ [2]

زمین پر چلنے والوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس کے قبضۂ قدرت سے باہر ہو اور میرا پروردگار سیدھی راہ پر ہے۔

بشر عالم طبیعت کے جانداروں میں سے ہے وہ اپنے اس حیوانی پہلو سے اور ہدایت تکوینی کے لحاظ سے زمین پر چلنے والوں کی مانند باری تعالیٰ کے حکم کا قہری طور پر پابند ہے اور وہ جبری طریقے سے صراط مستقیم پر حرکت کرتا ہے لیکن اپنے انسانی پہلو اور ہدایت تشریعی کے حوالے سے اسے عمل کی آزادی حاصل ہے اور وہ اس ہدایت کو قبول کرنے یا نہ کرنے میں مختار ہے۔ اسی اختیار اور آزادی کی اساس پر حضور اکرمؐ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو الٰہی صراطِ مستقیم کے بارے میں بتائیں اور انہیں اس دعوت کو قبول کرنے اور اپنی پیروی کرنے پر مائل کریں۔

تشریعی راہِ مستقیم

اسی حوالے سے ارشاد ہوتا ہے:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ

---

[1] الانفال۔ ۲۴

[2] ہود۔ ۵۶

سَبِيۡلِهٖؕ [۱]

یہ ہے میری سعادت بخش صراط مستقیم۔اس کی پیروی کرو اور باطل راستوں پر نہ چلو کیونکہ یہ بات تمہارے افتراق و پراگندگی کا باعث ہے اور تمہیں راہِ حق سے منحرف کردے گی۔

عاقل اور بالغ افراد اپنے ارادی و اختیاری اعمال میں ذمہ دار ہیں ہدایت تشریعی اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو صحیح اور غلط راستوں کی راہنمائی فرمائے اور انہیں حکم دے کہ وہ اپنے اختیارات کو اصلاح وسعادت کی راہ میں استعمال کریں، ظلم اور گناہ کے بارے میں خوف کھائیں اور اپنے آپ کو قیامت کے دن کیفرِ کردار سے بچائیں۔

دنیا کے تمام عقلاء اور تمام ادیان الٰہی انسانوں کو ان اعمال و افعال کا ذمہ دار سمجھتے ہیں جو وہ اپنی آ گاہی اور اپنے ارادہ واختیار کے ساتھ انجام دیتے ہیں، خواہ یہ اعمال اچھے ہوں یا برے، نیک ہوں یا بد، سعادت کا موجب ہوں یا بدبختی کا۔ قرآن شریف نے ہر انسان کے اختیاری اعمال و افعال کی وابستگی اور انتساب کو ایک طوق سے تشبیہہ دی ہے جو اس کی گردن میں ڈالا جائے گا۔

ارشادِ الٰہی ہے:

وَكُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰۤئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖؕ [۲]

ہم نے ہر انسان کے لئے لازمی قرار دیا ہے کہ اس نے انجام پانے والے تمام بد اور نیک اعمال اور اچھے اور برے افعال طوق کی صورت میں اس کی گردن میں ڈالے جائیں۔

راغب کہتے ہیں:

ای عمل الذی طار عنه من خیر و شر

آیت میں مذکور ''طائر'' سے مراد ہر انسان کے خیر وشر کا عمل ہے جو پرندے کی طرح بال و پر نکالتا ہے اور آدمی سے جدا ہو جاتا ہے۔

وہ نیک اعمال جو نیک اور پاکیزہ لوگ اپنے ارادے اور اختیار سے انجام دیتے ہیں، ایک خوبصورت گلوبند (طوق) کی مانند ہیں جو ان کی گردن میں ان کے جمال وحسن اور محبوبیت کا باعث ہوگا۔ جب کہ گناہگار اور برے افراد کے ارادے اور مرضی سے انجام پانے والے اعمال ایک طوق اور زنجیر کی طرح ان کی گردن میں ڈالے جائیں گے۔ یہ

---

[۱] الانعام۔ ۱۵۳

[۲] بنی اسرائیل۔ ۱۳

طوق ان کی برائی اور انحراف کی ترجمان کرتا ہوگا۔ بہرحال چاہے افعال ارادی اچھے ہوں یا برے ان کے عامل کی گردن کا ہار یا طوق ہوں گے۔

مجمع البیان میں مذکورہ آیت کی تفسیر میں مندرجہ ذیل عبارت ذکر کی گئی ہے:

وقیل معناه جعلنا لکل انسان دلیلا من نفسه لان الطائر عندھم یستدل به علی الامور الکائنه فیکون معناه کل انسان دلیل نفسه و شاھد علیھا ان کان محسناً فطائره میمون وان اساء فطائره مشئوم۔ [۱]

کہا گیا ہے کہ ممکن ہے اس آیت کا یہ معنی ہو کہ ہر انسان کے لئے اپنے نفس سے دلیل ہے کیونکہ صدر اسلام کے عربوں کی نظر میں طائر ایک ایسی چیز تھا جس سے وہ ایسے امور کے بارے میں استدلال کرتے تھے جن کا وقوع پذیر ہونا ضروری ہوتا خواہ وہ اچھے امور ہوتے یا برے۔ آیت کا معنی اس بنا پر یہ ہوگا کہ انسان اپنے آپ پر دلیل، شاہد اور گواہ ہے، اگر وہ نیک ہو تو یہ امر اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ اس کا طائر مبارک ہے اور اگر وہ برا ہو تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا طائر نا مبارک ہے۔

فکر و عمل کا رابطہ

اگرچہ اس آیت کی تفسیر میں مذکورہ مطلب ایک احتمال ہے لیکن اصل بات اساسی اور صحیح ہے کہ ہر انسان کے اچھے اور برے اعمال اس پر دلیل اور اس کے طرزِ تفکر پر گواہ ہیں۔ قرآن مجید ایک خاص تعبیر کے ذریعے سے اس مطلب کو یوں بیان کرتا ہے:

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ [۲]

اے رسول کہہ دو: ہر مومن اور کافر کے افعال اس کے افکار کی کیفیت اور اچھی بری عادات وصفات کے مطابق ہوتے ہیں جس سے ان کا باطن آراستہ ہوتا ہے یہ بات خدا ہی جانتا ہے کہ کون راہِ سعادت کو طے کرتا ہے اور کون غلط اور گمراہی کے راستے کو اپناتا ہے۔

---

[۱] مجمع البیان، ج ۵، ص ۴۰۴

[۲] بنی اسرائیل۔ ۸۴

کراماً کاتبین

آیت میں مذکورہ ''طائر'' سے مراد خواہ اچھے اور برے اختیاری وارادی اعمال ہوں یا اس کا معنی عادات اور ملکات نفسانی ہوں جو جائز اور ناجائز اعمال کا انگیزہ ہیں، دونوں صورتوں میں صاحبِ عمل کی گردن پر ذمہ داری ہے۔ اسلامی ذرائع سے یہ بات ثابت ہے کہ ہر فرد جو کام بھی اپنی زندگی میں انجام دیتا ہے وہ کراماً کاتبین فرشتوں کے ذریعے سے ایک کتاب میں لکھے جاتے ہیں۔ اس کتاب کی حقیقت ہمارے لئے مجہول اور نامعلوم ہے اور ہم اس کی کمیت اور کیفیت سے واقف نہیں ہیں، روز محشر اسی کتاب کی بنیاد پر تمام افراد کا حساب وکتاب لیا جائے گا۔

قیامت اور نامہ اعمال

قرآن فرماتا ہے:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ⑬ [1]

ہم نے ہر انسان کے اعمال کو لازمی طور پر اس کی گردن کا طوق قرار دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اسے ایک کتاب دیں گے جس میں اس کے اعمال درج ہوں گے۔ وہ کتاب اس کی آنکھوں کے سامنے کھولی جائے گا تا کہ وہ اسے پڑھ لے اور جس کا اس نے دنیا میں ارتکاب کیا تھا اس سے آگاہ ہوجائے۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ [2]

نامۂ اعمال ان کے سامنے لایا جائے گا اور تم گناہگاروں کو دیکھو گے کہ وہ اپنے نامۂ اعمال کو پڑھ کر سخت پریشان اور وحشت زدہ ہوں گے اور کہیں گے: وائے ہو ہم پر، یہ کیا اعمال نامہ ہے جس میں چھوٹا بڑا ہر گناہ درج ہوا ہے اور کوئی بھی لکھے جانے سے نہیں رہا۔

---

[1] بنی اسرائیل۔ ۱۳

[2] الکہف۔ ۴۹

فراموش اعمال

ایک اور مقام پر قرآن فرماتا ہے:

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ [1]

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو زندہ کرے گا اور انہیں ان کے تمام اعمال سے آگاہ کرے گا حتیٰ ان اعمال سے بھی جو انہوں نے انجام دیئے ہوں گے۔لیکن بھول چکے ہوں گے۔اللہ نے ان کو نوٹ کیا ہے اور ان کا حساب کرے گا۔بیشک خدا تم اشیاء پر ناظر اور گواہ ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ [2]

ایسے برے اعمال جو انہوں نے دنیا میں خفیہ طور پر انجام دیئے اور کوشش کی کہ ان سے کوئی آگاہ نہ ہو قیامت کے دن وہ تمام نامۂ اعمال میں آشکار وظاہر ہو جائیں گے۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ آیات اور روایات کی روشنی میں ہر فرد کا ایک مخصوص نامۂ عمل ہے جو قیامت میں اس کے ہاتھ میں دیا جائے اور اسی نامۂ اعمال کی بنیاد پر اس کا حساب لیا جائے گا لیکن چند اور آیات قرآن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخصوص نامہ اعمال کے علاوہ تمام انسانوں کے اعمال لوح محفوظ میں بھی درج ہیں۔لوح محفوظ ایسی کتاب ہے جس میں نہ صرف لوگوں کے نیک اور بد اعمال درج ہیں بلکہ اس میں عالمِ ہستی کے تمام حقائق اور خصوصیات اور نظامِ خلقت وآفرینش کے تمام اصول وقوانین ثبت اور ضبط کئے گئے ہیں۔قرآن مجید نے چند مقامات پر اس عظیم لوح ومحفوظ کو کتاب مبین یا ام الکتاب سے تعبیر کیا ہے۔

علمِ الٰہی اور اعمال بشر

قرآن فرماتا ہے

وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ

---

[1] المجادلہ۔٦

[2] الانعام۔٢٨

عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾ [۱]

تم کوئی عمل انجام نہیں دیتے مگر ہم اس کا علم رکھتے ہیں اور جب تم اس کام کی ابتداء کرتے ہوتو ہم تمہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں اور تمہارے پروردگار کے علم سے زمین اور آسمانوں کے ایک ناچیز ذرے کا وزن بھی پوشیدہ نہیں ہے اور کوئی بھی چیز ذرے سے بڑی یا چھوٹی موجود نہیں ہے مگر وہ لوح محفوظ جو کتاب مبین الٰہی ہے میں درج اور ثبت ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

اعمال کا محو اور ثبت ہونا

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿٣٩﴾ [۲]

جسے اللہ چاہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہے ثبت کر دیتا ہے اور ام الکتاب یعنی لوحِ محفوظ حضرت باری تعالیٰ کے پاس ہے۔

جیسا کہ تفسیر میں ذکر ہوا ہے ام الکتاب یعنی لوح محفوظ میں ارادہ ومشیت ایزدی سے جو مٹایا اور لکھا جائے گا وہ عالم ہستی اور تمام مسائل اور امور سے مربوط ہے۔ مثال کے طور پر جہان کے عام مقدرات، احکامِ دین کے ناسخ ومنسوخ، عمر کی مقدار میں افراد کا انفرادی انجام رزق کی مقدار اور ان جیسے دیگر امور۔

ام الکتاب میں ایک بات یہ بھی لکھی ہوئی ہے جو انسانوں کے اعمال کے محو اور اثبات کو بیان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جن امور کو چاہے گا پاک دل اور ایماندار افراد کے گناہوں کو ام الکتاب کے صفحات سے مٹا دے گا اور اپنی رحمت وفضل کی بناء پر انہیں بخش دے گا اور ان کی سزا سے درگذر فرمائے گا۔ اسی طرح پلید اور بے ایمان افراد کے گناہ اس میں محفوظ رکھے گا کہ ان کا اپنے عدل وانصاف کی بنیاد پر مؤاخذہ کرے گا اور انہیں کیفر کردار تک پہنچائے گا۔

لوگوں کے اعمال کا ثبت ہونا

جو کچھ یہاں پر انسانوں کے ثبت اعمال کے متعلق بیان کیا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ قرآن کے

---

[۱] یونس۔۶۱

[۲] الرعد۔۳۹

پیروکار دینی تعلیمات کی روشنی میں اس بات کو تسلیم کر چکے ہیں کہ ہر شخص کے افعال فرشتگانِ خدا کے ذریعے اس کے نامہ اعمال میں لکھے جاتے ہیں اور لوح محفوظ جو ام الکتاب ہے، میں عالمِ ہستی کے تمام امور جن میں لوگوں کے اعمال بھی ہیں، ثبت اور محفوظ ہوتے ہیں۔ ان دو کے علاوہ اللہ تعالیٰ اس جہانِ ہستی کی تمام جزئیات کا عالم ہے۔ لوگوں کے اعمال اس کے لامحدود علم سے پنہاں نہیں ہے۔ اس بنیاد پر مادہ پرستوں کی دوسری بات کا جواب بھی روشن ہو گیا ہے۔ وہ کہتے تھے: ایسی کون سی طاقت ہے جو اول سے لے کر آخر تک کے انسانوں کے جرائم اور مظالم کو نہایت باریکیوں کے ساتھ محفوظ کر سکے اور ان امور میں سے ہر ایک کے لئے ظالم اور مظلوم کی پہچان کر سکے تا کہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں؟ قرآن کے پیروکار انہیں جواب دیتے ہیں کہ تمام انسانوں کے چھوٹے بڑے اعمال، علمِ الٰہی، لوح محفوظ اور ان کے نامۂ اعمال میں محفوظ اور ثبت ہیں اور روزِ جزا ہر فرد کا اپنی کتاب کے مطابق حساب و کتاب لیا جائے گا۔

یہ بات بھی ذکر ہو جائے کہ انسان کے نامۂ اعمال میں نہ صرف وہ اچھے اور برے اعمال وہ ذاتی طور پر اپنی زندگی میں انجام دیتا ہے لکھے جائیں گے بلکہ دوسروں کے اچھے اور برے اعمال جو اس کی موت کے بعد وہ انجام دیں گے اور وہ ایک یا چند پہلوؤں سے اس سے وابستہ اور مربوط ہوں گے، وہ بھی اس کے نامہ عمل میں لکھے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَنَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ ؕ [1]

ہم قیامت کے روز مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم ہی لوگوں کے نیک اور بداعمال کو لکھتے ہیں جو وہ اپنی زندگی میں انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح ان کے درست اور غلط کاموں کے نتائج اور آثار جو ان کی موت کے بعد مرتب ہوتے ہیں، کو بھی لکھتے ہیں۔

اچھی اور بری سنت کی تاسیس

جریر بن عبداللہ بجلی کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها من بعده من غير ان ينقص من اجورهم شئ ومن سن سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعده لا ينقص من اوزارهم شئ ثم تلا هذه الاية "ونكتب ما

[1] یٰسین۔ ۱۲۔

قدموا واثارهم"۔ [۱]

جو شخص لوگوں کے درمیان اچھی اور راہ و رسم اور سنت کی بنیاد رکھے اس کا اجر اس کے لئے ہے اسی طرح اگر کوئی اس کے بعد اس سنت پر عمل کرتا ہے تو بنیاد گذار کے لئے اجر ہے اور سنت کے عاملین کی جزا میں سے کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی اور اگر کوئی شخص معاشرے میں بری رسم اور گناہ آلودہ سیرت کی بنیاد رکھے تو اس کا بوجھ اور گناہ اس پر ہے نیز اس کے بعد اس غلط سنت کی پیروی کرنے والوں کے گناہ بھی اس کے کھاتے میں جائیں گے اور گناہگاروں کے گناہ سے بھی کوئی چیز کم نہیں ہوگی۔ پھر آپؐ نے آیت کا یہ جملہ تلاوت فرمایا کہ: ''ہم ان اعمال کو لکھتے ہیں جو وہ اپنی زندگی میں آگے بھیجتے ہیں اسی طرح موت کے بعد ان اعمال کے آثار اور باقیات بھی لکھتے ہیں۔

یہی مطلب قرآن شریف کی ایک اور آیت کے ذیل میں آیا ہے۔ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے مطابق اس کی تفسیر معاشرے میں اچھی یا بری سنت کی بنیاد ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

يُنَبَّؤُا الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ﴿۱۳﴾ [۲]

انسان قیامت کے دن اپنی زندگی میں انجام دیئے گئے تمام نیک اور بد اعمال سے آگاہ ہو جائے گا۔ اسی طرح ان کی موت کے بعد جو کام دوسروں نے انجام دیئے ہوں گے اور ان کا نفع ونقصان اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا، سے بھی واقف ہو جائے گا۔

موت کے بعد نیکی اور بدی

امام باقر علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

بما قدم من خير و شر وما اخر فما سن من سنة ليستن بها من بعده فان كان شرا كان عليه مثل وزرهم ولا ينقص من وزرهم شيئا وان كان خير

---

[۱] تفسیر در المنثور۔ ج ۵ ص ۲۶۰

[۲] القیامۃ۔ ۱۳

كان له مثل اجورهم ولا ينقص من اجورهم شيئا ۔ [1]

جو کچھ اس نے اپنی زندگی میں نیکیاں اور بدیاں انجام دی ہوں گی اور آخرت کے لئے ان کو بھیجا ہوگا وہ ان سے آگاہ ہوجائے گا اور اس نے معاشرے میں جن رسوم کی بنیاد ڈالی ہوگی اگر وہ بد ہوں گے تو اس کے لئے ان پر عمل کرنے والوں کی طرح بوجھ اور وبال ہوگا جب کہ ان فاعلوں کے سزا میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی اور اگر رسم خیر ہوگی تو اس کے پیروکاروں کی مانند اس بانی کا بھی اجر ہوگا اور عمال کرنے والے کے اجر میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

مثلاً: قرض حسنہ بنک، ایک بہت ہی اچھی روایت اور رسم ہے جس میں حالیہ سالوں میں تمام ایران میں بڑی تیزی کے ساتھ وسعت پیدا ہوئی ہے اور اب ایران کے بہت سے چھوٹے بڑے شہروں میں ایسے یا چند بنک موجود ہیں اور دیندار اور صاحبِ ثروت افراد کی رقوم سے جو انہوں نے ان بنکوں میں جمع کروائی ہیں آبرومند اور تنگدست مسلمانوں کو سود کے بغیر قرضہ جات دیئے جاتے ہیں۔

ابتداء میں چند افراد تھے جو ایک بنک کا قیام عمل میں لائے اور ضروری سرمایہ فراہم کیا اور یوں انہوں نے معاشرے میں اس کارِ خیر کی بنیاد رکھی۔ کار خیر کی بنیاد رکھنے والوں کے بارے میں روایات کی رو سے یہ افراد جب تک زندہ ہیں اس قسم کے تمام بنکوں کے اجرا کا ثواب انہیں ملے گا جو ان کی تقلید میں دوسری جگہوں پر قائم ہوئے اس کے ساتھ ساتھ ان قرض حسنہ بنکوں کے بانیوں اور سرمایہ فراہم کرنے والوں کے اجر وثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ یہ صدقہ جاریہ ان کی موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔ اگر یہ نیک سینکڑوں سال تک اپنا کام کرتے رہیں تو اس سکیم کی بنیاد رکھنے والے ان کے بانیوں اور سرمایہ فراہم کرنے والوں کی طرح اجر وثواب کے حقدار ہیں جب کہ ان کے اجر وثواب میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوگی۔

استوار و محکم اثرات

افراد کی موت کے بعد ان کے نامۂ اعمال میں لکھے جانے والے اچھے اور برے آثار صرف نیک اور بری روایات قائم کرنے میں منحصر نہیں ہیں بلکہ کچھ نیکیاں انسان کی ایسی ہیں جو اس کی موت کے بعد اپنی جگہ پر باقی رہتی ہیں جب کہ وہ رسم نہیں ہیں۔ لیکن جب تک وہ اپنی جگہ باقی اور پائیدار رہتی ہیں اور لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں ان کے آثار اور

---

[1] تفسیر صافی۔ ص ۵۵۱

اثرات مرنے والے تک پہنچتے رہتے ہیں اور اس کے نامۂ اعمال میں ثبت ہوتے رہتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلث علم ينتفع به او صدقة تجری له او ولد صالح يدعو له۔ [1]

جس وقت انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے اور اس کے اعمال میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا مگر تین طریقوں سے: پہلا یہ کہ اس نے اپنے پیچھے علم چھوڑا جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو۔ دوسرا وہ صدقہ جو اس کی طرف سے کیا گیا جاری ہو اور تیسرا صالح فرزند جو اس کے لئے دعا کرتا ہو۔

سودمند علم

حدیث کا پہلا جملہ تعلیم یافتہ اور عالمِ افراد کو شوق دلاتا ہے کہ وہ اپنے علم کو عوام تک پہنچائیں اور لوگوں کو اپنی مفید معلومات سے مستفید کریں۔ کبھی یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کچھ کوتاہ فکر افراد ایک مفید علمی بات جانتے ہیں لیکن اسے اپنے آپ میں منحصر کرنے کی خاطر دوسروں کو نہیں بتاتے۔ یہاں تک کہ اسے ضبط تحریر میں بھی نہیں لاتے کہ مبادا وہ تحریر کسی اور کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اس کے مخصوص علم سے آگاہ ہوجائے۔ آخرکار یہ افراد مرجاتے ہیں اور اپنی معلومات اپنے ساتھ قبر میں لے جاتے ہیں لیکن دوسروں کو بہرہ مند نہیں کرتے۔

صدقہ جاریہ

یہ روایت درحقیقت رسولؐ اکرم کی طرف سے عالمِ اشخاص کو وصیت ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو اسے دوسروں کو بتاؤ تاکہ وہ اس سے بہرہ مند ہوں اور یہ کام تمہارے لئے مستقل طور پر خیر و برکت کا باعث ہو۔ اس کا ثمر تمہیں برزخ میں بھی ملے گا اور قیامت میں تمہاری نیکیوں میں شمار ہوگا۔

حدیث کا دوسرا جملہ مسلمانوں کو مرنے والوں کی یاد دلاتا ہے اور انہیں متوجہ کرتا ہے کہ وہ اپنے مرحومین کی طرف سے صدقہ جاریہ کا انتظام کریں جو عوام کے لئے سودمند ہو اور ان مرحومین کی طرف سے انجام دیا جائے تاکہ ان کے نیک اعمال کا جزو قرار پائے اور ان کے نامۂ عمل میں لکھا جائے اور اس کا ثواب برزخ اور قیامت میں ان کی روح کو پہنچے۔

مجاہدین اسلام میں سے ایک مجاہد جس کا نام سعد تھا چند اور آدمیوں کے ساتھ رسولِ اکرمؐ کی معیت میں مدینے سے

---

[1] بحارالانوار۔ ج ۱ ص ۲۷

خارج ہوئے اور محاذِ جنگ پر چلے گئے۔اس موقع پر اس کی والدہ مریض تھیں اور وہ اپنے بیٹے کی غیر موجودگی میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں۔سعد کو اپنی والدہ سے بہت محبت اور پیار تھا۔جب وہ واپس آیا تو ماں کی موت کی خبر سن کر سخت غمگین ہوا۔حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں سفر سے پہلے اپنی ماں کے لئے صدقہ دینا چاہتا تھا لیکن کامیاب نہ ہوسکا اب جب کہ وہ دنیا سے رخصت ہوچکی ہیں ان کے صدقہ دوں تو کیا اس کا فائدہ انہیں پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا تم نے اس سفر میں دیکھا کہ مجاہدین کو راستے میں پانی کی تنگی کا سامنا کرنا پڑا اگر تم میں ہمت ہے تو اس راستے میں ایک کنواں کھود دو تا کہ آنے جانے والے قافلے اس کے پانی سے سیراب ہوں اور یہ تمہاری ماں کے لئے صدقہ جاریہ ہو۔اس نے نبی اکرمؐ کے فرمان کے مطابق اپنی ماں کی طرف سے ایک کنواں کھودا اور اس کنوئیں کا نام ''بئر ام سعد'' رکھا اور اسے عوام کے لئے وقف کردیا۔

صدقہ جاریہ فقط یہی نہیں کہ مرحوم کے ورثاء ولواحقین کی موت کے بعد اسے یاد کرلیں اور اس کی طرف سے صدقہ جاریہ جاری کریں بلکہ ہر شخص خود اپنی زندگی میں ایسا عملِ خیر انجام دے سکتا ہے مثلاً کنواں کھود سکتا ہے اور نہر جاری کرسکتا ہے اور اسے لوگوں کے فائدہ کے لئے وقف کرسکتا ہے وہ جب تک زندہ ہے اس کارخیر سے روحانی فائدہ حاصل کرتا رہے گا اس سے بڑھ کر یہ صدقہ اگر اس کی موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور لوگ اس سے استفادہ کرتے رہتے ہیں تو اس کارخیر کا اجرو ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے۔یہی بات ایک اور حدیث میں بھی بیان ہوئی ہے۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لیس یتبع الرجل بعد موته من الاجر الا ثلاث خصال صدقة اجرها فی حیاته فهی تجری بعد موته الی یوم القیمة۔ [1]

موت کے بعد انسان کے حصے میں کوئی نیا اجر وثواب نہیں آتا مگر تین طریقوں سے۔ان میں ایک وہ صدقہ ہے جو اس نے اپنی زندگی میں جاری کیا ہوگا اگر موت کے بعد وہ صدقہ قیامت تک باقی رہے تو اس کا اجر اسی طرح مرحوم کی روح تک پہنچتا رہے گا۔

نیک فرزند کی دعا

حدیث کے آخری جملے میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ تیسری خیر جو موت کے بعد انسان کو ملے گی وہ نیک فرزند کی دعا ہے۔گویا اس جملے کے ذریعے نبی اکرمؐ مسلمانوں کو اپنی اولاد کی نیک تربیت کرنے کی ترغیب دلا رہے ہیں اور انہیں

[1] خصالِ صدوق،ص۱۵۱

سمجھا رہے ہیں کہ نیک اولاد نہ صرف ایامِ حیات میں والدین کی سربلندی اور افتخار کا باعث ہے بلکہ موت کے بعد بھی فائدہ مند ہے اور لائق بیٹے کی دعا بطور کارِ خیر والدین کے اعمال میں لکھی جائے گی اور ان کے عذاب کے خاتمے یا ان کے مقام میں بلندی کا موجب بنے گی۔

اولاد کا عملِ خیر

بعض روایات کی روشنی میں مرحوم والدین کو نیک اولاد کی طرف سے پہنچنے والا فائدہ دربارِ الٰہی میں اس کی دعا میں منحصر نہیں ہے بلکہ وہ تمام اچھے اور نیک کام جو اولاد اپنے والدین کی اچھی تربیت کی وجہ سے اپنا دینی اور انسانی فریضہ سمجھ کر انجام دیتی ہے۔ ان میں بھی والدین کو ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ اولاد کا نیک عمل عالم برزخ میں گرفتارِ عذاب باپ کے حالات میں تبدیلی کا باعث بن سکتا ہے اور اسے عذابِ الٰہی سے رہائی دلا سکتا ہے۔

عذاب میں گرفتار باپ کی نجات

اس سلسلے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا:

مر عیسی ابن مریم بقبر یعذب صاحبه ثم مر به من قابل فاذا هو لیس یعذب فقال یا رب مررت بهذا القبر (عام) اول و کان صاحبه یعذب ثم مررت به العام فاذا هو لیس یعذب فاوحی الله الیه یا روح الله انه ادرك له ولد صالح فاصلح طریقا و اوی یتیما فغفرت له بما عمل ابنه۔ [1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گذر ایک قبر سے ہوا جس کے صاحب پر عذاب ہو رہا تھا۔ ایک سال بعد دوبارہ ان کا اسی قبر سے گذر ہوا لیکن اب اس پر عذاب نہیں ہو رہا تھا۔ انہوں نے عرض کیا: اے پروردگار! گذشتہ سال یہ قبر والا عذاب میں مبتلا تھا جب کہ اس سال ایسا نہیں ہے، اس کا کیا سبب ہے؟ اللہ نے حضرت عیسیٰ کی طرف وحی کی کہ اس نے ایک فرزند پیچھے چھوڑا تھا، اس نے اس سال مسافروں کی سہولت کے لئے ایک راستہ درست کر دیا ہے اور ایک یتیم کو اس نے پناہ دی ہے۔ میں نے اس کے باپ کے گناہ کو نیک بیٹے کے اچھے عمل کی وجہ سے بخش دیا ہے۔

---

[1] سفینہ، ج ۲ ص (یتیم)، ص ۷۳۰

ثبت اعمال کی بحث سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ ہر مکلف کا اپنا خاص نامۂ عمل ہے اور اس نے دنیا میں جو بھی نیک اور برے کام کئے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، خفیہ طور پر انجام دیئے ہوں یا ظاہری طور پر سب کے سب اس نامۂ عمل میں لکھے ہوں گے اور اس کی موت کے بعد اس کی فائل سیل کر دی جائے گی اور اس میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہوگا۔ البتہ کی گئی تشریح کے مطابق بعض افراد ایسے بھی ہیں جن کے مرنے کے بعد بھی ان کا نامۂ عمل میں اچھے اور برے کام لکھے جاتے ہیں۔ وہ ایسے افراد ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں سنت حسنہ یا صدقہ جاری کیا ہوگا۔ یہ لوگ موت کے بعد بھی ان کے نتائج سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور ان کے نیک اعمال میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اسی طرح جنہوں نے کسی بری رسم کی بنیاد رکھی ہوگی، اس پر عمل کرنے والوں کے گناہ کے برابر اس کے نامہ عمل میں گناہ لکھے جائیں گے۔

فرد وامت کی مشترک باتیں

قرآن شریف میں متعدد آیات ایسی ہیں جو انفرادی موت اور فرد کی دنیا میں موت آنے سے حکایت کرتی ہے اسی طرح قرآنِ مجید کی بہت سی آیات انفرادی قیامت، فرد کا نامۂ اعمال، فرد کے کاموں کی شہادت اور فرد کے حساب و کتاب کو بیان کرتی ہیں۔ اسی طرح کی دیگر آیات امت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو امت کی عمر، دنیا میں امت کی موت اور آخرت میں امت کے نامۂ عمل، شاہدِ عمل اور حساب و کتاب کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔ مزید وضاحت کے لئے ذیل میں چند آیات کو ذکر کیا جاتا ہے اور ان کے درمیان موازنے کو بھی بیان کیا جاتا ہے۔

فرد اور امت کی موت

فرد کی موت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ[1]

ہر فرد نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔

امت کی موت کے بارے میں قرآن فرماتا ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ [2]

ہر امت کے لئے موت ہے۔

---

[1] العنکبوت۔ ۵۷

[2] الاعراف۔ ۳۴

فرد کی موت کے متعلق وعدہ کے حوالے سے ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ [۱]

کوئی بھی شخص نہیں مرے گا مگر اذنِ الٰہی اور کتابِ خدا میں معین شدہ شخص اجل ہے۔

امت کی اجل کے سلسلے میں قرآن فرماتا ہے:

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ [۲]

کسی بھی امت کی موت وقت مقررہ سے پہلے آئے گی نہ اس کے بعد۔

فرد اور امت کا نامۂ عمل

فرد کے نامۂ عمل کے بارے میں ہے:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ [۳]

جس کا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ہوگا۔ اس کا بہت جلدی اور آسانی کے ساتھ حساب وکتاب ہوجائے گا۔

امت کے نامۂ عمل کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ [۴]

قیامت کے دن ہر امت کو نامۂ عمل کی طرف بلایا جائے گا۔

فرد اور امت کے گواہ

فرد کے گواہ کی بات یوں کی گئی:

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝ [۵]

ہر فرد قیامت میں آئے گا، اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہوگا جو اسے عرصۂ محشر میں لائے گا وہ حساب کے

---

[۱] العمران۔ ۱۴۵

[۲] الحجر۔ ۵

[۳] الانشقاق۔ ۷، ۸

[۴] الجاثیہ۔ ۲۸

[۵] ق۔ ۲۱

موقع پر اس کے اعمال کی گواہی دے گا۔

امت کے گواہ کے بارے میں کہا گیا ہے:

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ [1]

قیامت کے دن ہر امت پر ہم گواہ لائیں گے اور کہیں گے اب اپنے مشرکانہ عقائد اور باطل اعمال پر اپنی دلیل پیش کرو۔

رویے اور روش کی وحدت

راغب کہتے ہیں

الامه کل جماعة یجمعهم امر ما دین واحد او زمان و مکان واحد۔ [2]

امت ہر جماعت سے عبارت ہے جسے قدر مشترک کی بنا پر آپس میں جوڑ دیا گیا ہو اور وہ قدر مشترک یا دین واحد ہے یا زمان و مکان واحد ہے۔

ایسا معاشرہ جس میں ملی فکر، اجتماعی ثقافت، دینی قائد اور عوامی آداب و رسوم کے لحاظ سے رویے اور روش کی وحدت پائی جائے امت کہلاتا ہے۔ امت خود ایک مستقل وحدت کی آئینہ دار ہے اور جو افراد اس معاشرے کے احکام کے پابند ہیں اس امت کے اعضاء کی مانند ہیں۔

اس سلسلے میں ساموئل کنگ اپنی کتاب جامعہ شناسی (فارسی ترجمہ) کے صفحہ ۳۹۲ پر لکھتا ہے:

معاشرہ ایک اجتماعی اور نفسیاتی توانائی کا حامل ہوتا ہے جس کا افراد میں فقدان پایا جاتا ہے اور یہ طاقت ثقافت یا آداب و رسوم سے عبارت ہے۔ اجتماعی آداب و رسوم سے مراد ایسے ذرائع ہیں جنہیں معاشرہ ان کی تطبیق کے لئے افراد کے سپرد کرتا ہے اور یہ آداب و رسوم ہی ہیں جو اجتماعی طرزِ عمل کو فرد پر عائد کرتے ہیں اور اسی وجہ سے انہیں فرد سے بالاتر سمجھنا چاہیے۔

---

[1] القصص۔ ۷۵

[2] مفرداتِ راغب (امم)

فرد کی معاشرے میں حیثیت

اسی طرح کتاب ''انسان ناشناختہ'' کے صفحہ ۱۴۳ پر یوں رقم ہے:

ہم اپنے معاشرتی ماحول میں جسم کے اندرونی ماحول میں سیلوں کی طرح غرق ہیں اور خلیوں کی طرح ماحول کے اثرات سے محفوظ نہیں ہیں۔ انسان کا جسم جلد کے حصار اور ہڈیوں کے ڈھانچے سے لیس ہے لیکن اس کے برعکس فکر و شعور کی سرحدیں ہمیشہ کھلی ہیں اور انسان کی روح دائمی طور پر معاشرتی ماحول کے ہر قسم کے فکری اور معنوی عوامل کی زد میں ہے اور ان عوامل کی سالم یا متلاطم طبیعی حالت کے اثرات روح پر مرتب ہوتے ہیں۔

ایسا معاشرہ جو مشترک عقائد اور افکار کا حامل ہو اس کی شخصیت اجتماعی اور وہ ایک امت میں شمار ہوتا ہے معاشرہ فرد کی طرح حیات و موت رکھتا ہے۔ جب تک مشترک جہات باقی اور برقرار ہیں کوئی امت اجتماعی حیات رکھتی ہے اور جب ان مشترکات کا خاتمہ ہو جائے تو اجتماعی عمر ختم ہو جائے گی اور وہ امت مر جائے گی۔ اگرچہ اس امت کے افراد زندہ رہیں اور اپنی انفرادی زندگی کو جاری رکھیں۔

دورِ جاہلیت کے عربوں کے امتیازات

مثلاً دور جاہلیت کے عرب ایک امت تھے وہ ایک اجتماعی حیات کے حامل تھے وہ مشترکات جو انہیں وحدت کی لڑی میں پروئے تھے اور ان افکار اور اعمال پر حاکم تھے۔ بت پرستوں، بتوں کے لئے حیوانوں اور کبھی کبھار انسانوں کی قربانی، نومولود لڑکیوں کو زندہ در گور کر دینا، اپنی عورتوں کو جوئے میں بازی پر لگانا یا انہیں بازار میں فروخت کرنا، جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے اصول پر عمل کرنا اور حق وعدالت کو آگاہ طور پر یا عدم آگاہی کی بناء پر پامال کرنا ان کے اعمال تھے۔ مختصر یہ کہ کچھ امور اور معاملات تھے جو تمام لوگوں کے نزدیک قبولیت کا درجہ رکھتے تھے اور انہی سے ان کی ایک امت بنتی تھی۔

اسلام اور رسومِ جاہلیت

رسالت مآبؐ کے قیام اور اسلامی انقلاب نے صورت حال کو بدل دیا اور جاہلیت کے عربوں کی خصوصیات پر لکیر پھیر دی۔ بت ٹوٹ گئے، شرک آلود قربانیوں کا خاتمہ ہو گیا، لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے کی رسم کو ممنوع قرار دے دیا گیا، خواتین کو اجتماعی حقوق دے دیئے گئے، جوئے میں ان پر شرط لگانے اور انہیں بازار میں بیچنے پر پابندی لگا دی گئی، زور اور طاقت کی جگہ عدل وانصاف نے لے لی اور کمزور لوگ حق وعدالت کے قوانین کے سائے میں سکھ چین سے زندگی گزارنے لگے۔ ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ آنحضرتؐ کے انقلاب کی وجہ سے عرب جاہلیت پر مبنی امت کی اجل آ گئی، اس کے امتیازات خاک

میں مل گئے اور اسلام نے اس کی اجتماعی زندگی کو موت سے ہمکنار کر دیا۔ جب کہ امت جاہلیت کے افراد جو پیکر اجتماع کے اعضا کی مانند تھی، زندہ تھے لیکن امت جاہل عرب کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ کیونکہ اس کی وحدت کا معیار نہیں رہا تھا۔ اس میں سے بعض حقیقی مسلمان بن گئے اور بعض نے ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا لیکن باطنی طور پر وہ بے ایمان تھے۔

امت اور فرد کی مسئولیت

جس طرح افراد ذاتی لحاظ سے خدا کے حضور اپنے اعمال کے جواب دہ ہیں اور قابل مواخذہ ہیں اسی طرح امتیں بھی اپنے اجتماعی پہلو سے اپنے افکار اور افعال کے سلسلے میں بارگاہِ الٰہی میں جواب دہ ہیں۔ البتہ اس میں ایک فرق یہ ہے کہ اشخاص کا فیصلہ انفرادی طور پر ہوگا۔ لیکن امتوں کا حساب و کتاب اجتماعی اور گروہی ہوگا۔ قرآن شریف نے افراد کے فیصلے کے متعلق فرمایا ہے۔

فرد اور امت کا محاسبہ

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾ [۱]

اور قیامت میں لوگ انفرادی طور پر حساب و کتاب کے لئے دربارِ الٰہی میں پیش ہوں گے۔

لیکن امت کے محاسبہ کے بارے میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ [۲]

قیامت کے روز تم ہر امت کو حساب و کتاب کے لئے اکٹھے اور گھٹنے ٹیکے ہوئے دیکھو گے۔

افراد اور امتوں کے حساب و کتاب میں ایک اور فرق یہ ہے کہ انفرادی حساب و کتاب کے وقت ہر شخص کا نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دیا جائے گا بعض کو دائیں ہاتھ میں اور بعض کو بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ قرآن اس بارے میں فرماتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَاۗؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾ .... وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۥ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ [۳]

---

[۱] مریم۔ ۹۵

[۲] الجاثیہ۔ ۲۸

[۳] الحاقہ۔ ۱۹، ۲۵

وہ شخص جس کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا خوشی اور سر بلندی سے اپنے اردگرد کے افراد سے کہے گا: آؤ میرے نامہ اعمال کو دیکھو اور وہ جس کے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال تھمایا جائے گا ندامت اور شرمندگی کے مارے کہے گا: اے کاش! یہ لکھا ہوا مجھے نہ دیا جاتا۔

امت کا نامۂ اعمال

امت کا نامۂ اعمال قیامت میں کسی شخص کے ہاتھ میں نہیں دیا جائے گا بلکہ امت کو اس سے بلایا جائے گا۔ اس سلسلے میں قرآن شریف فرماتا ہے:

كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٢٨ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٢٩ [1]

قیامت میں ہر امت کو اس کے نامۂ اعمال سے پکارا جائے گا اور اس سے خطاب ہوگا کہ آج کے دن تمہارے عمل کے مطابق تمہیں جزا دی جائے گی۔ یہ ہماری کتاب ہے جو حق کے ساتھ تمہارے تمام فکری اور جسمی اعمال کو جمع کیا ہے۔

انفرادی گناہوں میں ہر شخص اکیلا اپنے اعمال کا جواب دہ ہے باپ کا حساب بیٹے سے ماں کا اولاد سے، بھائی کا بہن سے اور بہن کا حساب بھائی سے جدا ہوگا۔ ہر شخص کا نامہ اعمال اسی سے مخصوص ہوگا لیکن امت نے جن گناہوں کا ارتکاب کیا ہوگا یا جن افکار کی پیروی کی ہوگی اور ان کو سب افراد نے قبول کیا ہوگا تو یہ اجتماعی نامۂ اعمال ہوگا اور اس پر تمام امت کا ایک ہی ساتھ محاسبہ اور مواخذہ ہوگا۔

لڑکیوں کو زندہ در گور کرنا

مثلاً تازہ جنم لینے والی لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا دورِ جاہلیت کی عرب امت کی خصوصیت تھی۔ یہ ظلم والدین کی نسبت جنھوں نے اپنے جگر گوشہ کو اپنے ہی ہاتھوں زندہ سپرد خاک کیا، ایک انفرادی گناہ اور ذاتی جرم شمار ہوگا۔ لیکن اس لحاظ سے کہ عرب امت نے قبل از اسلام اس ظلم کو رواج دے رکھا تھا۔ اور اس کے عمومی افکار نے نوازدبچیوں کو زندہ در گور کرنے کی اجازت دے رکھی تھی، یہ پوری امت کا گناہ شمار ہوگا اور قیامت کے دن اس انسانیت کش اور خلافِ فطرت ظلم کو رواج دینے اور اس پر راضی ہونے پر اس کا مواخذہ کیا جائے گا اور اسے سزا دی جائے گی اگرچہ ان میں سے چند لوگوں نے پوری زندگی شادی نہ کی ہو لیکن بچے ہی پیدا

[1] الجاثیہ۔ ۲۸، ۲۹

نہ ہوئے ہوں کہ ان کو زندہ درگور کرتے۔ قبل از اسلام جاہل امت کے اس بہت بڑے گناہ کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ﴿۸﴾ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾

جب زندہ درگور کئے جانے والے بچے کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اسے کس جرم میں قتل کیا گیا؟

وحشیانہ ظلم

ابن عباسؓ کہتے ہیں:

الموء ودة هی المدفونه کانت المرأة فی الجاهلیة اذا هی حملت فکان او ان ولادها حضرت حضرة فتمخضت علیٰ رأس تلك الحضره فان ولدت جاریه رمت بها فی تلك الحضره وان ولدت غلاماً جسته۔ [1]

موءوہ سے مراد فن کی گئی ننھی لڑکی ہے۔ پھر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: دورِ جاہلیت میں جب عورت کے وضع حمل کا وقت قریب آتا تھا تو وہ ایک گڑھا کھود دیتے تھے جب وہ بچہ جننے لگتی تھی تو اسے گڑھے کے قریب لایا جاتا اگر مولود بیٹی ہوتی تھی تو بغیر کسی پس و پیش سے اسے گڑھے میں دبا دیتے تھے اور اگر وہ بیٹا ہوتا تو اسے رکھ لیتے تھے۔

ظلم کا ریشہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کسی قاتل کا نام نہیں لیا اور یہ نہیں پوچھا کہ کس شخص نے اسے قتل کیا ہے بلکہ قتل کے متعلق سوال کیا ہے اور فرمایا ہے: اس ننھی جان کو کس جرم میں قتل کیا گیا ہے؟ کیونکہ اس وحشیانہ ظلم کا اصلی عامل اور اس کی بنیاد جاہلیت کی عرب امت تھی نہ کہ ماں اور باپ۔ اگر امتِ عرب اسلام سے پہلے اس ظلم کی تائید نہ کرتی اور عمومی افکار اس پر راضی نہ ہوتے تو یہ بے گناہ بیٹیاں ہرگز زندہ درگور نہ ہوتیں اور والدین کو جرأت کبھی نہ ہوتی کہ وہ اس شرم آور اور ننگ آور کام کو ہاتھ لگائے اور یوں انسانیت کے دامن کو داغدار کرتے۔ انبیاء الٰہی کا مکتب نہ صرف ارتکابِ جرم اور اس کے وقوع میں مدد کرنے سے منع کرنا ہے بلکہ دوسرے کے گناہوں اور جرائم پر راضی ہونا بھی گناہ بتایا گیا ہے اور وہ افراد جو اس قسم کے گناہ آلود اور غیر

---

[1] تفسیر درالمنثور۔ ج ٦ ص ٣١٩

پاکیزہ ضمیر اور دل کے مالک ہیں وہ سزا کے مستحق ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

ایها الناس انما یجمع الناس الرضی والسخط وانما عقر ناقة ثمود رجل واحد فعمهم الله بالعذاب لما عموه بالرضی فقال سبحانه "فعقروها فأصبحوا ندمین۔ سورہ الشعراء آیت ۱۵۷۔"[۱]

مختلف مسائل اور امور میں لوگوں کے درمیان قدر مشترک رضا اور ناراضی ہے۔ثمود کی اونٹنی کی کوچیں ایک شخص نے کاٹ ڈالی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ساری امت پر عذاب نازل کیا تھا کیونکہ عمومی طور پر تمام لوگ اونٹنی کے قتل پر راضی تھے پھر امام علیہ السلام نے قرآن کی آیت سے دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اونٹنی کی ٹانگیں کاٹنے کی نسبت عمومی طور پر امتِ صالح کی طرف دی ہے۔

ظلم پر راضی ہونا

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

من غاب عن امر فرضی به کان کمن شهده واتاه۔ [۲]

اگر کوئی شخص کسی کام کے وقوع پذیر ہونے کے وقت وہاں موجود نہ ہولیکن اس کام کے ہونے پر راضی ہو، وہ اس آدمی کی طرح ہے جو اس کے واقعے کے وقت موجود تھا اور اس نے وہ کام انجام دیا۔

قیامت کے دن جو نامۂ اعمال لوگوں کے ہاتھوں میں دیا جائے گا وہ دنیا کے خطوں، دنیا کی کتابوں اور تحریروں کی طرح نہیں ہوگا اور اس کا موازنہ بشر کی طرف سے بنائے جانے والے نقوش اور تحریر کی گئی کاپیوں اور اوراق سے کیا جا سکتا ہے۔ہم ان اعمال ناموں کی حقیقت سے ناآگاہ ہیں۔ہم نہیں جانتے کہ اعمال نامے کس طرح لکھے جاتے ہیں۔یہ بات بھی عالم قیامت کے اور بہت سارے امور اور حالات میں سے جو ہمارے لئے مجہول اور نامعلوم ہیں لیکن قرآن شریف کی آیات اور آئمہ کی احادیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اعمالنامے اس انداز سے ترتیب اور تحریر کئے گئے ہوں گے کہ محشر میں ہر شخص جس قوم اور نسل کا بھی ہوگا خواہ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ وہ اپنی دنیا والی زبان میں کتاب عمل پڑھ لے گا اور اس کے

---

[۱] نہج البلاغہ۔خطبہ ۲۰۱

[۲] سفینہ۔ج اول،(رضا)ص ۵۲۵

مفاہیم سے آگاہ ہوجائے گا۔ یہاں تک کہ اس سے خطاب ہوگا:

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ؕ[1]

اپنی کتاب پڑھو۔آج کے دن تمہارے اپنے محاسبے کے لئے تمہارا نفس ہی کافی ہے۔

ایک سوال بغیر جواب کے

تجسم اعمال کے بارے میں جو کچھ پہلے ذکر کیا گیا ہے اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عوام الناس کا نامہ اعمال دنیا میں انجام پانے والے کاموں کا مجسم ہونا اور تمشکل ہوتا ہے کہ جسے صاحب عمل دیکھے گا اور اپنے حساب سے آگاہ ہوجائے گا یا نامۂ اعمال تجسم اعمال کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟ یعنی ایک نامعلوم اور باقاعدہ کتاب ہے جو قیامت کے دن صاحب عمل کے سامنے کھولی جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس اور اس جیسے دوسرے سوالات جو آخرت کے عالم نورانی سے مربوط ہیں کا قطعی جواب دینا ناآگاہ بشر اور عالم طبیعت کی حدود میں زندگی گزارنے والے انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔لیکن بعض علماء نے آیات قرآنی کے بعض نکات سے استفادہ کرتے ہوئے اور چند علمی مباحث کا سہارا لیتے ہوئے اس بارے میں کچھ مطالب بیان کئے ہیں۔ان میں سے دو طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

علامہ طباطبائی رضوان اللہ علیہ اپنے رسالے بنام ''حیات بعد از مرگ'' جو یادنامہ استاد مطہری کی کتاب میں شائع ہو چکا ہے، میں یوں لکھتے ہیں:

''انسان کے اعمال جو اس کے نفع یا نقصان کے ریکارڈ کئے جاتے ہیں، دنیا میں وہ انہیں محسوس نہیں کرسکتا کیونکہ (حواس) صرف اشیاء کی ظاہری سطح تعلق پیدا کرتے ہیں اور اشیاء کے باطنی اور گہرے امور صرف علامتوں اور آثار سے ادراک کرتے ہیں لیکن دوسرے جہان کی نشاۃ اور زندگی ایسی ہے کہ وہاں سب پردے ہٹ جائیں گے اور سب پنہاں امور آشکار ہوجائیں گے اور انہیں آزمائش وامتحان سے گزارا جائے گا اور سب چیزیں ظاہر ہوجائیں گی''**وبرزوا لله جميعا**'' اس لئے طائر کو کتاب اور نامہ سے توصیف کیا گیا ہے کہ خود شخص اس کو کھولے گا اور وہ آشکار ہوجائے گا۔''

نامۂ اعمال

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے''**احصه الله ونسوه**'' مجادلہ۔۶۔ نیز ارشاد ہوتا ہے:**بدالهم ما كانوا يخفون**

[1] بنی اسرائیل۔۱۴

من قبل۔انعام ۲۸۔اس میں ''احصا'' (شمار کرنا) اور ''بداء'' (آشکار ہونا) کو خود اعمال سے نسبت دی گئی ہے کیونکہ کتاب (نامہ اعمال) خود آعمال یا ان کی حقیقت کو لیئے ہوئے ہوگی ان اصطلاحی خطوط اور تحریروں پر مشتمل نہ ہوگی جو معین مفاہیم پر دلالت کرتے ہیں''۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ علامہ طباطبائی مرحوم کہتے ہیں کہ نامہ اعمال، خود اعمال یا ان کی حقیقت پر مشتمل ہوگا۔

علامہ فیض کاشانی رضوان اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''کلمات مکنونہ'' میں ہر انسان کے نفس کو اس کا نامۂ اعمال کہا ہے وہ یوں لکھتے ہیں:

صحیفہ عمل یا کتاب لوح

كل ما يدركه الانسان بحواسه يرتفع اثره الى روحه ويجتمع، فى صحيفه ذاته وخزانة مدركاته وكذلك كل مثقال ذرة من خيرا و شرا يعمله يرىٰ اثره مكتوبائمة وسيما مارسخت بسببه الهيات وتاكدت به الصفات وصار خلقا و ملكة فان ذلك مما يوجب خلود الثواب والعقاب فكل انسان نفسه صحيفه اعماله وهو كتاب عنطو اليوم عن مشاهدة الابصار وانما ينكشف بالموت ورفع مايورده الشواغل الحسيه المعبر عنه بقوله سبحانه "واذا الصحف نشرت" التكوير۔ ۱۰" فاذا حان وقت ذلك وهو "يوم تبلى السرائر۔ الطارق۔ ۹" صار الغيب شهادة والسر علانية والخبر عيانا فيقال "لقد كنت فى غفلة من هذا فكشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد۔ ق۔ ۲۲"۔ [1]

جس چیز کا آدمی اپنے ظاہری حواس سے ادراک کرتا ہے اس کا اثر اس کی روح پر ہوتا ہے اور ان اثرات کا مجموعہ اس کے صحیفۂ ذات اور ادراکات کے خزانے میں جمع ہوتا جاتا ہے۔اسی طرح ہر برا یا اچھا کام جو انسان انجام دیتا ہے وہ جس قدر چھوٹا اور ناچیز ہو اس کے صفحۂ ضمیر پر لکھا جاتا ہے۔خصوصاً ان موارد میں جب اندرونی کیفیت اور نقش باطنی اپنی گہرائیوں تک پہنچ جائے اور ایک راسخ عادت اور نفسانی ملکہ کی شکل اختیار کر لے اور یہی اچھے برے ملکات ہیں جو انسان کے ثواب یا عقابِ الٰہی میں دائمی رہنے کا موجب بنتے ہیں۔اس بناء پر ہر انسان کا صحیفۂ اعمال اس کی کتاب روح ہے جب تک ہم دنیا

---

[1] کلمات مکنونہ، ص ۱۵۷

میں ہیں یہ کتاب بند اور یہ صحیفہ لپٹا ہوا ہے اور ہم اسے نہیں دیکھ سکتے لیکن موت آنے سے وہ کتاب کھل جائے گی اور محسوس رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔ اس حقیقت کو قرآن شریف نے یوں تعبیر کیا ہے:

''جس وقت صحیفۂ اعمال کھولا جائے گا'' وہ وقت ''چھپے ہوئے رازوں کو آشکار ہونے کا دن ہے''۔ اس دن غیب ظاہر ہو جائے گا، پوشیدہ اشیاء عیاں ہو جائیں گی، سنی ہوئی خبروں کا مشاہدہ کیا جائے گا اور اس دن انسان سے کہا جائے گا ''تم جس حالت کا مشاہدہ کر رہے ہو اس سے تم غافل تھے اور ہم نے پردہ غفلت کو ہٹا دیا ہے۔ آج تمہاری آنکھیں بابصیرت ہو گئی ہیں اور جس چیز کو تم دنیا میں نہ دیکھ سکے آج اسے دیکھ رہے ہو۔

آپ نے علامہ فیض کاشانی کا نظریہ ملاحظہ فرمایا کہ ہر انسان کا نامۂ عمل اس کی کتاب روح اور اس کے ضمیر کی تختی ہے کہ جس میں اس کے اچھے اور برے افعال اس کی عادات اور نفسانی ملکات نقش ہو جاتے ہیں اور یہ تختی دنیا میں نظروں سے اوجھل ہے اور آخرت میں یہ آشکار ہو جائے گی۔

سرنوشت سے آگاہی

جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے اور پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ قیامت کے دن نیک افراد کا نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور برے افراد کا بائیں ہاتھ میں۔ گویا نامۂ اعمال کا دائیں اور بائیں میں تقسیم کرنا ان میں سے ہر ایک گروہ کے اوضاع و احوال کو روشن کرتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کم و پیش اپنے مستقبل سے واقف ہو جائے گا خصوصاً کتب اعمال کے مفاہیم اتنے واضح اور آشکار ہوں گے کہ صاحبانِ کتاب پہلی ہی نظر میں اپنے انجام کو جان لیں گے۔

خالد بن یحییٰ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیت ''اقرأ کتابك کفیٰ بنفسك الیوم علیك حسیباً۔ بنی اسرائیل ۴۹'' کی تفسیر کے بارے میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

> یذکر العبد جمیع ما عمل وما کتب علیه حتی کانه فعله تلك الساعة فلذلك قالوا "یویلنا مال هذا الکتاب لا یغادر صغیرة ولا کبیرة الا احصها۔ الکهف۔ ۴۹"[1]

> قیامت میں خدا کے بندوں میں سے ہر ایک اپنے نامۂ اعمال کو پڑھنے کے بعد دنیا میں جن کاموں کا اس نے ارتکاب کیا ہوگا اور وہ کتابِ اعمال میں درج ہوں گے اسے اس طرح یاد آجائیں گے اور اس

[1] تفسیر برہان، ج ۲ ص ۴۱۱

کی نظروں کے سامنے ظاہر ہو جائیں گے گویا اس نے انہیں اسی وقت انجام دیا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ اپنے نامہَ اعمال کو پڑھنے کے بعد کہیں گے یہ کس طرح کی کتاب ہے کہ جس میں کوئی بھی چھوٹا اور بڑا کام درج ہونے سے نہیں رہا، سب کو اس میں شمار کیا گیا ہے۔

کتابِ ابرار اور کتابِ فجار

بحث کے آخر میں ایک نکتے کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں صاحبان کے نامہ اعمال کے اعتبار سے کتاب کو دو ناموں سے پکارا گیا ہے ایک کو کتاب ابرار کے نام سے اور دوسری کو فجار کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

کتاب ابرابر کے بارے میں قرآن فرماتاھے:

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْأَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿١٨﴾ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿١٩﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٢٠﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿٢١﴾ [1]

بے شک نیک اور خدا کے اطاعت گذار بندوں کی کتاب عالی ترین اور بلند ترین مقام پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعظیم کے لئے علییون فرمایا ہے: تم کیا جانو علییون کیا ہے؟ کیا تم نے اس کا مشاہدہ کیا ہے؟ اس کے بعد نیک اور ابرار افراد کی کتاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ وضاحت فرماتا ہے کہ وہ لکھی ہوئی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے اس پر گواہ اور نگران ہیں۔

کتاب فجار کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

كَلَّآ إِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ﴿٧﴾ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿٨﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿٩﴾ [2]

بے شک گناہگاروں کی کتاب جس میں ان کے گناہ اور فجور تحریر کئے گئے ہیں وہ گھٹیا ترین اور پست ترین جگہ پر ہے اور تمہیں کیا معلوم سجین کیا ہے اور کس حد تک پست اور انحطاط کا شکار ہے۔ پھر فرماتا ہے: کتاب فجار لکھی ہوئی کتاب ہے۔

میدانِ قیامت میں انسانوں کے حساب و کتاب کے موقع پر یہ کتابیں تقسیم کی جائیں گی اور قرآن شریف کی چند

---

[1] التطفیف۔ ۱۸،۲۱

[2] التطفیف۔ ۷۔۹

آیات کے مطابق نیک اور پاکیزہ افراد کی کتاب ان کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی اور فاسق و فاجر اور پلید افراد کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ان چند آیات سے یہ مجموعی نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ نامۂ اعمال کی دو قسمیں ہیں:

ابرار اور پاکیزہ افراد کا نامہ اعمال اور برے افراد کا نامہ اعمال۔اسی طرح ان نامۂ اعمال کے حاملین کے بھی دو گروہ ہیں۔نیک اور پاکیزہ اور برے اور ناپاک۔لیکن قرآن کریم نے ایک اور مقام پر دائیں اور بائیں اصحاب کا ذکر کرنے کے بعد مقربین کا نام لیا ہے اور قیامت کے لوگوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔

مقربین کا گروہ

ارشاد ہوتا ہے:

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ [1]

قیامت کے دن تمہارے تین گروہ ہوں گے۔پہلا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جن کے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا یعنی اصحاب میمنہ، واصحابِ میمنہ کتنے بڑے لوگ ہیں۔دوسرا گروہ وہ ہوگا جن کے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا، یعنی اصحابِ مشئمہ واصحاب مشئمہ کتنے پست اور حقیر لوگ ہیں۔تیسرا گروہ راہ خدا، صراطِ مستقیم اور سعادت و کمال کے راستے میں سبقت لینے والے اور پیش روی کرنے والے والوں کا ہوگا۔یہ لوگ درگاہِ الٰہی کے مقربین ہیں اور تمام انسانوں سے زیادہ خدا کے نزدیک ہیں۔

پاکیزگی اور خلوص کے نمونے

یہ افراد انبیاء الٰہی ان کے برحق جانشین اور اللہ تعالیٰ کے خاص اولیاء ہیں یہ افراد گروہ خلوص اور اطاعت گذاری کے اعلیٰ ترین نمونے ہیں۔یہ وہ اشخاص ہیں جنہوں نے اپنی ساری عمر راہ حق کی بلندی، اوامر الٰہی کی تبلیغ اور انسانوں کو ضلالت اور گمراہی سے نجات دلانے میں صرف کی ہے۔ان کی اکثریت نے اس راستے میں سنگین مصائب، تکالیف اور شدید مشکلات کو

---

[1] الواقعہ۔۷،۱۱

برداشت کیا ہے اور ان میں سے بعض اسی راستے میں قتل ہو گئے۔

یہ بزرگوار اور شریف انسان، انسان سازی کے مدرسے کے استاد تھے ہر زمانے اور ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اپنی قوم میں اٹھ کھڑے ہوں، دین خدا کو لوگوں تک پہنچائیں۔ باطل اذکار اور غلط عقائد کو ان کے صفحات ذہن سے محو کریں، الحاد و شرک کی ہر صورت کو مٹا دیں، خرافات سے جنگ کریں اور معاشرے کو انسانی اقدار اور عادات سے مزین کریں۔

یہ خدا کے برگزیدہ بندے اور راہِ حق و فضیلت میں سبقت لے جانے والے ہر دور میں انسانوں کے لئے چراغ و ہدایت اور سعادت و کامیابی کے راستوں کے رہبر رہے ہیں۔ یہ لوگ آسمانی مسئولیت اور ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لئے شمع کی مانند جلتے ہیں تا کہ لوگوں کو روشنی میسر آ سکے، سیدھے اور ٹیڑھے راستے اور حق و باطل میں تمیز ہو اور وہ راہِ سعادت و کمال میں ترقی کر سکیں اور اپنے شایانِ شان کمال کو حاصل کر سکیں۔

یہ سابقین اور مقربین اس قسم کی شان و شوکت کے حامل ہوں گے جنہوں نے اپنی پوری زندگی خدا کی بے چون و چرا اطاعت میں بسر کی اس جہاد کے علاوہ انہوں نے لوگوں کو بھی اطاعت الٰہی کی طرف راغب کرنے اور انہیں ضلالت و گمراہی سے بچانے کے کوششیں کیں۔ امام صادق علیہ السلام کے فرمان کے مطابق یہ معلمینِ انسانیت اللہ کے رسول اور اس کے خاص اولیاء ہیں، یہ اس قدر پاک اور منزہ ہیں کہ قیامت کے دن بغیر حساب و کتاب کے بہشت میں داخل ہوں گے۔

اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

ان الله تبارك و تعالیٰ خلق الخلق ثلثة اصناف وهو قوله عزوجل و كنتم ازواجا ثلثة الايات۔ قال: فالسابقون هم رسل الله و خاصة الله من خلقه۔ [1]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو تین گروہوں میں خلق فرمایا ہے اور یہ قول الٰہی ہے کہ: تمہاری تین قسمیں ہیں۔ پھر امامؑ نے فرمایا: سابقین کا گروہ اللہ کے رسولوں اور اس کی مخلوق میں سے اس کے خاص بندوں پر مشتمل ہے۔

---

[1] تفسیر صافی، ص۵۱۹

باب نمبر 18

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾ (سورہ النحل آیۃ ۹۷)

الٰہی انسان کا جذبہ

آپ ایک الٰہی انسان کا تصور کریں جو خالقِ کائنات اور روزِ جزا پر حقیقی ایمان رکھتا ہو، اللہ کے برگزیدہ پیغمبر کی پیروی کرتا ہو، اس کے اوامر ونواہی پر سچے دل کے ساتھ عمل کرتا ہو ایسا شخص اگر رضائے الٰہی اور دینی تعلیمات کی اطاعت کے جذبے کے تحت جس عہد میں وہ زندگی گذار رہا ہے اس میں وہ عوام الناس کے لئے ایک خیراتی ہسپتال یا مطب بناتا ہے اس کے لئے تمام وسائل کو ذاتی طور پر مہیا کرتا ہے۔ تہی دست مریضوں کے لئے مفت ادویات فراہم کرتا ہے، غریب اور ضرورت مند افراد کی مختلف صورتوں میں مدد کرتا ہے، مختصر یہ کہ وہ سب اچھے قسم کے کام خلوص نیت کے ساتھ خدا کے لئے اور روزِ جزا میں رحمتِ الٰہی کی امید کے ساتھ انجام دیتا ہے۔

جزا وثواب کی خدا سے امید

اہل شہر اس کی ان عظیم اور قیمتی خدمات کی وجہ سے اس کی عزت وتکریم کرتے ہیں اور ہر مقام اور موقع پر اس کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اسے وہ بھی اپنا اخلاقی اور انسانی فریضہ سمجھتے ہوئے لوگوں کی طرف سے حوصلہ افزائی اور ستائش کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرتا ہے اور ان کے احساسات اور جذبات کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کو اپنے عمل کی جزا خیال نہیں کرتا کیونکہ ان خدمات میں اس کا ہدف ذاتِ اقدس الٰہی تھی۔ وہ اس کی جزا کا بھی اس سے طلب گار رہتا ہے اور اگر ایسا بھی ہو کہ لوگ اس کے کاموں کے بارے میں کوئی تعریف اور تذکرہ نہ کریں، اس کی خدمات کو نہ سراہیں تو وہ نہیں گھبراتا بلکہ اسی جوش وجذبہ کے ساتھ اپنی خدمت گزاری اور سچی روش کو جاری رکھتا ہے۔

مادہ پرست شخص کا جذبہ

اس الٰہی انسان کے مقابلے میں آپ ایک مادی شخص کا تصور کریں جو خالق اور قیامت پر عقیدہ نہیں رکھتا، اس

کائنات کو ایک اتفاقی حادثہ قرار دیتا ہے، وہ اگر عوام کو اپنی طرف متوجہ اور اپنے دنیاوی اہداف کو پانے کے جذبے کے ساتھ اسی الٰہی انسان کی طرح اپنے شہر میں ایک ہسپتال کی تعمیر کرتا ہے، علاج ومعالجہ کے تمام وسائل پورے کرتا ہے۔ غریب اور فقیر افراد کو مفت ادویات بہم پہنچاتا ہے۔ ضعیفوں اور حاجت مندوں کی مدد کرتا ہے مختصر یہ کہ وہ ہر اچھا کام انجام دیتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن سکے، لوگ اس کے اچھے کام کی ہر وقت تعریف کریں، اس کی موجودگی اور غیر موجودگی میں اسی کے تذکرے عوام کی زبان پر ہوں اور اگر مناسب موقع مل جائے تو وہ اسے اپنے نمائندے کے طور پر ملک کے اعلیٰ عہدے کے لئے منتخب کریں اور یوں فلاحی اور سچے کاموں کی جزا وہ اسے اپنا ووٹ دے کر دیں۔ درحقیقت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس مادہ پرست شخص نے اپنے شہر والوں کے ساتھ ایک سودا کیا ہے۔ اس کے کارِ خیر ایک جنس کی مانند ہیں جسے وہ معاشرے کے حوالے کرتا ہے اس کے مقابلے میں وہ عوام سے اس کی قیمت ادا کرنے کی توقع رکھتا ہے کہ وہ اس کی خدمات کا مختلف انداز میں صلہ دیں۔

ایک سوال کا جواب

اگر کوئی سوال کرے کہ ان دو آدمیوں کا قیامت میں کیا حال ہوگا؟ کیا یہ دونوں لوگوں کے فائدے میں انجام دیئے گئے کام میں برابر ہوں گے اور ہر دو مساوی طور پر الٰہی اجر وثواب کے حقدار ہوں گے یا عقیدہ وفکر میں فرق اور نیت وجذبہ میں تفاوت کی وجہ سے ان سے مختلف سلوک کیا جائے گا؟ اس سوال کا جواب جو معنوی اقدار کو واضح کرتا ہے اور انبیاء الٰہی کے مکتب کو بیان کرتا ہے، خدا کی پاک کلام میں ذکر ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝٢٠ [1]

دنیا اور آخرت کے طلب گار

جو شخص آخرت کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے اور آخرت کی کھیتی کے لئے بیج بوتا ہے ہم اسے اس کے عمل سے کہیں زیادہ اجر عطا کریں گے اور جس شخص کی زندگی کا ہدف صرف دنیا اور وہ اسی کی خاطر سعی وکوشش کرتا ہو تو ہم اسے دنیا ہی میں اس کے عمل کا اجر دیں گے اور اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

اگرچہ وہ ان دونوں اشخاص کارخیر بیماروں کے علاج کرنے، مفت دوائیاں دینے، ضرورت مندوں کی مدد اور

---

[1] الشوریٰ۔ ۲۰

حمایت کرنے کے لحاظ سے برابر ہیں اوران سے جو عوام کو فائدہ پہنچتا ہے وہ ایک جیسا ہے لیکن ان نیک کاموں سے جو نفع اور فائدہ انہیں حاصل ہوتا ہے وہ برابر اور یکساں نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی نیتوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ لہٰذا اپنے عمل کا جو فائدہ ان کو ملے گا وہ متفاوت ہوگا۔

خدا کی خاطر خدمتِ خلق

با ایمان شخص اپنے عمل میں روحانی اور انسانی جذبہ رکھتا ہے۔ اس نے ہسپتال اور میڈیکل سنٹر کو خدا کی خوشنودی اور رضاء کے لئے تعمیر کیا ہے۔ اس کارِ خیر سے اس کا مطمعِ نظر رضائے حق کا حصول تھا اور وہ خدا کے بندوں سے محبت اور احسان کے وسیلے سے خود پرستی وخود خواہی کے چنگل سے رہائی پانا چاہتا تھا۔ وہ مادیات کی حدود سے باہر قدم رکھنا چاہتا تھا۔ اس کا مقصود معنوی کمالات تک پہنچنا اور اپنے آپ کو کمال کے انتہائی درجے تک پہنچانا تھا یعنی وہ ذات مقدس الہ سے نزدیک ہونا چاہتا تھا۔ وہ عالم امکان میں انسانی اقدار کو حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ شخص قرآن کی اس آیت کا مصداق ہے:

ہوا وہوس کی خاطر خدمت

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝۹۷ [1]

جو بھی مرد یا عورت خدا پر ایمان کے ساتھ نیک اور صالح عمل انجام دے ہم اسے پاک اور طیب حیات کے ساتھ زندہ کریں گے اور انہیں ان کے انجام دئے گئے عمل سے بہتر اور بڑھ کر ثواب اور جزا سے نوازیں گے۔

دنیاوی انسان کا فلاحی کام انجام دینے کا ہدف اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل، اور اپنی جبلت کی سیرابی اور اپنے دنیاوی مقاصد کا حصول تھا۔ اس نے ہسپتال اپنی ہوائے نفس اور خودنمائی کی خاطر بنایا۔ اس کا مقصد عوام کی خدمت کے ذریعے سے ان کی توجہ کا مرکز بنتا تھا اور ان کے دلوں میں گھر کرنا تھا تا کہ وہ اس کی تعریف وستائش کریں اور کبھی کبھی اس کی چاپلوسی اور خوشامد کرنے پر اتر آئیں۔ وہ اس طریقے سے اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنا چاہتا تھا۔

اگر کوئی شخص اعمالِ خیر کے ذریعے اپنی دنیا کو زیادہ سے زیادہ آباد کرنا چاہتا تھا اور اپنی مادی خواہشات اور آرزوؤں کو عملی جامہ پہنانا چاہتا ہے تو اس کا اللہ کے ہاں کوئی حساب نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اس سے اجر وثواب کی امید

---

[1] النحل ۹۷

رکھے۔ ایسے انسان کا عمل اس چندروزہ فانی زندگی میں کچھ لوگوں کی زبانوں پر رہتا ہے اور وقت گذرنے کے ساتھ فراموش ہوجاتا ہے اور فنا کی وادی میں چلا جاتا ہے۔ لیکن جس شخص کا عمل خیر میں ہدف اللہ کی ذات ہو۔ اور اس نے لوگوں سے اجر کی توقع کے بغیر خدا کی خاطر مخلوق خدا کی خدمت ہو، اس کا عمل اللہ کے نزدیک باقی اور محفوظ ہے اور قیامت کے دن خدا اسے اپنے ثواب جاوید سے بہرہ مند فرمائے گا۔

چند باشی عاشق صورت بگو
طالب معنی شود معنی بجو
صورت ظاہر فنا گردو بدان
عالم معنی بماند جاودان

جان تو ظاہری صورت فنا ہوجائے گی معنوی عالم ہی ہمیشہ رہے گا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

مَا عِنْدَ كُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ط [1]

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب ختم اور فنا ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی اور سلامت رہے گا۔

مشہور ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ ایک عاقل انسان جس کے پاس کھیت موجود ہو، وہ موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کاشت کے موقع پر بیج ڈالتا ہے تاکہ کٹائی کے وقت فائدہ حاصل کرسکے۔

ہر کہ دانہ نفشاند بزمستان درخاک
ناامیدی بود از دخل بہ تابستانس

جو کوئی سردیوں میں زمین میں بیج نہ ڈالے گرمیوں میں اسے ناامیدی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حدیث نبویؐ ہے:

احرث فی دنیاك لاخرتك۔ [2]

پیغمبر اسلامؐ نے اپنے پیروکاروں کو نصیحت فرمائی ہے کہ جب تک تم زندہ ہو دنیا کی کھیتی سے فائدہ اٹھاؤ، اپنے اچھے اعمال کا اس میں بیج کاشت کرو تاکہ آخرت میں اپنی فصل کاٹ سکو۔

---

[1] النحل۔۹۶

[2] ابراہیم۔۱۸۔ مفردات راغب (حرث)

یہ بات معلوم ہے کہ بنجر اور شورزدہ زمین جس میں پودے اگانے کی صلاحیت نہیں ہوتی اس میں بیج ڈالنا بے فائدہ ہے۔بنجر زمین میں بیج گل سڑ کر خاک ہوجاتا ہے۔اس کا حیاتی مادہ نابود ہوجاتا ہے اور اس کا اثر بالکل ختم ہوجاتا ہے۔

زمین شورہ سنبل برنیارد

در آن تخم عمل ضائع مگر دان

بنجر زمین سبزہ نہیں اگاتی اس میں عمل کا بیج ڈال کر اسے ضائع مت کرو۔

خلوص نیت اور اخروی ثواب

اسلام کے مکتب کے مطابق دنیا میں انجام پانے والے فلاحی اور اچھے کام اس وقت آخرت میں فائدہ پہنچائیں گے اور اپنے صاحب کے لئے سودمند ثابت ہوں گے جب وہ باایمان شخص سے خدا کی خاطر اور خلوصِ نیت کے ساتھ صادر ہوئے ہوں گے لیکن اگر اچھے کام بے ایمان، خدا اور قیامت کے منکر شخص سے انجام پائیں تو ان کی مثال بنجر زمین میں بیج ڈالنے کی سی ہے کہ جس میں بہترین بیج بھی ضائع اور فاسد ہوجاتا ہے اور کٹائی کے موسم میں کاشتکار کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا۔یہی بات قرآن مجید نے دو مثالوں میں بیان فرمائی ہے: ارشاد ہوتا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ١٨ [1]

جنہوں نے اپنے رب سے کفر اختیار کیا ان کے اعمال کی مثال خاکستر کے ڈھیر کے مانند ہے جو طوفانی دن میں شدید آندھی کی زد میں آیا ہو جیسا کہ اس خاکستر کے ڈھیر سے کچھ نہیں بچتا اسی طرح یہ بھی اپنے اعمال کا ذرہ بھر فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے اور یہ بہت بڑی گمراہی اور حقیقت سے بہت دور کی خطا ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

سراب کی مانند اعمال

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا [2]

---

[1] ابراہیم۔۱۸

[2] النور۔۳۹

دنیا میں بے ایمان افراد کے لئے اعمال سراب کی مانند ہیں جو بڑے وسیع صحراء پر پھیلا ہوا ہے۔ پیاسا انسان جب دور سے اس کی امواج کو دیکھتا ہے تو اسے پانی خیال کرتا ہے۔ بڑے شوق اور ولولے سے اس کی جانب بڑھتا ہے کہ تا کہ اسے پی کر پیاس بجھائے لیکن جونہی اس کے قریب پہنچتا ہے کچھ بھی نہیں پاتا اور سمجھ جاتا ہے کہ یہ تو پانی نہ تھا۔

مذکورہ وضاحت سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ مادی مکاتب کے پیروکاروں کے اچھے اعمال کی بارگاہِ الٰہی میں کوئی معنوی اہمیت اور اجر اخروی نہیں ہے۔ کیونکہ اس گروہ نے آفریدگارِ حکیم کے وجود اور عالم ماوراء طبیعت کا انکار کیا ہے اور اس کائنات کو ایک اتفاقی حادثہ قرار دیا ہے۔ انہوں نے اپنے اس طرزِ تفکر سے خالقِ کائنات کے مخلوق پر عظیم حق کو نظر انداز کیا ہے اور اس کے منکر ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے اس باطل تفکر کی بنیاد پر حضرت باری تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی میں سوءادب کو جائز سمجھا ہے۔ قرآن شریف نے ان کے اچھے کاموں کو طوفان کے مقابلے میں راکھ کے ڈھیر اور بہت بڑے صحرا میں سراب سے تشبیہ دی ہے۔

بعض افراد خالق کائنات پر ایمان رکھتے ہیں اور مادی نظریے کو باطل سمجھتے ہیں لیکن عبادت میں شرک کرتے ہیں اور موہوم خداؤں مثلاً سورج، چاند، گائے، درخت، بت اور دیگر خود ساختہ معبودوں کو عبادت میں خدا کا شریک قرار دیتے ہیں اور ان کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ افراد اپنی عقل اور تفکر کو بروئے کار نہ لا کر اس انحراف کا شکار ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے ماحول اور معاشرے کے رسم و رواج کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اپنے جاہل اور نادان آباؤ اجداد کی مشرکانہ روش کو اختیار کیا ہے۔ یہ گروہ بھی خدا کے منکر مادہ پرستوں کی طرح قیامت میں عذاب میں ڈالا جائے گا اور دنیا میں جو کارِ خیر یہ انجام دیں گے وہ ان کے دامن سے شرک کے داغ کو نہیں مٹا سکیں گے اور ان کو غیر اللہ کی پرستش کے جرم کی سزا سے نہیں بچا سکیں گے۔

عبادت میں شرک کا گناہ مادہ پرستی، کفر اور انکارِ خدا کے گناہ کی طرح ناقابلِ عفو ہے۔

غیر قابلِ عفو گناہ

قرآن شریف اس بارے میں فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ [1]

بے شک اللہ شرک کرنے والوں کو معاف نہیں کرتا اور شرک کے علاوہ باقی گناہوں میں سے جسے چاہتا

[1] النساء۔ ۴۸

ہے معاف کر دیتا ہے۔

بعض خدا پرست لوگ اگر چہ اپنے انبیاء سے اظہارِ محبت اور دوستی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو قرآن کا پیرو سمجھتے ہیں، اس کے باوجود عبادت میں شرک کا شکار ہوتے ہیں لیکن وہ ظاہری اور آشکارا شرک میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ اندرونی اور خفیہ شرک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ یہ گروہ بتوں کو سجدہ نہیں کرتا، سورج اور چاند کی پوجا نہیں کرتا اور دوسرے خود ساختہ معبودوں کی بندگی نہیں کرتا لیکن اپنے اندرونی بتوں یعنی ہوائے نفس کو اپنا معبود قرار دیتا ہے اور اس کی پرستش کرتا ہے اور اسی کی بے چون و چرا عبادت کرتا ہے۔ اس گروہ نے دنیا کو ہی اپنا اصلی ہدف بنالیا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد مادی اہداف کا حصول ہے اور کچھ نہیں۔

دکھاوے کی عبادت

ایسے لوگ عوام میں اچھی شہرت پانے اور ان کا اعتماد حاصل کرنے کی خاطر اور اس ذریعے سے جاہ و مقام، عہدہ و اقتدار، محبوبیت، مال و ثروت اور دوسرے مادی امور کو پانے کے لئے دینِ الٰہی کو اپنے غیر شرعی اہداف کے حصول میں آلے اور ذریعے کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور عبادی افعال جنہیں شارع اسلام نے شریعت قرار دیا ہے اور جنہیں خلوص نیت کے ساتھ خدا کے لئے انجام دینا چاہیے۔ یہ انہیں ریاکاری اور دکھاوے سے آلودہ کر دیتے ہیں تاکہ لوگ دھوکا کھا جائیں اور یوں وہ طرح طرح کے مادی مفادات کو حاصل کر سکیں۔ آئمہ علیہم السلام نے اپنی متعدد روایات میں عبادت میں ریاء کو شرک سے تعبیر کیا ہے اور اپنے پیروان کو اس دھوکے اور فریب دینے والے غیر انسانی اور یکتا پرستی کے منافی عمل سے شدت سے منع کیا ہے۔

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

لو ان عبدا عمل عملا یطلب به وجه الله والدار الاخرة وادخل فیه رضا احد من الناس کان مشرکا۔ [1]

اگر کوئی بندہ اللہ اور آخرت کی خاطر عمل انجام دے اور اس میں لوگوں میں سے کسی ایک کی رضا اور خوشنودی کو اپنی نیت میں شامل کر دے تو اس نے شرک کیا ہے۔

---

[1] وسائل، ج۱، باب ۱۱، مقدمہ عبادت، ص۴۹

خلوص عمل کیا ہے؟

عبادت میں قیام وقعود، رکوع، سجود، تسبیح اور ذکر جسم کی مانند ہیں اور اس کی روح خلوص نیت ہے۔ خلوص کا معنی یہ ہے کہ عبادت کو فقط اور فقط خدا کے لئے اور اس کا حکم بجالانے کی غرض سے انجام دیا جائے اور غیر خدا کو اس میں شامل نہ کیا جائے اور اس کا حصہ قرار نہ دیا جائے۔ ایسی عبادت معنوی اہمیت کی حامل ہے اور روح کے کمال اور بلندی کا باعث ہے۔ یہ عبادت اپنے صاحب کو قربِ الٰہی کی منزل تک پہنچاتی ہے اور قیامت کے دن اسے جزائے الٰہی سے ہمکنار کرے گی۔ خلوص سے عاری عبادت نہ صرف اپنے صاحب کو معنوی کمال اور روحانی بلندی تک نہیں پہنچاتی بلکہ انسان کو شرک اور عبادت کے راستے پر لے آتی ہے اور اس کی بدبختی اور ہلاکت کا موجب بنتی ہے۔

روح باید تا دہد طاعات ، بر
مغز باید تا دہد دانہ شجر
دانہ بی مغز کی گردد نہال
صورت بے جان نبا شد جز خیال
طاعتش نفز است دہنی نفزنی
جوزہا بسیار و در وی مغزنی

عمل کی پاکیزگی

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

كل عمل تعمله لله فليكن نقيا من الدنس۔ [1]

انسان جس عمل کو بھی اللہ کے لئے انجام دینا چاہتا ہے ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کی پلیدگی اور آلودگی سے مبرا ہو۔

اس سے بڑھ کر اور بدتر ناپاکی کیا ہوگی کہ انسان اپنی عبادت کو شرک سے آلودہ کردے اور مقام بندگی میں مخلوق کو خالق کے ہم پلہ قرار دے دے اور ایک ہی عمل میں دونوں کی پرستش کرے۔ ریاکاروں کی عبادت دربار الٰہی میں مردود اور مسترد ہے۔ قیامت میں دن ان سے بطورِ استہزاء کہا جائے گا: جاؤ انہی سے اپنی جزا حاصل کرو جن کے

---

[1] جواہر الکلام، ج۹ ص ۱۸۸

لئے عمل بجالاتے تھے۔

حدیث نبویؐ ہے:

اذا کان یوم القیمة نادی مناد یسمع اهل الجمع این الذین کانوا یعبدون الناس قوموا خذوا اجورکم ممن عملتم له فانی لا اقبل عملا خالطه شئ من الدنیا و اهلها۔ [1]

جب قیامت کا دن آئے گا تو ایک منادی کی آواز گونجے گی جسے تمام اہل محشر سنیں گے۔ اس کی ندا یہ ہوگی: کہاں ہیں وہ لوگ جو بندوں کی عبادت کیا کرتے تھے، وہ کھڑے ہوں اور جا کر انہی سے اپنے عمل کی جزا وصول کریں جن کی خاطر انہوں نے عمل انجام دیا۔ کیونکہ میں ایسے عمل کو ہرگز قبول نہیں کرتا جس میں اہلِ دنیا کی کوئی چیز مخلوط ہو۔

عبادت اگر خدا کے لئے اور خلوص نیت کے ساتھ بجالائی جائے تو بارگاہِ الٰہی میں قبول ہے اور عبادت گذار قیامت میں ثوابِ الٰہی کا حقدار ہوگا، اگر عبادت گذار کی نیت غیر خالص ہو اور وہ غیر اللہ کو عمل میں شریک کرے تو نہ صرف وہ اجرِ الٰہی کا مستحق نہیں بلکہ وہ عبادت میں شرک اور ریاکاری کے جرم میں سزا کا حقدار قرار پائے گا۔

خلوص کے درجات

چونکہ عبادت میں خلوص نیت کے مختلف درجات اور مراتب ہیں اس لئے عبادت گذاروں کے بھی مختلف درجے اور مراتب ہوں گے۔ بہت سے حقیقی مومنین جو خلوص نیت سے دینی فرائض بجالاتے ہیں، محرمات سے اجتناب کرتے ہیں اور ان کا مقصد اطاعتِ خدا ہوتا ہے، وہ اوامر الٰہی پر عمل پیرا ہو کر قیامت کے دن نیک اور پاکیزہ افراد کی صف میں شامل ہونا چاہتے ہیں اور بہشت کی جاوداں نعمتوں سے بہرہ مند ہونا چاہتے ہیں، محرماتِ الٰہی سے اجتناب کے ذریعے اپنے آپ کو عذابِ خدا سے محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔ بے شک یہ اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں اور فرائض دینی کی بجا آوری میں ان کا محرک رحمتِ الٰہی کا حصول اور اس کے عذاب سے دوری ہے۔ اللہ کے بزرگ اولیاء کا خلوص نیت مرتبے کے لحاظ سے بہت بلند و بالا ہے۔ وہ اپنی بندگی میں صرف اور صرف خدا کے طلب گار ہوتے ہیں، صرف اسی کی یاد میں رہتے ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں اور عبادت کو فریضۂ بندگی اور شکر گذاری کا لازمہ سمجھتے ہیں۔ عبادت میں ان کا خلوص اس قدر بلند ہوتا ہے کہ ان کی نیتوں

---

[1] مشکوۃ الانوار ص ۳۱۲

پر نہ تو بہشت کا شوق اثر انداز ہوتا ہے اور نہ دوزخ کا خوف۔

احرار کی عبادت

امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں:

ان قوما عبدوا الله رغبة فتلك عبادة التجار وان قوما عبدوا الله رهبة فتلك عبادة العبيدو ان قوما عبدوا الله شكرا فتلك عبادة الاحرار وهی افضل العبادة۔ [1]

لوگوں کی ایک جماعت خدا کی عبادت بہشت کے شوق میں کرتی ہے۔ یہ تاجروں جیسی عبادت ہے۔ ایک جماعت خدا کے ڈر سے عبادت کرتی ہے یہ غلاموں جیسی عبادت ہے اور ایک جماعت خدا کی عبادت اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے شکر گذاری کے طور پر کرتی ہے یہ حریت پسندوں جیسی عبادت ہے اور ایسی عبادت تمام عبادتوں سے افضل اور بہتر ہے۔

وہ لوگ جو عبادی افعال اور نیک کام عوام کو دھوکا اور فریب دینے کے لئے انجام دیتے ہیں اور خدا پرستی کے مرکز میں بیٹھ کر ریاکاری کر کے خود پرستی کرتے ہیں تاکہ اس طرح وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن سکیں اور ان سے داد و تحسین وصول کر سکیں، انہیں جان لینا چاہیے کہ وہ اپنے غلیظ عمل کے ذریعے اپنے آپ کو آ گاہانہ یا نا آ گاہانہ طور پر مشرکین کی صف میں شامل کر رہے ہیں اور قیامت کے دن دربار الٰہی میں ذلت وخواری کے ساتھ ان کو ٹھکرا دیا جائے گا۔ یہ بات بہت سی روایات میں ذکر کی گئی ہے ان میں سے ایک روایت یہاں نقل کی جاتی ہے۔

قیامت میں باز پرس

رسول اکرم نے فرمایا:

اول من يدعى يوم القيمة رجل جمع القرآن يقول الله تعالىٰ الم اعلمتك ما انزلت على رسولى فيقول بلى يا رب فيقول ماذا عملت فيما علمتك فيقول يا رب كنت اقوم به الليل والنهار فيقول الله كذبت وتقول الملائكة

---

[1] مشکوۃ الانوار، ص ۳۱۲

كذبت بل اردت ان يقال فلان قارى فقد قيل اذهب فليس لك اليوم عندنا شيئ ثم يدعىٰ صاحب المال فيقول الله عبدى الم انعم عليك ألم اوسع عليك فيقول بلى يا رب فيقول فماذا علمت فيما اتيتك فيقول يارب كنت اصل الارحام واتصدق وافعل فيقول الله كذبت بل اردت ان يقال فلان جواد فقد قيل لك اذهب فليس لك اليوم عندنا شئ ويدعى المقتول فيقول الله له عبدى فيم قتلت فيقول يا رب فيك وفى سبيلك فيقول الله له كذبت وتقول الملائكة كذبت بل اردت ان يقال فلان جرى فقد قيل ذلك اذهب فليس لك اليوم عندنا شئ ثم قال رسول الله (ص) اولئك الثلاثة شر خلق الله يسقر بهم النار يوم القيمة۔ [1]

قیامت کے دن سب سے پہلے حافظ قرآن کو حساب و کتاب کے لئے بلایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے خطاب فرمائے گا: کیا ہم نے اپنے پیغمبرؐ پر نازل کی جانے والی کتاب تمہیں نہ سکھائی تھی؟ وہ جواب دے گا: ہاں پروردگار! تو نے سکھائی تھی۔ پھر فرمایا جائے گا: ہمارے سکھانے کے بدلے تم نے کون سا عمل انجام دیا؟ وہ جواب دے گا: میں نے دن رات قرآن کی ترویج اور قرأت پر صرف کئے۔ اللہ اور فرشتے کہیں گے: تم نے جھوٹ کہا ہے، تمہارے اس کام کا ہدف قرآن کی تعلیمات کا پرچار نہیں تھا بلکہ یہ کہ لوگ کہیں کہ فلاں بڑا زبردست قاری ہے اور یہ بات انہوں نے تمہارے لئے کہی یعنی تم نے اپنا اجر وصول کرلیا ہے۔ جاؤ آج کے دن ہمارے پاس تمہارے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔

ثروت مندوں سے باز پرس

اس کے بعد مالدار شخص کو باز پرس کے لئے حاضر کیا جائے گا۔ اللہ ارشاد فرمائے گا: اے میرے بندے! کیا میں نے تمہیں مال کی نعمت اور کشادہ زندگی عطا نہیں کی تھی؟ وہ جواب دے گا: ہاں پروردگار! ارشاد ہوگا میری عطا کی گئی نعمتوں میں سے میرے لئے کون سا عمل انجام دیا ہے؟ وہ کہے گا میں نے اپنے اموال میں سے صلہ رحمی کی، صدقہ دیا، اور دوسرے کار خیر انجام دیئے۔

---

[1] تفسیر در المنثور، ج۳، ص ۳۲۳

اللہ فرمائے گا: تم جھوٹ بولتے ہو بلکہ تمہارا مقصد یہ تھا کہ تم لوگوں میں مشہور ہو جاؤ کہ فلاں شخص بڑا سخی اور مہربان ہے۔ درحقیقت تم نے لوگوں سے اجر پالیا ہے۔ جاؤ آج ہمارے پاس تمہارے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔

میدانِ جنگ کا مقتول اور حساب و کتاب

اس کے بعد میدان جنگ میں قتل ہونے والے شخص کو حساب کے لئے پیش کیا جائے گا۔ خدا فرمائے گا۔ میرے بندے! تم کس راہ میں مارے گئے؟ وہ عرض کرے گا پروردگار! تیری راہ میں جان قربان کی ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتے کہیں گے: تم جھوٹ کہتے ہو تمہارا تو مقصد یہ تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص بڑا بہادر اور جرأت مند ہے اور یہ انہوں نے تمہارے بارے میں کہہ دیا ہے لہٰذا تم اپنی جزا وصول کر چکے ہو۔ جاؤ آج کے دن ہمارے پاس تمہارے لئے کوئی اجر و ثواب نہیں ہے۔ پھر رسول اکرمؐ نے فرمایا: یہ تین قسم کے افراد یعنی ریا کارانِ قرآن، ریا کارانِ مال اور ریا کارانِ جہاد خدا کی بدترین مخلوق ہیں اور قیامت کی آگ ان سے بھڑکائی جائے گی۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن صرف وہی افراد ثوابِ الٰہی سے فیض یاب ہوسکیں گے جنہوں نے خلوص نیت کے ساتھ اعمال کو اسی کی خاطر بجالایا ہوگا۔ ریا کاری کرنے والے مشرک افراد نے خدا کے لئے کام ہی نہیں کیا ہوگا کہ وہ اس سے اجر و ثواب کی توقع رکھیں۔ انھوں نے دنیا میں اچھے کام لوگوں کے لئے اور اپنی شہرت و مقبولیت کے لئے انجام دیئے ہوں گے اور ان کا ثواب بھی لوگوں کی تعریف و توصیف کی صورت میں اس دنیا میں انہیں مل گیا ہوگا۔

ریا کاروں کی جزا

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

كل رياء شرك، انه من عمل للناس كان ثوابه على الناس ومن عمل لله كان ثوابه على الله۔ [1]

ہر ریاء شرک ہے جو شخص لوگوں کے لئے عمل بجالاتا ہے اس کا ثواب بھی لوگوں کے ذمے ہے اور جو خدا کے لئے عمل انجام دے اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہوگا۔

---

[1] کافی، ج ۲، ص ۲۹۳

ظاہر نیک باطن برا

حضرت علی علیہ السلام ریاکاری کی مذموم عادت جو دنیا میں شرک کا باعث اور آخرت میں فیض اور رحمت الٰہی سے محرومی کا موجب ہے، سے ذات باری تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللهم انی اعوذبك من ان تحسن فی لا معة العیون علا نیتی وتقبح فیما ابطن سریرتی محافظا علی رئاء الناس من نفسی بجمیع ما انت مطلع علیه منی فابدی للناس حسن ظاهری وافضی الیك بسوء عملی تقربا الی عبادك وتباعدا من مرضاتك۔ [1]

اے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تو میرے ظاہر کو لوگوں کی نظروں میں اچھا بنا دے اور میرے باطن کو ان امور میں جو تیرے لئے پنہاں رکھتا ہوں برا اور قبیح بنا دے۔ اس طرح کہ لوگوں کے سامنے تو میں اپنی ریاکاری اور دکھاوے جن سے تیری ذات آگاہ ہے، کا خیال رکھوں اور انہیں چھپاؤں تاکہ اپنی ظاہری صورت کو مخلوق کے سامنے آشکار کروں اور اپنے برے اور ناپسندیدہ کاموں کو تیرے تک محدود رکھوں تاکہ تیرے بندوں کے قریب ہوسکوں اور تیری رضا و خوشنودی سے دور ہو جاؤں۔

سائنسدانوں کا ثواب

بعض افراد ان سائنس دانوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں جنہوں نے اپنی ایجادات اور انکشافات کے ذریعے انسانی معاشرہ کی خدمت کی ہے اور انسانیت کے آرام و آسائش کا سامان فراہم کیا ہے۔ کہتے ہیں: قیامت میں ان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جائے گا؟ ان میں سے کچھ نے میڈیکل کے شعبے میں بڑی اہم اور گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں قدرت کے بہت سے رازوں سے پردہ اٹھایا ہے اور بعض بیماریوں کے تمام عمر کے مریضوں کی بہت بڑی تعداد کو یقینی موت کے منہ سے بچایا ہے، کیا یہ سائنسدانوں اپنی سائنسی خدمات پر جزائے الٰہی کے مستحق ہوں گے اور اخروی ثواب کے حقدار ہوں گے یا ان کا اجر و ثواب دنیا میں لوگوں کی وہ قدردانی اور احترام ہے جس کے وہ ان کے بارے میں قائل ہیں؟

---

[1] نہج البلاغہ، کلمہ ۲۷۲

اساتذہ کی تشویش اور نوبل انعام

مذکورہ تشریح سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر وثواب صرف ان لوگوں کے نصیب ہوگا جنہوں نے دنیا میں اعمالِ خیر کو خلوص نیت کے ساتھ خدا کی خاطر انجام دیا ہو۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سائنسی تحقیقات اور تجربات میں سائنسدانوں کے مدنظر نہ تو خدا ہوتا ہے اور نہ ہی ان میں اللہ کے لئے خدمتِ خلق کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ ان کا مطمع نظر عالمِ طبیعت کے رازوں کی جستجو اور اپنے سائنسی مقصد کو پانا ہوتا ہے۔ جس دن وہ اپنی محنت وکوشش کا نتیجہ حاصل کر لیتے ہیں یعنی عالمِ طبیعت کے کسی چھپے ہوئے راز سے پردہ اٹھا لیتے ہیں یعنی کسی نامعلوم حقیقت کو کشف کر لیتے ہیں ان کی تمام تر توجہ اپنے اساتذہ، دنیا کے دوسرے سائنسدانوں، پروفیسروں اور سکالروں کی طرف ہو جاتی ہے وہ ان سے تائید اور تشویق کے خواہش مند ہوتے ہیں اور ان کی قدردانی اور تعریف کو اپنی محنتوں کا اجر تصور کرتے ہیں۔ اگر موجودہ دور کا سب سے بڑا علمی انعام ''نوبل پرائز'' انہیں مل جائے تو ان کی اپنی نظروں میں بھی اور دوسرے سائنسدانوں کے خیال میں بھی عظیم اجر وانعام سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ اگر ان کی ایجاد بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہو تو رفتہ رفتہ پوری دنیا میں ان کا چرچا ہوتا ہے اور ان کا نام بچے بچے کی زبان پر آ جاتا ہے۔ یونیورسٹیوں کے نام ان کے ناموں پر رکھے جاتے ہیں دنیا کے علمی مراکز میں ان کے مجسمے نصب کئے جاتے ہیں، ان کی زندگی میں تمام لوگ ان کا احترام کرتے ہیں، ان کی موت کے بعد ان کے خاندان اور رشتہ داروں کا بھی احترام کیا جاتا ہے۔

اس لئے ایک سائنسدان خدا اور خدمت خلق کے لئے سائنسی تحقیقات اور تجربات کو انجام نہیں دیتا کہ وہ اللہ سے ثوابِ اخروی کی امید رکھے۔ مگر یہ کہ کوئی ایسا سائنسدان ہو اور اس نے اپنی علمی تحقیقات کو خدا کی خاطر ریاکاری کے بغیر انسانوں کی خدمت کے لئے پیش کیا ہو۔ یہ سائنسدان لازمی طور پر ثوابِ اخروی کا حقدار ہوگا۔

اعمالِ صالحہ کے لئے بلائیں

قیامت کے دن اعمال صالحہ اور اجر الٰہی کے حوالے سے ایک اور سوال پیدا ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خالق کائنات پر ایمان رکھتا ہو اور اس نے عمل خیر خلوص کے ساتھ اس کے لئے انجام دیا ہو کیا اس کا یہ عمل جس میں عامل کی طرف سے تمام شرائط موجود ہوں کسی بلا ومصیبت سے دوچار ہو کر اپنا اثر کھو دیتا ہے یا یہ کہ جب عمل صالح خلوص کے ساتھ خدا کی خاطر انجام دیا گیا وہ خطرات سے محفوظ رہتا ہے اور وہ ہمیشہ اللہ کے ہاں باقی رہتا ہے، یہاں تک کہ جب قیامت آئے گی تو اس کے صاحب کو اس کا اجر مل جائے گا؟

دینی نقطۂ نظر سے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب تک صاحبِ عمل اس دار تکلیف میں ہے اور اس کو موت نہیں آتی اعمال صالحہ کے لئے خطرات موجود رہتے ہیں۔ ممکن ہے کوئی شخص برا عمل انجام دے کر اور کسی برائی کا ارتکاب کر کے اپنے نیک عمل کے اثر کو زائل کر دے اور اپنے آپ کو ثواب الٰہی سے محروم کر دے۔ اور یہ وہی حبطِ اعمال کا مسئلہ ہے جو قرآن شریف کی متعدد آیات اور بہت سی روایات میں بیان ہوا ہے۔

ایک حدیث امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

قال رسول الله صلی الله علیه واله: من قال "سبحان الله" غرس الله له بها شجرة فی الجنة ومن قال "الحمد لله" غرس الله له بها شجرة فی الجنة ومن قال "لا اله الا الله" غرس الله له بها شجرة فی الجنة ومن قال "الله اکبر" غرس الله له بها شجرة فی الجنة فقال رجل من قریش یارسول الله ان شجرنا فی الجنة لکثیر قال نعم ولکن ایاکم ان ترسلوا علیها نیرانا فتحرقوها وذلك ان الله عزوجل یقول: یا ایها الذین امنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۔ "محمد۔ ۳۳"۔ [1]

نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ چار مقدس ذکر سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر، ایک مرتبہ اپنی زبان پر جاری کرے اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے بدلے کہنے والے کے لئے جنت میں ایک درخت کاشت کر دیتا ہے۔ ایک قریشی مجلس میں حاضر تھا اس نے عرض کی یارسول اللہ جس طرح آپؐ فرما رہے ہیں اس طرح تو ہمارے بہشت میں بہت زیادہ درخت ہوں گے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں! مگر تم خیال رکھو مبادا یہاں سے آگ بھیجو جو ان درختوں کو جلا دے اور یہ وہی ہے بات جس کا تذکرہ خدا نے اپنی کتاب قرآن مجید میں کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اللہ کی اطاعت کرو، رسول اللہ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔"

امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک اور روایت نقل ہوئی ہے آپ فرماتے ہیں:

الا بقاء علی العمل اشد من العمل قال وما الابقاء علی العمل؟ قال یصل

---

[1] ثواب الاعمال صدوق۔ ص۲۶

الرجل بصلة وينفق نفقة لله وحده لا شريك له فكتب له سرا ثم يذكرها فتمحى فتكتب له علانية ثم يذكرها فتمحى و تكتب له رياء.[1]

عمل خیر کا باقی رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا اس کے انجام دینے سے مشکل ہے۔ راوی آپؑ سے سوال کرتا ہے: عمل کے باقی رکھنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ فرماتے ہیں ایک مسلمان اگر صلۂ رحمی کرتا ہے یا مال کو راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں مخفی صدقہ لکھا جاتا ہے پھر وہ اپنے مخفی عمل کو کسی دوسرے سے بیان کرتا ہے تو اس عمل کے مخفی ہونے کا اجر زائل ہو جاتا ہے اور وہ ظاہری صدقے میں بدل جاتا ہے اگر وہ دوبارہ اپنے عمل کا کسی سے ذکر کرتا ہے تو اس دفعہ خلوصِ عمل بھی ختم ہو جاتا ہے اور ریائی انفاق اور صدقہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

انحراف کا حبطِ عمل پر اثر

جس طرح انسان کا بدن پوری زندگی میں ماحول کے طبیعی عوامل سے متاثر ہو کر اپنی حالتیں بدلتا رہتا ہے اس طرح روح انسان پر بھی طرح طرح کے عوامل اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کے فکر و خیال کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ بہت سے ایسے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے ایک لمبے عرصے تک خدا اور قیامت پر ایمان کے ساتھ زندگی گزاری اور اس دوران میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق خلوص نیت کے ساتھ بہت سے اعمال صالحہ انجام دیئے لیکن راستے میں بے ایمان اشخاص کی دوستی اور صحبت یا گمراہ کن کتب کے مطالعے سے یا بری تنظیموں یا غلط اداروں کی رکنیت اختیار کرنے یا غلط اور فاسد محفلوں میں شرکت کرنے کی وجہ سے یا اس طرح کی اور چیزوں کی وجہ سے راہِ حق سے منحرف ہو گئے۔ انہوں نے ضلالت و گمراہی کی راہ اپنالی، برے اور غلط اخلاق و اعمال کا ارتکاب کرنے لگ گئے اور کئی تو کفر و الحاد کی سرحدوں تک جا پہنچے۔ ایسے لوگ اپنی اسی فکری اور عملی حالت کی وجہ سے افسوسناک صورت حال سے دوچار ہوں گے ان کے تمام نیک اعمال جو انہوں نے چند سالوں کے دوران میں انجام دیئے سب حبط اور ضائع ہو جائیں گے اور اس دن ثواب الٰہی سے محروم ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید اور اسلامی روایات میں مذکور ہے کہ حبط اعمال کے متعدد اسباب اور عوامل ہیں۔ یہاں پر قارئین کی معلومات کے لئے ان میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اول: خدائے وحدہٗ لاشریک کے ساتھ شرک۔

---

[1] کافی، ج ۲، ص ۲۹۷

ارشادِ رب العزت ہے:

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝۸۸ [1]

یہ ہے اللہ کی ہدایت کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہے راہنمائی کرے لیکن اگر وہ توحید پرستی کو ترک کر کے شرک کے راستے پر چل نکلیں تو ان کے انجام دیئے گئے تمام اعمال حبط ہو جائیں گے اور ان کا اثر زائل ہو جائے گا۔

دوم: دینِ الٰہی سے پھرنا:

ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝۲۱۷ [2]

جو شخص دینِ اسلام سے پھر جائے اور دینِ حق کو ترک کر دے اور کفر و انکار کی حالت میں مر جائے اس کا شمار ان افراد میں ہوگا جن کے اعمال دنیا و آخرت میں حبط اور ضائع ہو گئے ہیں اور وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

آیاتِ الٰہی سے کفر

قرآن فرماتا ہے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا۝۱۰۳ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۝۱۰۴ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۝۱۰۵ [3]

اے رسول! لوگوں سے کہہ دو: کیا تم لوگوں میں سے زیادہ گھاٹے والوں کو جاننا چاہتے ہو؟ وہ ایسے

---

[1] الانعام۔ ۸۸

[2] بقرہ۔ ۲۱۷

[3] الکہف۔ ۱۰۳۔ ۱۰۵

افراد ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع اور باطل ہو گئے لیکن وہ خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے مفید اور سودمند کام انجام دیئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آیاتِ الٰہی اور روزِ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی بات ان کے اعمال حبط ہونے کا موجب بنی ہے قیامت کے دن ان کا کوئی عمل شمار نہیں کیا جائے گا اور ان کے لئے کوئی میزان وترازو نہیں لگایا جائے گا۔

چہارم: انبیاء اور عدل وانصاف کے منادیوں کا قتل

منادیاں عدل کا قتل

ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٢٢﴾ [1]

جنہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا، انبیاء الٰہی کو ناحق قتل کیا اور اسی طرح عدل وانصاف کی دعوت دینے والوں کو قتل کیا۔ انہیں اعلان کر کے کہہ دو کہ دردناک عذاب ان کا منتظر ہے اور ان کے ظاہراً اچھے اعمال دنیا وآخرت میں ضائع اور حبط ہو گئے ہیں اور قیامت کے دردناک عذاب سے رہائی دلانے میں ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

پنجم: حق کی ممانعت اور رسول اللہؐ کی مخالفت۔

قرآن فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾ [2]

جنہوں نے خود کفر اختیار کیا اور دوسروں کے لئے بھی خدا کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں اور اللہ کے رسول کی مخالفت کی اور اس سے مقابلہ کیا جب کہ حق ان کے لئے روشن ہو چکا تھا اور وہ ہدایت اور

---

[1] آل عمران ۲۱، ۲۲

[2] محمد ۳۲

گمراہی میں فرق کو جان چکے تھے جان لیں کہ ان کے برے اعمال اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچا سکتے وہ عنقریب سمجھ جائیں گے کہ انہوں نے اپنے اس ظالمانہ طریقے سے اپنے نیک اعمال کو ضائع کر دیا ہے۔

ششم: دنیا اور اس کی رنگینیوں میں کھو جانا۔

ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ۝۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝۱۶ [۱]

جن لوگوں نے دنیا اور اس کی زینتوں کو اپنی انسانی زندگی کا بنیادی مقصد بنا لیا ہے وہ معنوی امور کی اہمیت اور موت کے بعد کے عوالم کی طرف متوجہ نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کی اس دنیا میں کم و بیش جزا دے دیتا ہے۔ لیکن آخرت میں آگ اور عذاب کے علاوہ ان کا نصیب کچھ نہ ہوگا کیونکہ جو حسنات انہوں نے انجام دیئے مثلاً صلۂ رحم، انفاق اور احسان وہ سب معنوی اعتبار سے باطل اور ضائع ہو گئے ہیں اور جو صالح اعمال حبط ہو گئے قیامت کے دن صاحب اعمال کے لئے ذرہ بھی سود مند نہیں ہوں گے۔

دنیا کے پجاری

پیغمبر اکرمؐ ارشاد فرماتے ہیں:

ليجيئن اقوام يوم القيامة واعمالهم كجبال تهامة فيؤمر بهم الى النار كانوا يارسول الله مصلين؟ قال نعم يصلون ويصومون ويأخذون هنا من الليل فاذا عرض لهم شئ من الدنيا وثبوا عليه۔ [۲]

قیامت کے دن ایک ایسے گروہ کو لایا جائے گا جس کے افراد کے نیک اعمال کا ڈھیر پہاڑ تہامہ جتنا ہوگا۔

---

[۱] ہود۔ ۱۵،۱۶

[۲] لئالی الاخبار، ص ۴۶۵

لیکن حکم دیا جائے گا کہ انہیں آگ میں ڈال دیا جائے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہؐ! کیا یہ نماز پڑھنے والے ہوں گے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ہاں یہ نمازی ہوں گے، روزہ دار ہوں گے، رات کو نماز پڑھنے والے ہوں گے لیکن دنیا کے مال کے دلدادہ اور ذخیرہ کرنے والے ہوں گے۔ اس طرح کہ اگر دنیا کی کوئی چیز ان کے سامنے آجائے تو دوڑ کر اپنے آپ کو اس تک پہنچاتے ہوں گے تاکہ اسے حاصل کرسکیں اور اسی دنیا پرستی اور مال وثروت سے بے پناہ محبت کی وجہ سے ان کے نیک اعمال حبط اور باطل ہوجائیں گے اور انہیں دوزخ کی جانب روانہ کردیا جائے گا۔

اعمال اور زراعت میں مشابہت

اعمالِ صالحہ کا حبط ہونا روحانی لحاظ سے فصلوں اور باغوں پر آفتیں آنے کی طرح ہے جو مختلف مواقع پر کسانوں اور باغبانوں کے لئے نقصان کا باعث ہوتی ہیں۔ مثلاً کسان نے زمین میں ہل چلایا، وقت پر بیج ڈالا اور تمام ضروری امور کو پورا کیا۔ فصل سرسبز ہو کر نمو کرنے لگی، دانہ بننے لگا لیکن جب فصل پک گئی اور کاٹنے کا وقت آیا تو آسمانی بجلی گری اور فصل کو جلا کر خاکستر کردیا اور کسان کی پکی پکائی فصل ضائع ہوگئی۔

باغبان نے چند سال بنجر زمین پر محنت کی، سینکڑوں پھلدار پودے لگائے۔ وقت پر انہیں پانی دیا تمام لازمی شرائط کا خیال رکھا۔ جب درختوں کے پھلنے کا وقت آیا تو سیلاب آیا اور تمام باغ کو بہا کر لے گیا اور سارا باغ ملیامیٹ ہوگیا۔ نتیجے میں باغبان کی تمام محنت برباد ہوگئی۔

دیندار افراد جو اپنی عمر کے کئی سال عبادی اور صالح اعمال کو پورے اخلاص اور تمام شرائط کے ساتھ بجالاتے ہیں اگر وہ اپنی آخری عمر میں مادی مکتب کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو ان کی مثال اسی خاکستر فصل کے مالک کسان اور تباہ شدہ باغ کے باغبان کی طرح ہے ان کے اعمال حبط اور رائیگاں ہوجائیں گے۔ ان کی سالوں کی محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ بربادی کے سوا کچھ نہ ہوگا اور قیامت کے دن اجرِ الٰہی میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

حبطِ اعمال کے مختلف عوامل

اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ شرک اور ارتداد جیسے بڑے بڑے گناہ مشرکوں اور مرتدوں کے تمام اچھے اور نیک اعمال کے حبط کا موجب ہیں لیکن بعض ایسے گناہ ہیں جو جزوی طور پر حبط کا باعث بنتے ہیں اور اس نیک عمل کا اثر زائل کرتے ہیں۔ جو اسی گناہ سے مربوط ہوتا ہے۔

صدقے کے اجر کا حبط احسان جتلاتے اور اذیت دینے کی وجہ سے ہوتا ہے۔قرآن فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى [1]

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو صدقے لینے والے پر منت لگا کر اور اسے اذیت وآزار پہنچا کر باطل اور ضائع نہ کرو۔

صبر کا اجر وثواب بے تابی اور آہ وفریاد سے حبط ہوجاتا ہے: حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

اغلبوا الجزع بالصبر فان الجزع یحبط الاجر ویعظم الفجیعة۔ [2]

تحمل اور بردباری کے ساتھ بے قراری اور بے چینی پر قابو پاؤ کیونکہ مصیبت میں بے تابی اور نالہ وفریاد صبر کے اجر کو ضائع کر دیتی ہے اور مصیبت میں مزید پیدا کر دیتی ہے۔

حبطِ اعمالِ صالحہ کی بحث میں ہم قارئین کی توجہ ایک اور نکتے کی طرف دلاتے ہیں اور وہ یہ کہ قرآن مجید کی حبطِ اعمال کے بارے میں اکثر آیات اخروی ثواب کے ساقط ہونے اور قیامت میں صاحبانِ عمل کی اجر سے محرومی کے پہلو کو اجاگر کرتی ہیں لیکن جیسا کہ گذر چکا ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۷ میں ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے کو حبطِ عمل کا عامل کہا گیا ہے۔اسی طرح سورہ آل عمران کی آیت ۲۲ میں انبیاء الٰہی اور عدل کے علمبرداروں کے قتل کو حبط عمل کا عامل کہا گیا ہے۔اس میں صرف قیامت میں حبط کی بات نہیں کی گئی بلکہ یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ دوگروہ اخروی جزا اور ثواب سے محرومیت کے علاوہ دنیاوی اجر سے بھی محروم رہیں گے کیونکہ مرتد ہونا دینداروں کی نظر میں اور عدل وانصاف کے پیغامبروں کا قتلِ عام لوگوں کی نظر میں اس قدر قابل نفرت ہے کہ وہ اس پر اپنا سخت ردعمل ظاہر کرتے ہیں مثلاً اگر مرتد اور قاتل پہلے اپنے اچھے اعمال کی وجہ سے ان کے نزدیک قابلِ احترام تھا تو اب اس نے اپنے ارتداد اور قتل کی وجہ سے اپنے نیک اعمال کو لوگوں کی نظروں میں رائیگاں کر دیا اور وہ لوگ جو کل تک ان کی عزت وتکریم کرتے تھے آج ان کی پرواہ نہیں کرتے اور ان کی طرف حقارت کی نظروں سے دیکھتے اور معاشرے میں ان کا اس طرح مقام گرنا یہ دنیا میں ان کے اعمالِ صالحہ کا حبط ہے۔

گناہوں کی پردہ پوشی

اسلام کی تعلیمات میں جہاں نیک اور اعمال صالحہ کے حبط اور ضائع ہونے کا ذکر ہے۔وہاں گناہوں کی پردہ پوشی

---

[1] بقرہ۔ ۲۶۴

[2] فہرست غرر حسن، ۴۳

اوران کے اثرات کومحو کرنے کی بات بھی موجود ہے۔ یعنی قرآن میں ایک طرف تو یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بعض گناہ اس قدر بڑے اورضرر رساں ہیں کہ وہ گناہگار شخص کے صالح اعمال کے حبط کا موجب بن جاتے ہیں اور نیک اعمال کے اثرات کو ضائع کر دیتے ہیں اور اسے اخروی ثواب سے محروم کر دیتے ہیں جب کہ دوسری طرف یہ بتایا گیا ہے کہ بعض نیک اعمال خدا کے نزدیک اتنے مقبول اور اہمیت کے حامل ہیں کہ وہ نیک انسان کے گناہوں کے مٹ جانے کا باعث بن جاتے ہیں۔ ذات اقدس الٰہی اس کے تمام گذشتہ گناہوں کو معاف کر دیتی ہے اور گناہوں کے اثرات کو بھی مٹا دیتی ہے۔

کلام الٰہی میں بہت سی آیات گناہوں کی پردہ پوشی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ یہاں پر ان میں سے کچھ نقل کی جاتی ہیں خصوصاً وہ آیات جو پردہ پوشی کے اسباب کو بیان کرتی ہیں۔

اول: کفار اور مشرکین کا ایمان لانا:

ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ [۱]

اگر اہلِ کتاب حقیقت میں ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کریں تو ہم ان کے قبل اسلام کے گناہوں کو معاف کر دیں گے اور ان کے نامۂ اعمال میں سے انہیں مٹا دیں گے اور انہیں نعمت و رحمت والی بہشت میں جگہ دیں گے۔

اسلام پر ایمان لانے سے گناہوں کی بخشش اور ان کا محو کیا جانا اہلِ کتاب سے مختص نہیں بلکہ مشرکین بھی اس فیضِ الٰہی میں شامل ہیں۔

حدیث میں ہے:

الاسلام یجب ما قبلہ وان جل۔ [۲]

اسلام قبول کرنے سے نومسلم کے شرک، کفر اور دیگر گذشتہ گناہ محو ہو جاتے ہیں اگر چہ اس کے گذشتہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہوں۔

---

[۱] المائدہ۔ ۶۵

[۲] تفسیر صافی، ص ۱۵۳

اسلام قبول کرنے سے پہلے کے گناہ

امام باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

ان ناسا أتوا رسول الله صلى الله عليه واله بعد ما اسلموا فقالوا: يا رسول الله أيؤخذ الرجل منا بما كان عمل فى الجاهلية بعد اسلامه؟ فقال لهم رسول الله من حسن اسلامه وصح يقين ايمانه لم يأخذه الله تبارك و تعالىٰ بما عمل فى الجاهلية ومن سخف اسلامه ولم يصح يقين ايمانه اخذه الله تبارك و تعالىٰ بالاول والاخر۔ [1]

ایک گروہ دین اسلام کو قبول کرنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہؐ کیا ہم میں سے کسی شخص کا ایمان لانے کے بعد جاہلیت کے زمانے میں مرتکب ہونے والے جرائم پر مؤاخذہ کیا جائے گا؟ آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا: جس کا اسلام بہترین اور ایمان ویقین صحیح ہو اللہ تعالیٰ اس کا دورِ جاہلیت کے زمانے کے گناہوں پر مواخذہ نہیں کرے گا اور جس کا ایمان عقلی اساس پر نہیں ہوگا اور اس کا ایمان ویقین صحیح نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ اس کا اسلام لانے سے پہلے کے گناہوں پر بھی اور بعد کے گناہوں پر بھی مؤاخذہ کرے گا۔

دوم: راہِ خدا میں قتل ہونا:

شہادت اور گناہوں کی بخشش

ارشاد ہوتا ہے:

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٩٥﴾ [2]

---

[1] کافی، ج۲، ص۴۶۱

[2] آل عمران۔ ۱۹۵

وہ لوگ جنہیں مسلمان ہونے کے بعد ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا اور انہیں اپنے وطن سے خارج کیا گیا اور چونکہ وہ دین الٰہی کی سربلندی کے لئے کوشاں اور سرگرم تھے اس لئے دشمنانِ اسلام کی طرف سے انہیں اذیت و آزار پہنچائی گئی اور آخرکار جنگ ہوگئی اور وہ راہِ حق میں قتل ہوگئے۔ ان کے جتنے بھی گناہ ہوں ان کی قربانی اور شہادت کی وجہ سے سب معاف کردوں گا اور ان کے نامہ اعمال سے معصیت اور گناہ کے تمام داغوں کو مٹادوں گا اور انہیں بہشت میں جگہ دوں گا۔ جس میں نہریں جاری ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے جزا ہے جنہیں مسلمان ہونے کی بناء پر اذیت و آزار پہنچائی گئی اور وہ اسی راستے میں قتل ہوگئے اور بہترین جزا تو اللہ کے پاس ہے۔

گناہانِ صغیرہ سے درگذر

سوم: گناہان کبیرہ سے اجتناب:

ارشادِ الٰہی ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾ [۱]

اگر تم شرع مقدس میں بیان کئے گئے اور انہی کئے گئے کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو اور انہیں اختیار نہ کرو تو ہم تمہارے چھوٹے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کردیں گے اور تمہیں بہشت میں داخل کریں گے جس میں کسی قسم کی کمی اور نقص نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت میں ذکر ہونے والے گناہانِ کبیرہ کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:

الکبائر، التی اوجب اللہ عزوجل علیھا النار۔ [۲]

کبیرہ گناہ وہ ہیں جن کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوزخ قرار دی ہے۔

چہارم: حقیقی توبہ اور خدا کی طرف بازگشت:

قرآن ارشاد فرماتا ہے:

---

[۱] النساء۔ ۳۱

[۲]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا۝ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ[۱]

اے ایمان والو! توبہ کرو اور اللہ کی طرف لوٹ آؤ۔ حقیقی واپسی کے ساتھ۔ امید ہے تمہارا پروردگار تمہارے گناہوں کو معاف کردے اور تمہیں دائمی بہشت میں داخل کردے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

التوبة النصوح ان یکون باطن الرجل کظاهرة وافضل۔[۲]

توبہ نصوح سے مراد یہ ہے کہ توبہ کرنے والے کا ظاہر اور باطن یکساں ہو اور وہ دل و زبان کے ساتھ خدا کی طرف رجوع کرے اور طلبِ مغفرت کرے بلکہ اس کا ضمیر زبان سے بڑھ کر گناہ پر عذر خواہی کرے۔

تائب راہزن

ابوحمزہ ثمالی حضرت امام علی بن حسین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

قال ان رجلا رکب البحر باهله نکسر بهم فلم ینج ممن کان فی السفینة الا امرأة الرجل فانها نجت علی لوح من الواح السفینة حتی الجأت علی جزیرة من جزائر البحر وکان فی تلك الجزیرة رجل یقطع الطریق ولم یدع لله حرمة الا انتهلها۔

ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ سمندر کے سفر پر گیا۔ سمندر کے وسط میں کشتی ٹوٹ گئی۔ کشتی میں سوار تمام مسافر سمندر میں ڈوب گئے اس شخص کی بیوی کے علاوہ کوئی مسافر نہ بچ سکا۔ اس عورت کے ہاتھ ٹوٹی ہوئی کشتی کا ایک تختہ لگ گیا اس نے اس کے ذریعے سے نجات حاصل کی اور اس سمندر کے جزیروں میں سے ایک جزیرہ میں پناہ لے لی۔ ان جزیروں میں ایک لاابالی قسم کا ڈاکو رہتا تھا جو خدا اور اس کے قوانین کا ذرہ برابر خیال نہیں رکھتا تھا۔ وہ عورت اس ڈاکو کے نزدیک پہنچی۔ ڈاکو نے سر اٹھایا اسے دیکھا اور پوچھا انسان ہو یا جن؟ عورت نے کہا انسان ہوں۔ رہزن نے دوسری بات

[۱]

[۲] معانی الاخبار، ص ۱۷۴

نہ کی۔عورت ایک جانب بڑھی اور بیٹھ گئی۔وہ ڈاکو اس کے نزدیک آیا اور ایک شوہر کی طرح اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔جب اس نے عورت کے ساتھ زیادتی کا ارادہ کیا تو وہ عورت سخت گھبرا گئی۔ڈاکو نے اس سے پوچھا تم پریشان کیوں ہو؟ عورت نے آسمان کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سے ڈرتی ہوں۔اس باعفت عورت نے اپنی حقیقی پریشانی اور گھبراہٹ سے اس شخص کے ضمیر میں ایک طوفان برپا کر دیا۔وہ شخص سخت متاثر ہوا اور کہنے لگا حق کی قسم مجھے تم سے زیادہ اپنے خدا سے ڈرنا چاہیے۔یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔عورت کو چھیڑے بغیر اپنی منزل کی طرف چل پڑا اس حالت میں کہ اس کا وجود توبہ اور خدا کی طرف بازگشت کی فکر میں غرق تھا۔

راستے میں تائب ڈاکو کی ملاقات ایک راہب سے ہوجاتی ہے۔وہ بھی اسی راستے پر چل رہا تھا۔سورج کی تیز دھوپ ان دونوں پر پڑ رہی تھی۔راہب نے ڈاکو سے کہا: اللہ سے دعا کرو کہ وہ ہم پر بادل کا ایک ٹکڑا بھیج کر سایہ کر دے۔اس نے کہا میری خدا کے ہاں کوئی نیکی نہیں ہے کہ میں درخواست کی جرأت کروں۔راہب نے کہا: پھر میں دعا کرتا ہوں تم آمین کہو۔اس نے یہ بات قبول کر لی۔راہب نے دعا کی اور اس نے آمین کہی۔اس کے بعد بہت تیزی سے ایک بادل آیا اور اس نے ان دونوں پر سایہ کر دیا۔اس کے بعد روایت کے الفاظ یوں ہیں:

فمشا تحتها مليا من النهار ثم تفرقت الجادة جادتين فاخذ الشاب فى واحدة واخذ الراهب فى واحدة فاذا السحابة مع الشاب فقال الراهب انت خير منى لك استجيب ولم يستجب لى فاخبرنى ما قصتك فاخبره بخبر المرأة فقال غفر لك ما معنى حيث دخلك الخوف فانظر كيف تكون فيما تستقبل۔ [1]

کچھ دیر تک وہ دونوں بادل کے سائے میں ساتھ ساتھ چلتے رہے۔یہاں تک کہ ایک دوراہے پر پہنچ گئے۔راہب اس شخص سے جدا ہوگیا اور دونوں نے اپنی اپنی راہ لی لیکن بادل اس شخص کے ساتھ ہوگیا۔راہب نے اس سے کہا: تم مجھ سے بہتر ہو، اللہ نے تمہاری درخواست کو قبول فرمایا ہے نہ کہ میری درخواست کو۔اپنا قصہ مجھ سے بیان کرو۔اس نے عورت والی داستان بیان کر دی۔راہب نے کہا: خوف الٰہی اور اس کی طرف سے بازگشت سے تمہارے تمام گذشتہ گناہ معاف ہوگئے ہیں۔اب تم آئندہ کے لئے فکر کرو کہ کیسے بنو گے۔

---

[1] کافی، ج۲، ص۶۹

راہزن کی مستجاب دعا

ایک برا اور راہزن انسان ایک باایمان خاتون کی روحانی حالت سے متنبہ ہوگیا۔ وہ اپنے آپ میں آ گیا۔ وہ اپنی طرف لوٹ آیا اور دل و زبان کے ساتھ اس نے توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق اس کے گناہوں کو صاف کر دیا اور اس کی دعا کو قبول فرمایا:

پنجم: خدا کی خاطر مخفی صدقہ:

قرآن فرماتا ہے:

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ [۱]

اگر صدقات کو ظاہری طور پر دو تو یہ اچھا عمل ہے اور اگر مخفی طور پر فقراء تک پہنچاؤ تو تمہارے لئے معنوی لحاظ سے بہتر ہے کیونکہ صدقہ موجب بنتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے اور تمہارے نامۂ اعمال سے محو کر دے۔ وہ تمہارے تمام اعمال سے آگاہ ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فی قوله عزوجل 'ان تبدو الصدقات فنعما هی" قال یعنی الزکوة المفروضة قال قلت: وان تخفوها وتؤتوها الفقرآء" قال یعنی النافلة انهم یستحبون اظهار الفرائض و کتمان النوافل۔ [۲]

آیت کے پہلے جملے میں جس میں ظاہری طور پر صدقہ دینے کو پسندیدہ اور اچھا عمل قرار دیا گیا ہے اس صدقے سے مراد زکوٰۃ واجب ہے اور دوسرے جملے میں خفیہ صدقہ دینے کو صدقہ دینے والوں کے لئے بہتر کہا گیا ہے آپؑ نے فرمایا اس سے مراد مستحب صدقہ ہے کیونکہ پیشوائے اسلام بہتر جانتے ہیں کہ واجب کو ظاہراً اور مستحب صدقے کو خفیہ طور پر دینا چاہیے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

کلما فرض الله علیك فاعلانه افضل من اسراره وما کان تطوعا فاسراره

---

[۱] بقرہ۔۲۷۱

[۲] تفسیر برہان، ج اول ص ۲۵۶

افضل من اعلانه ولو ان رجلا حمل زکوٰة ماله علی عاتقه فقسمها علانية

كان ذلك حسنا جميلاً۔ [۱]

جس چیز کوتم پر اللہ نے واجب کیا ہے اگر اسے اعلانیہ طور پر انجام دوتو یہ مخفی طور پر بجالانے سے بہتر ہے اور جس چیز کوتمہارے لئے مستحب قرار دیا ہے اسے مخفی انجام دینا اعلانیہ بجالانے سے بہتر ہے۔اس کے بعد فرمایا: اگر کوئی شخص واجب زکوٰۃ کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر اعلانیہ طور پر مستحقین میں تقسیم کرے تو اس نے بہت ہی اچھا اور نیک عمل انجام دیا ہے۔

اعلانیہ صدقہ دوسروں کی ترغیب کے لئے

بعض اوقات لوگوں کے درمیان کوئی معزز اور محترم شخصیت خاص مواقع پر اعلانیہ طور پر مستحب صدقہ دیتی ہے تاکہ دوسرے دیکھیں اور اس کی تقلید کریں اور اس طرح وہ عملِ خیر لوگوں کی مدد سے انجام پا جائے۔ رسولِ اکرمؐ کے فرمان کے مطابق اس کا ظاہری طور پر دینے کا ثواب اس کے مخفی دینے سے زیادہ ہے۔

آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

عمل السر افضل من العلانية والعلانية افضل لمن اراد الاقتداء به۔ [۲]

مخفی عمل، آشکار عمل سے افضل ہے اور اس شخص کا آشکار عمل بہتر اور افضل ہے جو یہ چاہتا ہے کہ دوسرے اس کی تقلید کرتے ہوئے مستحب کام میں شرکت کریں۔

سب یا بعض گناہوں کی معافی

مذکورہ آیات میں گناہ اور معاصی کے مٹائے جانے اور محو کئے جانے کے چند عوامل ذکر کئے گئے ہیں۔ان میں سے ایک مخفی صدقہ دینا ہے۔البتہ ان آیات میں اور مخفی صدقے والی آیت میں واضح طور پر فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ صدقے والی آیت میں ''من'' تبعیضیہ استعمال ہوئی ہے۔یعنی بعض گناہ۔جب کہ باقی آیات میں ''من'' ذکر نہیں ہوئی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مخفی صدقہ اگرچہ دربارِ الٰہی میں ایک مقدس اور اہم عمل ہے لیکن اس کی اہمیت مشرکین اور کفار کے ایمان لانے، راہ خدا میں مجاہدین اسلام کے شہید ہونے یا توبۃ النصوح کے برابر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تین عمل اس قدر اہم اور قیمتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے ان اعمال کے بجالانے والوں کے تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے اور ان گناہوں کو ان کے نامۂ اعمال سے مٹا دیتا

---

[۱] تفسیر صافی۔ص۷۹

[۲] تفسیر درالمنثور، ج۱،ص ۳۵۳

ہے۔لیکن مخفی صدقہ اس کے عامل کے بعض گناہوں کے محو ہونے کا باعث ہے۔اس کے ذریعے سے بعض گناہ اور نافرمانیاں معاف ہوجاتی ہیں اور پروردگار کی مغفرت ان کے شامل حال ہوتی ہے۔اسلامی تعلیمات میں میں اعمال کا حبط اور محو ہونا آپس میں دائمی طور پر مربوط ہیں۔اس کا عقیدہ معنوی لحاظ سے ہمارے اچھے یا برے اعمال پر اثر انداز ہوسکتا ہے اور ہمارے حالات اور واقعات کو دربار الٰہی میں جزاوسزا کے حوالے سے تبدیل کرسکتا ہے۔اس بات کا نتیجہ یہ ہے کہ گناہوں کی معافی کی امید اور نیک وصالح اعمال کے حبط ہونے کا خوف ایماندار افراد میں اندرونی توازن اور اعتدال برقرار رہتا ہے۔ ان کے افکار اور سوچیں یاس وناامیدی پیدا کرنے والے وسوسوں یا مغرور کردینے والے تخیلات سے محفوظ رہتی ہیں۔اور وہ خوف ورجاء جو مکتبِ اسلام کی پیروی کا لازمہ اور انسانوں کی معنوی اور مادی سعادت کا سرمایہ ہے، کے درمیان رہتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد گرامی امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

خوف ورجا کا نور

انه لیس من عبد مؤمن الا وفی قلبه نوران: نور خیفة و نور رجاء لو وزن هذا لم یزد علی هذا ولو وزن هذا لم یزد علی هذا۔ [1]

کوئی بھی بندۂ مومن ایسا نہیں جس کے دل میں دو نور موجود نہ ہوں، ایک خوف کا نور اور دوسرا امید ورجاء کا نور اور اگر ان دو کا وزن کیا جائے تو کوئی بھی ایک دوسرے سے وزنی نہیں ہوگا۔یعنی دونوں کا پلڑا مساوی ہوگا۔

خوف ورجاء کے درمیان حرکت

آپ جانتے ہیں کہ زندگی کے مختلف مرحلوں اور شعبوں میں کامیابی اور کامرانی ان کے نصیب ہوتی ہے جو ہمیشہ خوف اور امید کے درمیان رہتے ہیں اور حد اعتدال سے خارج نہیں ہوتے۔کسان اپنی کھیتی باڑی کے معاملے میں خوف اور رجاء کی کیفیت میں رہے تاکہ وہ امید کی قوت سے اپنے پاس موجود بیج زمین میں بکھیر دے اور آفات اور طوفانوں کے خوف سے غافل نہ رہے اور ضروری باتوں کا خیال رکھے۔ایک مریض ڈر اور امید کے ساتھ جئے تاکہ علاج کی امید کی وجہ سے ڈاکٹر کے پاس جائے اور اس کے نسخے پر عمل کرے اور مرض کی شدت کے خوف سے پرہیز کے اصولوں پر پوری طرح کاربند رہے اور نقصان دہ چیزوں سے مکمل دوری اختیار کرے۔ایک طالب کے اندر خوف

---

[1] کافی، ج۲، ص۷۱

و رجاء ہونا چاہیے تا کہ وہ علم کے حصول کی امید پر مدرسے جائے، استاد کا درس غور سے سنے اور جاہل رہ جانے کے ڈر سے مطالعہ اور مذاکرہ کرے۔ مشق کرے اور اپنی عمر کو سستی اور کاہلی میں ضائع نہ کرے۔ مختصر یہ کہ انسان اپنی دنیاوی زندگی میں اس وقت اپنے صحیح اور عاقلانہ مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔ جب خوف و رجاء کی حالت میں ہوں اور اپنے راستے کو خوف اور رجاء کی کیفیت میں طے کریں کیونکہ امید کے بغیر خوف یاس و بدبختی کا موجب ہے اور ڈر کے بغیر امید غرور اور خودسری کا باعث ہے اور ان دونوں کا نتیجہ ہلاکت و تباہی ہے۔

خوف و رجاء میں توازن

انسانوں کی معنوی سعادت کے لئے اسلام کا پروگرام اسی اساس پر استوار ہے۔ قرآن کے سچے پیروکاروں اور حقیقی مسلمانوں کو ہمیشہ خوف و رجاء کے درمیان ہونا چاہیے۔ انہیں ان دو روحانی حالتوں کو اس قدر متوازن اور حد اعتدال پر رکھنا چاہیے کہ امید کی کیفیت انہیں مغرور نہ کر سکے اور انہیں گناہ اور ناپاکی کے راستے کی طرف نہ لے جا سکے اور اسی طرح خوف انہیں مایوس نہ کر سکے اور انہیں دینی فرائض کی بجا آوری میں سست اور ناامید نہ کر دے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

ارج اللہ رجاء لا یجرئك علی معصیۃ وخف اللہ خوفا لا یؤیسك من رحمتہ۔ [۱]

تم اللہ سے اس طرح امید رکھو کہ وہ تمہیں معصیت اور نافرمانی پر جری نہ بنا دے اور اللہ سے اس طرح ڈرو کہ یہ ڈر تمہارے لئے اس کی رحمت اور فضل سے ناامیدی کا باعث نہ بنے۔

اسلامی فکر اور قرآنی سوچ کا معیار رحمت الٰہی کی امید اور اس کے قہر و عذاب سے ڈر ہے۔ مسلمانوں کے لئے ان دو حالتوں کا تمام موقع پر ہونا اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ آئمہ علیہم السلام نے ان دو میں سے ہر ایک کے فقدان کو بہت بڑا گناہ شمار کیا ہے۔

عبداللہ بن سنان روایت کرتے ہیں: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے، آپ فرماتے ہیں:

ان من الکبائر عقوق الوالدین والیأس من روح اللہ والامن لمکر اللہ۔ [۲]

گناہانِ کبیرہ میں سے والدین کی تحقیر اور نافرمانی بھی ہے اور اسی طرح رحمتِ الٰہی سے مایوسی اور

---

[۱] مشکوۃ الانوار، ص ۱۱۸

[۲] کافی، ج ۲، ص ۲۷۸

ناامیدی اوراس کے عذاب اور پکڑ سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھنا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

روح اور جسم کے ایک دوسرے پر اثرات

انسان کی روح اور جسم باہم ہیں ان کے پاس اس اتحاد کی وجہ سے ہمیشہ روح بدن پر اثر انداز ہوتی ہے۔اور بدن روح سے متاثر ہوتا ہے۔ ہماری تمام روحانی حالتیں اور ملکات مثلاً امید یا ناامیدی،شجاعت یا خوف،سخاوت یا بخل،حسن نیت یا سوءنیت، دوستی یا دشمنی مختصر یہ کہ ہماری تمام روحانی صفات خواہ وہ اچھی اور پسندیدہ ہوں اور خواہ بلوی اور قابل نفرت ہمارے جسم اور ہماری رفتار وگفتار کی کیفیت پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ہمارے امور کو اپنے ساتھ ہم آہنگ اور ہم رنگ بنالیتی ہے۔اس طرح ہمارے جسمانی اعمال ہماری روح کو متاثر کرتے ہیں۔اور ہماری نفسانی شکل ترتیب دیتے ہیں۔اگر ہمارے اعمال اچھے اور ہماری گفتار ورفتار سعادت بخش ہوتو ہماری روحانی شکل وصورت انسانی اوراچھی ہوگی۔جس کے باعث ہم ثوابِ الٰہی کے حقدار ٹھہریں گے اوراگر ہمارے جسمانی کام برے اور بدبختی والے ہوں گے تو ہماری معنوی شکل وصورت غیر انسانی، بدصورت بنے گی جس کا تقاضا سزائے الٰہی ہے۔

جیسا کہ وضاحت کی گئی ہے ہمارے اچھے اور برے اعمال کا حبط ہوجانا ہے ہماری زندگی کا مستقل اہم پہلو ہے جس سے قرآن شریف نے ہمیں آگاہ کیا ہے۔یہ ہماری نیت میں تغیر اور ہماری سوچ فکر میں تبدیلی کی وجہ سے بھی رونما ہوسکتا ہے اور ہمارے اعمال میں ردوبدل اور ہماری رفتار وگفتار کے بدلنے سے بھی وقوع پذیر ہوسکتا ہے اور ایسا ہونا فکر وعمل کے اختلاط کے ذریعے سے بھی ممکن ہے بعض مقامات پر اس اختلاط کا نتیجہ نیک اعمال کا حبط ہونا ہے اور بعض جگہوں پر برے اعمال کا مٹ جانا ہے۔

بہرحال دنیاوی زندگی کے آخری دن تک،اس دار تکلیف اور عمل کی دنیا میں یہ تغیر وتبدل رونما ہوسکتا ہے۔ممکن ہے انسان اپنی زندگی کے آخری دن یہاں تک کہ آخری گھڑی میں ظاہری اور باطنی طور پر اللہ کی طرف لوٹ آئے،توبہ نصوح کرلے اس کی روح اور زبان سے طور پر بارگاہِ الٰہی سے عذرخواہی کرے اوراس کی حقیقی توبہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے،اس کے گناہوں کو محو کردے اور وہ انسان سعادت مندی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو۔یہ بات بھی ممکن ہے کہ انسان اپنی عمر کے آخری روز کفر والحاد کو اپنالے، دینِ الٰہی سے منہ موڑ لے،اس کے تمام اعمال حبط ہوجائیں اور وہ بدبخت اور روسیاہ ہوکر اس دنیا سے چلا جائے۔

اس قسم کے سعید اور شقی افراد کی تاریخ بشریت میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔لیکن جو سعادت اور کامیابی حر بن یزید ریاحی کو زندگی کے اختتام پر نصیب ہوئی وہ کم نظر ہے۔کیونکہ عبیداللہ ابن زیاد کی ظالم حکومت کو بچانے اوراس کی حفاظت

کے لئے اسے بہت خطرناک اور عظیم گناہ کے راستہ پر ڈال دیا تھا۔اس نے اسے یہ ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کے راستے کی ناکہ بندی کرے،اور آپؑ کو واپس نہ جانے دے۔جب اس نے یہ کام کر دیا تو پھر اسے یہ کہا گیا کہ آپؑ کو صحرا میں روکے رکھے اور کوفے میں داخل نہ ہونے دے۔اس نے یہ کام بھی کر دیا اور امام کو کربلا کی زمین میں روک کر اس نے فرزندِ رسول کے قتل کی راہ ہموار کر دی۔لیکن بہت جلد ہوش میں آ گیا اور متوجہ ہو گیا کہ وہ ہلاکت وتباہی کے راستے پر جا رہا ہے۔اپنے آپ کو بنی امیہ کی غلامی سے آزاد کرنے کے لئے اور جس باطل راستے پر چل رہا تھا اسے ترک کرنے کے لئے اس نے مناسب موقع پر انتہائی قاطعیت کے ساتھ مال،مقام،بیوی اور بیٹے،حیات وزندگی غرض یہ کہ تمام مادی اور دنیوی چیزوں کو خدا کی خاطر نظرانداز کر دیا۔اس نے دربارِ الٰہی میں توبہ کی اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے آملا اور آپؑ کی رکاب میں درجہ شہادت پر فائز ہو گیا اور سعادت ابدی کو پا لیا۔

مختصر یہ کہ انسانوں کی سعادت اور شقاوت میں پوری زندگی میں ہر وقت تغیر وتبدل کا امکان پایا جاتا ہے اور ان کی نفسانی ومعنوی شکل وصورت میں ہمیشہ تبدیلی ممکن ہے۔جس وقت زندگی اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی۔موت کا سایہ چھا جائے گا اور انسان دارِ تکلیف وعمل سے عالم حساب وجزا کی طرف انتقال کر جائے گا اس وقت نفسانی شکل وصورت ثابت ومستقل ہو جائے گی،انسان کی سعادت اور شقاوت پکی ہو جائے گی اور ہر فرد ترک دنیا کے وقت جیسا تھا ویسی ہی جزا اور سزا کا مشاہدہ کرے گا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

ان حقيقة السعادة ان يختم للمرء عمله بالسعادة وان حقيقة الشقاء ان يختم للمرء عمله بالشقاء۔ [1]

سعادت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا عمل سعادت پر ختم ہو اور حقیقت شقاوت یہ ہے کہ اس کا عمل شقاوت پر اختتام پذیر ہو۔

---

[1]

باب نمبر 19

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الدِّيۡنِ ۙ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الدِّيۡنِ ﴿۱۸﴾ يَوۡمَ لَا تَمۡلِكُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَيۡـًٔا ‌ؕ وَالۡاَمۡرُ يَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ (سورہ انفطار آیۃ ۱۷ تا ۱۹)

اجتماعی زندگی اور خواہشات کی محدودیت

اجتماعی زندگی کی ضروریات اور عمومی نظم اس بات کا متقاضی ہے کہ معاشرے کے افراد اپنی آزادی کو محدود کریں، اپنے میلانات اور خواہشات کا دائرہ کار بنائیں، دوسروں کی آزادی کا احترام کریں، اپنی ان آرزوؤں سے صرف نظر کریں جو اجتماعی زندگی سے میل نہیں کھاتیں اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے دوسروں کے حقوق سے تجاوز نہ کریں۔ ان مقدس اور سعادت بخش مقاصد تک رسائی تین بنیادی شرائط پر موقوف ہے۔

اول: قانون جامع اور کامل ہونا چاہیے، عدل وانصاف کی اساس پر وضع ہونا چاہیے اور اسے عوام کی دسترس میں ہونا چاہیے تاکہ اس کے ذریعے سے لوگ اپنی حدود کو پہچان لیں، حق و باطل سے اور جائز و ناجائز میں تمیز کرلیں اور جس راستے کو قانون نے مقرر کیا ہے اس سے آگے نہ بڑھیں۔

قانون کی پناہ میں امان

دوم: معاشرے میں صرف اور صرف عادلانہ قانون حاکم ہونا چاہیے اور ہر فرد کو قانون کی پناہ میں امن وسکون کا احساس ہونا چاہیے اور طاقت ور اور قدرت مند افراد قانون شکنی نہ کرسکیں، اس کی برتری اور تسلط کو متزلزل نہ کرسکیں اور عملی طور پر اس کے اصول وضوابط کے خلاف قدم نہ اٹھا سکیں۔

سوم: قانون کے اچھے اجراء اور عوام کے اعتماد کے حصول کے لئے ایسے قاضی اور جج کرسئ قضاوت پر بیٹھیں جو عالم، آگاہ، عادل، آزاد، قوی اور شجاع ہوں۔ تاکہ خلاف ورزی کرنے والے اور قانون شکن افراد کو خواہ جس عہدے اور مرتبے کے بھی حامل ہوں، گرفت میں لیا جائے اور صحیح تفتیش کے ساتھ انہیں قانون اور عدل کے مطابق کیفرکردار تک پہنچایا جائے۔

ناجائز قوانین کی منظوری

ابتداء سے لے کر آج تک دنیا کی اقوام اور ملل کے درمیان انسانی زندگی کی حفاظت کے لئے اصول اور قوانین وضع کئے گئے اور معاشروں اور ملکوں میں انہیں نافذ کیا گیا۔لیکن افسوس کی بات ہے کہ قانون نافذ کرنے والوں نے جہالت اور نادانی کی وجہ سے یا خواہشات نفسانی اور ہوا پرستی کے باعث یا حکمرانوں کے مفادات کے حصول کے لئے یا دیگر وجوہات کی بنا پر کچھ ناجائز اور عدل کے خلاف امور کو عادلانہ اصولوں کے ساتھ نتھی کر دیا اور ان کی منظوری دے دی اور عوام پر ان سب کی پابندی لازمی قرار دے دی۔اس کا نتیجہ قانون کے تقدس کی پامالی کی صورت میں نکلا۔عوام کی نظروں میں اس کے احترام اور اہمیت میں کمی واقع ہوگئی اور جس طرح قوانین اور اصولوں کا احترام ہونا چاہیے تھا وہ بات نہ رہی۔بدقسمتی سے یہ انحراف اور کجروی اس ترقی یافتہ دنیا میں بھی اس طرح جاری ہے اور تیسری دنیا کے عوام اس کے نقصان دہ اور غلط اثرات سے مختلف صورتوں میں رنج اٹھا رہے ہیں۔اس وقت سلامتی کونسل میں بڑی طاقتوں کے لئے ویٹو کا حق ہمارے دور کے ظالمانہ قوانین کا ایک نمونہ ہے۔

حق، باطل سے مخلوط

مجموعی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تمام ادوار اور زمانوں میں پوری دنیا میں جو قوانین اور اصول انسانوں نے وضع کئے ہیں وہ حق و باطل سے مخلوط اور جائز و ناجائز سے مرکب رہے ہیں۔یہ ابتداء سے لے کر اب تک یہ قوانین انسانی معاشروں پر نافذ رہے ہیں اور ہیں۔ان کے بہت زیادہ فوائد اور نقصانات ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔کبھی تو ان کے سائے میں حق و حقیقت کا بول بالا ہوا ہے اور کبھی عدل و انصاف کو پامال کیا گیا ہے اور کیا جاتا رہے گا۔

افراد اور قوموں کے حقوق کی پامالی

دنیا بھر کے ممالک میں ظالمانہ قوانین کے نفاذ کے علاوہ طرح طرح کے دیگر عوامل اور اسباب موجود ہیں مثلاً مقام اور اختیار، فرمانروائی اور حکومت، دولت و ثروت، سیاسی و اقتصادی روابط، نسلی اور قومی تعصّبات، دوستی اور رفاقت، دھمکی اور لالچ اور ایسے دیگر امور۔ہر دور میں ان عوامل اور وسائل سے کم وبیش سوئے استفادہ کیا گیا ہے اور ظالم وستم گر افراد نے شہروں کی سطح پر، ظالم وڈکٹیٹر حکومتوں نے ملکوں کی سطح پر اور متکبر طاقتوں نے عالمی سطح پر اپنے اعمال کے ذریعے سے خلافِ عدالت کام کئے ہیں اور کرتے رہیں گے۔یہ حق وعدالت کے اجراء میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔کمزور افراد یا محروم ومظلوم قوموں کے حقوق کو ضائع کرتے ہیں اور اس انداز سے وہ اپنی خیانت آمیز خواہشات

کو پورا کرتے ہیں اور اپنے ظالمانہ مقاصد کو معاشرہ میں عملی جامہ پہناتے ہیں۔ اگر کوئی جج یا قاضی ان کے لئے سد راہ بننا چاہتا ہے اور انہیں خلافِ عدل کام اور ظلم سے روکتا ہے اگر تو یہ اسے دھمکی دھونس یا لالچ سے اپنے فریضہ کی انجام دہی سے روک سکتے ہوں تو یہ طریقہ کار اختیار کرتے ہیں اور اگر ایسا نہ کر سکتے ہوں تو پھر دہشت گردی کا سہارا لیتے ہیں اور خفیہ سازش کے ذریعے غلط افراد کے ہاتھوں ان کی زندگی کا چراغ گل کر دیتے ہیں۔

قیامت اور حق کا قیام

خلافِ حق قوانین بنانا، وسائل اور اسباب سے سوئے استفادہ کرنا، قاضی کو خاموش کر دینا یا اسے ختم کر دینا غرض یہ کہ ہمیشہ خیانت اور ناپاکی کی راہیں اپنانا، یہ سب اس عارضی دنیا اور عالمِ طبیعت کی چندروزہ زندگی سے مربوط ہے۔ دنیا کے خاتمے کے ساتھ اور روزِ جزاء آنے کے بعد تمام انسانی قوانین اور اصول وضوابط نابود ہو جائیں گے۔ تمام طاقتوں اور بالادستیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سب روابط اور وابستگیاں ٹوٹ جائیں گی۔ عرصۂ قیامت میں یگانہ مالک مطلق اور مطاع و متنبع حکمرانی ذاتِ اقدس الٰہی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ سب انسانوں کا حاکم ہو گا اور اس کے دربار سے حق و عدل کی اساس پر حکم صادر ہوں گے۔ اس کی عدالت پر وسائل واسباب، دھمکی، لالچ اور دوسرے امور جو دنیا میں ظالم لوگ بروئے کار لاتے ہیں، کچھ بھی اثر انداز نہیں ہو گا۔

مذکورہ تینوں باتوں کے بارے میں متعدد آیات اور روایات مختلف تعبیروں کے ساتھ وارد ہوئی ہیں۔ یہاں پر ہر ایک کے متعلق بالترتیب کتاب وسنت سے شواہد ذکر کئے جائیں گے۔ ان کی ترتیب یوں ہے:

اول: حاکمیت الٰہی۔

دوم: عدل وانصاف کی بنیاد پر حکم

سوم: اس عدالت میں دنیاوی وسائل کا مؤثر نہ ہونا

اول: حاکمیت الٰہی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ [1]

وہ روزِ جزا کا حاکم ہے۔

---

[1] حمد۔ ۴

راغب کہتے ہیں:

الملك هو المتصرف بالامر والنهی فی الجمهور وذلك يختص بسياسة الناطقين ولهذا يقال ملك الناس ولا يقال ملك الاشياء قوله "مالك يوم الدين" فتقديره الملك فی يوم الدين۔ [1]

ملک وہ ہے جو اپنے امر و نہی سے لوگوں کے امور میں تغیر وتبدل پیدا کرتا ہے اور یہ بات ناطق انسانوں کے امور کی تدبیر سے مخصوص ہے۔ لہٰذا ملکِ ناس کہتے ہیں لیکن ملکِ اشیاء نہیں کہا جاتا۔ قرآن شریف کی آیت کا یہ معنی ہے کہ وہ روزِ جزا میں ملک اور فرمانروا ہے۔

روزِ جزا کی فرمانروائی

قرآن فرماتا ہے:

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾ [2]

جس دن لوگ قبروں سے نکلیں گے جب کہ ان کے امور میں سے کوئی چیز بھی اللہ سے مخفی نہیں ہے، خطاب ہوگا آج کے دن ملک عالم وجود اور اس پر کس کی بادشاہت اور کس کا قبضہ ہے؟ جواب دیا جائے گا: اللہ جو غالب اور قاہر ہے کے قبضے اور اختیار میں ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ [3]

قیامت کے دن حاکمیت اور فرمانروائی اللہ کی ذات سے مخصوص ہے وہ اس دن لوگوں کے درمیان فیصلے کرے گا۔

ارشاد ہوتا ہے:

---

[1] مفردات راغب، (ملک)

[2] المؤمن۔١٦

[3] الحج۔٥٦

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿۲۶﴾ [۱]

قیامت کے دن حق اور دائمی حکومت خداوند رحمن کے لئے ہے اور وہ دن کفار کے لئے بہت سخت اور تکلیف دہ ہوگا۔

قرآن فرماتا ہے:

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ [۲]

قیامت کے دن کوئی بھی کسی کی تقدیر اور سرنوشت کا مالک نہیں ہے۔ اس دن تمام امور فقط خدا کے اختیار میں ہوں گے۔

حکومت خدا سے مخصوص ہے

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

اذ کان یوم القیمۃ بادت الحکام فلم یبق حاکم الا اللہ۔ [۳]

قیامت کے روز حکمرانی ختم ہوجائے گی اور حکمران ہلاک ہوجائیں گے اور اللہ کے علاوہ کوئی بھی حاکم نہ رہے گا۔

ذاتِ باری تعالیٰ کی لامحدود قدرت، مطلق حاکمیت اور بے قید و شرط فرمانروائی صرف روز قیامت سے مخصوص نہیں۔ وہ تمام عوالم ہستی پر ازلی و ابدی حاکم ہے اور رہے گا اور یہ کہ قرآن شریف خدا کو روز جزا کا ''ملک'' کہتا ہے اور ''ملک یوم الدین'' کے عنوان سے اس کی تعریف کرتا ہے۔ یہ اس لحاظ سے ہے کہ پروردگار نے ارادہ فرمایا ہے کہ بشر زمین پر خلیفۃ اللہ ہو۔ اس لئے اپنی حکیمانہ مشیت سے اس کو آزاد خلق کیا ہے، ارادہ اور اختیار کو اس کی خلقت میں رکھا ہے، اسے کرہ خاک کہ جو علل و اسباب کا جہان ہے، میں مستقر کیا، زمین اور اس کی تمام اشیاء پر اسے مسلط کیا ہے اور اس کے لئے انہیں مسخر کیا اور اس پر فرض کیا ہے کہ وہ سعی و کوشش سے زمین کو آباد کرے۔

---

[۱] الفرقان۔۲۶

[۲] الانفطار۔۱۹

[۳] تفسیر مجمع البیان، ج۱۰، ص ۴۵۰

دنیا میں بشر کی حکومت

قرآن فرماتا ہے:

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا [1]

اللہ نے تمہیں زمین سے خلق کیا ہے اور تم سے چاہتا ہے کہ اسے آباد کرو۔

اس بناء پر اس دنیا میں بشر اذن الٰہی سے حکومت کا حق، آزادی اور اختیار رکھتا ہے۔ وہ چاہے تو اپنے اختیارات کو مفید اور صحیح راستوں پر استعمال کرے، ہدایت اور سعادت کو پالے اور ابدی سعادت حاصل کر لے اور چاہے تو اپنی خود مختاری کو ہوا پرستی اور شہوت رانی میں بروئے کار لائے، فساد و ہلاکت کی راہوں پر چل نکلے اور اپنی بدبختی اور تباہی کے اسباب فراہم کرے۔

اسی طرح نظام خلقت میں جو اسباب اور وسائل اس کے اختیار میں دیئے گئے ہیں چاہے تو ان سے صحیح طور پر استفادہ کرے، انہیں مفید اور منافع بخش امور میں استعمال کرے اور اس کے نتائج سے اپنے آپ کو اور دوسروں کو بہرہ ور کرے اور چاہے تو ان وسائل سے سوئے استفادہ کرے، انہیں ظالمانہ اور گناہ آلود مقاصد کی تکمیل کے لئے بروئے کار لائے اور اس طرح اپنے لئے اور دوسروں کے لئے نقصان اور ضرر بہم پہنچائے۔

آخرت میں اختیار کا خاتمہ

لیکن عالمِ طبیعت کی فنا اور دارِ تکلیف کے خاتمے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ انسان کو دیئے گئے تمام اختیارات سلب کر لے گا، اسے وسائل واسباب سے منقطع کر دے گا اور اس سے حاکمیت اور طاقت کو کھینچ لے گا۔ تمام قدرتیں اور اختیارات پہلے کی طرح اللہ تعالیٰ کے قبضے میں آ جائیں گے۔ یہ قرآن میں ذکر ہونے والی ان آیات کا معنی ہے جو باری تعالیٰ کو روزِ جزا کا مالک اور فرمانروا قرار دیتی ہیں۔ اور عرصۂ قیامت میں اس کی بے قید و شرط حاکمیت بیان کرتی ہیں۔

دوم: عدل وانصاف پر مبنی فیصلے

ارشاد ہوتا ہے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا

---

[1] ہود۔ ٦١

يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾ [1]

اس دن سے ڈرو جس دن تمہیں خدا کی طرف لوٹایا جائے گا اور تمام انسان اپنے انجام دیئے گئے کاموں کی جزا پائیں گے اور اس میں ان پر ظلم وستم نہیں کیا جائے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ [2]

جب ان کو اس دن جمع کیا جائے گا جس کے ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، تو ان کا حال کیا ہوگا؟ اس دن تمام لوگ اپنے کئے گئے اعمال کی جزا پائیں گے جب کہ ان پر ظلم وستم نہیں کیا جائے گا۔

ارشاد الٰہی ہے:

يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١١١﴾ [3]

ایک دن ایسا آئے گا کہ ہر شخص اپنی فکر میں ہوگا اور اپنی رہائی کے لئے دلیل وحجت پیش کرے گا۔ اس دن ہر انسان اپنے اعمال کی جزا پائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ظلم سے پاک فیصلہ

قرآن ایک اور مقام پر فرماتا ہے:

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٤﴾ [4]

اس دن کسی پر ظلم نہ ہوگا اور اپنے انجام دیئے گئے اعمال کے بدلے جزا کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں دیکھے گا۔

---

[1] بقرہ۔۲۸۱

[2] آل عمران۔۲۵

[3] النحل۔۱۱۱

[4] یٰسین۔۵۴

قرآن مزید فرماتا ہے:

اَلۡیَوۡمَ تُجۡزٰی کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا کَسَبَتۡ ؕ لَا ظُلۡمَ الۡیَوۡمَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۱۷﴾ [۱]

قیامت کے روز ہر شخص اپنے اعمال کی جزا کا مشاہدہ کرے گا۔ اس دن ظلم وستم نہیں ہوگا اور اللہ لوگوں کا حساب بہت تیزی سے کرے گا۔

بے انصافی کی وجہ

اللہ تعالیٰ کا بار بار اس بات کا اعلان کرنا کہ قیامت میں کسی پر ظلم نہیں ہوگا اس لئے ہے کہ اس دن حکومت ذات باری تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ ظلم وستم سے منزہ اور مبرا ہے۔ کیونکہ ظلم کا منشاء اندرونی کمزوری اور احساس کمتری ہے۔ جو شخص ظلم کرتا ہے حتماً اس کے اندر ایک یا چند کمزوریاں پائی جاتی ہیں وہ اس ذریعے سے اپنی کمزوری کا ازالہ کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنے احساس کمتری کو چھپانا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات تمام کمالات کی حامل ہے اور اس میں ذرہ برابر نقص اور کمزوری نہیں پائی جاتی۔ اس لئے چھوٹے سے چھوٹا اور کم سے کم ظلم بھی نہیں ہوگا۔

ظلم سے مبرا ذات

ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ ۚ وَ اِنۡ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفۡہَا وَ یُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡہُ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۴۰﴾ [۲]

بے شک اللہ ایک ناچیز ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیک کام انجام دیتا ہے تو اسے دو برابر جزا دیتا ہے اور اسے اپنے اجر عظیم سے نوازتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ رسول اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یعبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلته بینکم محرما فلا تظالموا۔ [۳]

---

[۱] المؤمن۔ ۱۷

[۲] النساء۔ ۴۰

[۳] تفسیر المنار، ج ۸ ص ۲۴۳

اے میرے بندو! میں نے اپنے پر ظلم کو حرام کیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے ناجائز اور حرام قرار دیتا ہوں۔ پس تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

استحقاق کی بنیاد پر جزا و سزا

قیامت کے دن گناہگاروں پر ستم ہوگا نہ نیک لوگوں پر۔ گناہگار عدل وانصاف کے مطابق اپنی سزا پائیں گے اور کسی بھی فرد کو اس کے استحقاق سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی۔ اسی طرح نیک افراد بھی اپنے استحقاق کے مطابق جزا پائیں گے۔

اوران میں سے کسی کا حق بھی تلف نہیں ہوگا لیکن گناہگاروں کے بارے میں عدل الٰہی کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ مجرموں کو سزا دینا اللہ تعالیٰ کے لئے ضروری اور لازمی ہے اور اس میں تبدیلی کا امکان نہیں ہے۔ بلکہ اس کی مقدس ذات اس بارے میں مختار ہے اور جیسے چاہے عمل کرسکتی ہے۔ وہ چاہے تو تمام گناہگاروں کو عدل اور استحقاق کی بنیاد پر سزا دے سکتی ہے اور چاہے تو جو افراد تفضّل کے لائق ہیں انہیں بخش سکتی ہے اور اپنی رحمت و بخشش کے سائے میں لے سکتی ہے اور یقیناً ایسا ہی ہوگا کیونکہ وہ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے:

كتب على نفسه الرحمة۔ [1]

اللہ نے تفضّل اور رحمت کو اپنے اوپر ضروری قرار دیا ہے اور اسے اپنا فریضہ بنایا ہے۔

گناہگاروں کی بخشش

آئندہ فصلوں میں یہ بات واضح ہوجائے گی کہ مہربان پروردگار قیامت کے دن کتنے زیادہ گناہگاروں کو مختلف بہانوں سے معاف کردے گا اور جس سزا کے وہ مستحق ہوں گے اس سے درگذر فرمادے گا۔

نیک لوگوں کے بارے میں بھی عدل الٰہی کا یہ معنی نہیں کہ حتماً اللہ تعالیٰ انہیں عدل کے دائرے میں ہی جزا سے نوازے گا اور استحقاق کے معیار پر انہیں پرکھے گا بلکہ ان کے متعلق بھی جیسے چاہے گا عمل کرے گا۔ اس کا وعدہ ہے کہ نیک افراد کو ان کے عمل کی کئی گنا جزا دے گا۔ اس کی وضاحت اسی فصل میں آئے گی اور وہ ایسا ہی کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

---

[1] الانعام۔ ۱۳

نیکوں کی جزا اور وعدہ خلافی

ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ﴿۳۱﴾ [۱]

بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

نبی اکرمؐ کا ارشادِ گرامی ہے:

من وعده الله ثواباً على عمله فهو منجزه ومن وعده عقاباً على عمله فهو بالخيار۔ [۲]

اگر اللہ نے کسی سے وعدہ کیا ہے کہ اس کے عمل کے بدلے میں اجر وثواب عطا کروں گا تو حتماً اسے وفا کرے گا اور صاحبِ عمل کو وہ ثواب عطا فرمائے گا۔

بروں کو سزا اور اللہ کی مرضی

اور اگر کسی سے کئے گئے گناہ پر سزا وعقاب کا وعدہ کیا ہے تو اللہ پر لازم نہیں کہ وہ اسے حتماً عذاب دے بلکہ یہ اس کی مرضی پر موقوف ہے۔ ہوسکتا ہے وہ اس کے جرم کو معاف کر دے اور اسے عذاب میں نہ ڈالے۔

ذات باری تعالیٰ کے تفضّل اور رحمت کی کتاب وسنت کے حوالے سے مزید تحقیق کے لئے اور قارئین کی اس اہم اور امید افزاء مطلب کی طرف زیاد سے زیادہ توجہ کے لئے بعض آیات اور روایات کی روشنی میں اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

ایک نیکی کا ثواب

ارشاد الٰہی ہے:

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا ۚ وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجۡزٰۤى اِلَّا مِثۡلَهَا

---

[۱] الرعد۔۳۱

[۲] کتاب شہاب، ص۴۶

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴿١٦٠﴾ [1]

جو بھی ایک نیکی انجام دے گا وہ اس کا دس گنا ثواب پائے گا اور جو بھی ایک گناہ کا مرتکب ہوگا اس کی سزا ایک گناہ کے برابر ہوگی اور اس کے دربار میں لوگوں پر ستم نہیں ہوگا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا:

قال الله تعالیٰ وقوله الحق اذاهم عبدی بحسنة فاکتبوها حسنة واذا عملها فاکتبوها له بعشر امثالها واذا هم بسیئة فلا تکتبوها فان عملها فاکتبوها بمثلها۔ [2]

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اعمال لکھنے والے فرشتوں سے فرمایا اور اس کا قول حق ہے کہ جب میرا بندہ نیک کام کی نیت کرے اسی نیت پر اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھو اور جس وقت وہ نیت روبہ عمل آجائے اور تو دس برابر نیکیاں لکھو اور جب گناہ کی نیت کرے تو کچھ نہ لکھو اگر وہ اس نیت کو عملی جامہ پہنا دے اور گناہ کا ارتکاب کرلے تو اس کے نامۂ اعمال میں صرف ایک گناہ لکھو۔

ایک گناہ کی سزا

نبی اکرمؐ سے ہی ایک اور حدیث نقل ہوئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

یقول الله اذا اراد عبدی ان یعمل سیئة فلا تکتبوها علیه حتیٰ یعملها فان عملها فاکتبوها علیه بمثلها وان ترکها من اجلی فاکتبوها لها حسنة۔ [3]

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ جب میرا بندہ گناہ کی نیت کرے تو جب تک ارتکاب نہ کرلے تم کچھ نہ لکھو۔ اگر وہ گناہ کا مرتکب ہوجائے تو ایک گناہ اس کے نامۂ عمل میں لکھ دو لیکن اگر گناہ کی نیت کو میرے لئے اور میرے حکم کی وجہ سے ترک کردے تو اس کے نامۂ عمل میں ایک نیکی لکھ دو۔

---

[1] الانعام۔١٦٠

[2] تفسیر درالمنثور، ج٣ص ٦٤

[3] تفسیر المنار، ج٨ص ٢٣٥

خدا کے لئے نیتِ گناہ کا ترک کرنا

مختصر یہ کہ اہل سنت اور اہل تشیع کے ذرائع سے وارد ہونے والی بہت سی احادیث کے مطابق نیک کام کی نیت کا اجر ایک نیکی کے برابر ہے۔ اگر نیت کے مطابق عمل بھی ہو جائے تو عامل کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جائیں گے۔ اگر کوئی گناہ کی نیت کرے لیکن اس کا ارتکاب نہ کرے تو کچھ نہیں لکھا جائے گا۔ لیکن اگر گناہ کو انجام دے تو ایک گناہ لکھا جائے گا لیکن اگر اطاعت الٰہی کے جذبے کے تحت نیت گناہ کو عملی طور پر انجام نہ دے تو اس کے اندرونی جذبے کے احترام میں ایک نیکی اس کے نامۂ عمل میں لکھی جائے گی۔

امام سجادؑ کا کلام

ویل لمن غلب احاده اعشاره فقیل له و کیف هذا؟ فقال له أما سمعت قول الله عزوجل یقول "من جاء بالحسنة فله عشر امثلها ومن جاء بالسیئة فلا یجزی الا مثلها" فالحسنة الواحدة اذا عملها کتبت له عشر والسیئة الواحدة اذا عملها کتبت له واحده نعوذ بالله ممن یرتکب فی یوم واحد عشر سیئات فلا تکون له حسنة واحدة فتغلب حسناته سیئاته۔ [1]

وائے ہو اس پر جس کی اکائیاں اس کی دہائیوں پر غالب آ جائیں۔ کہا گیا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی ایک نیکی انجام دے اس کا دس گنا ثواب ہے اور جو ایک گناہ کا مرتکب ہو اس کی ایک سزا ہے۔ ایک سے زیادہ اسے سزا نہیں ہو گی۔ پس ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ایک گناہ کے بدلے میں ایک ہی لکھا جاتا ہے۔ ہم خدا سے پناہ مانگتے ہیں اس شخص سے جو دن میں دس برائیوں کا ارتکاب کرے اور اس کی ایک نیکی بھی نہ ہو کہ اس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب آ جائیں۔

یہ بات ان کہی نہ رہ جائے کہ بعض نیکیوں کا ثواب دس گنا اور سو گنا سے بھی بڑھ جاتا ہے اور سات سو گنا اور اس سے زیادہ تک پہنچ جاتا ہے۔

---

[1] تفسیر برہان۔ ج ا ص ۵۶۵

سات سو گنا سے بھی زیادہ اجر

قرآن حکیم نے انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں یوں فرمایا ہے:

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم۔ [۱]

ایماندار افراد جو راہِ خدا میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں، کی مثال اس کسان جیسی ہے جس نے بیج کو زمین میں ڈالا ہے اور وہ سبزے میں بدل گیا ہے۔ ہر دانہ جو زمین سے نکلتا ہے اس کی سات بالیاں ہیں اور ہر بالی میں سو دانے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنہیں چاہے سات سو گنا سے زیادہ اجر دیتا ہے کہ اس کے پاس وسیع رحمت اور قدرت ہے اور جو افراد زیادہ اجر کے مستحق ہیں وہ ان کی صلاحیت اور لیاقت سے آگاہ ہے۔

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے:

من ھم بحسنۃ فلم یعملھا کتبت لہ حسنۃ فان عملھا کتبت لہ عشر الی سبع مائۃ الی اضعاف کثیرۃ۔ [۲]

جس نے نیکی کی نیت کی ہو اور اس پر عمل نہ کیا ہو تو اس کے نامۂ عمل میں لکھی جاتی ہے اور اگر وہ عمل کرے تو دس سے لے کر سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں اس کے نامۂ عمل میں لکھی جاتی ہیں۔

دنیاوی وسائل کا بے اثر ہونا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾ [۳]

قیامت کا ایسا دن ہے جس دن سب رشتہ داریاں، قرابتیں اور رفاقتیں اپنا اثر کھو دیں گی۔ کوئی بھی اپنے

---

[۱] بقرہ۔۲۶۱

[۲] تفسیر در المنثور، ج۳ ص ۶۴

[۳] الدخان۔۴۱

دوست کے کام نہ آ سکے گا اور اسے عذاب سے نجات نہ دلا سکے گا۔

قرآن حکیم مزید فرماتا ہے:

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾ [1]

رشتہ داریاں اور قرابتیں

جب صور پھونکا جائے گا اور قیامت برپا ہوگی تو قرابتیں اور رشتہ داریاں بے اثر ہو جائیں گی۔ اس ذریعے سے کسی کو فائدہ ملے گا نہ ان سے سوال کیا جائے گا۔

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

واللہ لا ینفعك غدا الا مقدمة تقدمها من عمل صالح۔ [2]

خدا کی قسم قیامت کے دن کوئی بھی چیز تمہارے لئے مفید نہیں ہے مگر تمہارے صالح اعمال جنہیں تم نے آگے بھیجا ہے۔

والدین اور اولاد

قرآن حکیم اس بارے میں مزید فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۡ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ [3]

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے خوف کھاؤ جس دن نہ باپ اپنے بیٹے کی کوئی مدد کر سکے گا اور نہ بیٹا باپ کو مشکلات سے رہائی دلا سکے گا۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ [4]

---

[1] المؤمنون۔۱۰۱

[2] تفسیر صافی، ص ۳۷۲

[3] لقمان۔۳۳

[4] بقرہ۔۱۶۶

کتنا سخت ہوگا وہ مرحلہ جب باطل لیڈر اپنے گمراہ شدہ پیروکاروں سے دوری اور برأت اختیار کررہے ہوں گے اور عذابِ الٰہی کا مشاہدہ کررہے ہوں گے کہ قیامت کے میدان میں دنیا کے تمام وسائل اور اسباب منقطع ہو گئے ہیں۔

مال اور اولاد

ارشادِ الٰہی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ [1]

وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا مال اور اولاد قیامت کے دن ان سے عذابِ الٰہی کو دور نہیں کرسکیں گے اور وہ لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۳۶ [2]

اگر کفار اور ملحدین جو کچھ کرہ زمین میں ہے سب کے مالک بن جائیں اور اتنا مزید بھی اس کے ساتھ ہو اور وہ چاہیں کہ اسے روزِ قیامت کے عذاب کا معاوضہ دے دیں اور عذاب سے رہائی پالیں تو ان کا یہ معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

شاعر نے مندرجہ بالا مطالب کو اپنی زبان میں یوں بیان کیا ہے:

با چنیں وضع و حال ہول انگیز
در چنیں روزِ سخت و حادثہ خیز
کہ موازین حق بکار رود
غول تبعیض بر کنار شود

---

[1] آل عمران۔۱۰

[2] المائدہ۔۳۶

رشوه ها حیله ها سیا ستها
رخت بر بند و از قضا و تها
کرده ها جمله برملا گردد
حق و باطل زهم جدا گردد
نیست اذنی که اعتذار کنم
یکجا رد کنم چکار کنم
دستِ در دامن که آویزم
باچه قدرت زجای برخیزم
کر توانم شدن زبند خلاص
چه گریزم که ''لات حین مناص''

زیرِ بحث آیات کا نتیجہ

مذکورہ آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اولاً روزِ محشر حاکم مطلق اور مطاع وتبع فرمانروا ذاتِ اقدس الٰہی ہے۔ وہ ''مالك یوم الدین ''اور مالک روزِ جزا ہے۔ ثانیاً عدالتِ الٰہی میں کسی پر بھی ظلم وستم نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ غنی بالذات ہے اور اس سے منزہ ہے کہ ظلم روا رکھے اور بلند و بالا مقام الوہیت کو ناحق حکم سے داغدار کرے۔ ثالثاً: وہ ظالم جنہوں نے دنیا میں وسائل اور اسباب سے استفادہ کرتے ہوئے ناجائز اور ظالمانہ کام انجام دیئے اور کمزور وضعیف افراد کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ بنایا قیامت میں اپنے غلط اور ظالمانہ کاموں کو جاری نہیں رکھ سکتے کیونکہ دنیا میں بعض وسائل اور ذرائع ان کے کنٹرول تھے اور جن سے کام لیتے ہوئے انہوں نے ظلم وستم روا رکھا مثلاً مال وعہدہ، طاقت وریاست، محبوبیت اور گفتگو کا اثر وغیرہ وہ سب ان کے ہاتھوں سے نکل چکے ہوں گے اور بعض دوسرے وسائل مثلاً رشتہ داریاں، قرابتیں، دوستیاں، رفاقتیں، والدین اور اولاد جو دنیا کی باقیات ہیں۔ آیات اور روایات کی صراحت سے باطل اور لغو ہو چکے ہوں گے۔ اس بناء پر عرصۂ قیامت میں حاکمِ روزِ جزاء کی طرف سے یعنی ذات اقدس الٰہی کی طرف سے ظالمانہ فیصلہ صادر نہیں ہوگا اور لوگوں پر ظلم نہیں ہوگا اور دنیا کے ظالموں کی طرف سے بھی ان پر ظلم نہیں ہوگا کیونکہ وہ ظلم وتعدی کی قدرت نہیں رکھتے ہوں گے۔

مجرم اور جرم کا انکار

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکیمانہ مشیت سے انسان کو آزاد خلق فرمایا ہے۔ اس کی آزادیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس

نے زبان کو بشر کے کنٹرول میں دیا ہے وہ جیسے چاہے گفتگو کرے وہ جہاں پر چاہے زبان اور ضمیر کو باہم ہم آہنگ کرے جو کچھ دل میں ہے زبان پر لائے اور جہاں چاہے منافقت سے کام لے، زبان اور دل کو آپس میں جدا کرے اور ایسی بات زبان پر لائے جو اس کے دل میں نہ ہو۔

بے گناہی کی قسم

دیوانی مقدمات میں حقیقی مجرم کی شناخت اور جرم کے وقوع سے آگاہی قاضیوں کے لیے بنیادی ترین مسائل میں سے ہے اور اس مقصد تک پہنچنے کے لئے بہترین ذریعہ مجرم کا اعتراف ہے۔لیکن بہت سے مواقع پر خطا کار اور ملزمان سزا سے بچنے کے لئے کئے گئے گناہ کا اعتراف نہیں کرتے اور اپنے آپ کو بری الذمہ ظاہر کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات تو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے اور لوگوں کو الزام دینے کے لئے بار بار قسمیں کھاتے ہیں اور قاضی مجبور ہو جاتا ہے کہ مجرم کی پہچان کے لئے گواہوں کی شہادت، تحقیقات و تفتیش سے استفادہ کرے اور ابہام کو برطرف کرے اور کبھی ان اقدامات سے بھی کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوتا، ابہام دور نہیں ہوتا اور مجرم کی شناخت نہیں ہو پاتی۔

آج کی دنیا میں ذرائع

آج کی دنیا میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی وجہ سے بعض ایسے وسائل اور آلات بنا لئے گئے ہیں جو ایسے موقع پر حقیقت کی پہچان میں مدد کرتے ہیں اور مجرم کے اعتراف کے اسباب مہیا کرتے ہیں۔مثلاً ایک میچ یا ڈرامہ دیکھنے کے لئے ایک وسیع میدان میں لوگوں کو بہت زیادہ تعداد جمع ہوتی ہے اتفاق سے میدان کے ایک گوشے میں ایک جھگڑا ہو جاتا ہے دو پارٹیاں آپس میں لڑ پڑتی ہیں اس مار دھاڑ اور مار پیٹ کے نتیجے میں چند افراد زخمی ہو جاتے ہیں اور چند افراد قتل ہو جاتے ہیں۔اب نہ قاتل اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اور نہ وہ لوگ گواہی دیتے ہیں جو موقعے پر موجود تھے۔

واقعہ جرم کی فلم

لیکن ایک اخباری رپورٹر میچ یا ڈرامے کی ویڈیو فلم بنانے کے لئے پہلے سے وہاں آیا ہوا تھا اور اس نے اپنے کیمرے کو ایک مناسب جگہ پر فٹ کر رکھا تھا۔وہ خود بخود جھگڑے کی جگہ کے سامنے ہوتا ہے اور وہ تمام لڑائی کی فلم بناتا ہے۔اس فلم میں قاتل اور مقتول'' دونوں کے آپس میں الجھنے اور لڑنے کی کیفیت اور قتل کا واقعہ انتہائی واضح طور پر ریکارڈ ہو جاتا ہے اور قاتل اس فلم کو دیکھنے کے بعد مجبوراً اپنے جرم کا اعتراف کر لیتا ہے۔

کبھی مجرم اپنے محرم راز دوست سے بات کرتا ہے اور اسے واقعۂ قتل کی تفصیل بتاتا ہے اور اس کے سامنے واضح

طور پر اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہے لیکن اسے پتہ بھی نہیں چلتا اور اس کی گفتگو ٹیپ کر لی جاتی ہے جس وقت عدالت میں کیسٹ چلائی جاتی ہے اور وہ اپنی باتوں کو سنتا ہے تو مجبور ہو کر اپنے ارتکاب شدہ جرم کا اعتراف کر لیتا ہے۔

ٹیپ ریکارڈ

کہتے ہیں کہ اب تو دستی گھڑی، لاٹھی کی نوک اور بٹن کی صورت میں ٹیپ ریکارڈ بنا لئے گئے ہیں۔ جنہیں افراد اگر چاہیں تو اپنے ساتھ رکھ سکتے ہیں اور ضروری مواقع پر کسی کی باتوں کو ریکارڈ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ٹیپ ریکارڈ کو ڈرائنگ روم کی آرائشی اشیاء کی صورت میں بھی تیار کیا گیا ہے اور صاحب خانہ ان چیزوں کے ذریعے سے سمجھ سکتا ہے کہ اس کے مہمانوں نے اس کی غیر موجودگی میں کیا کہا ہے۔ یہ حدیث جو نبی اکرمؐ سے روایت کی گئی ہے شاید اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہو۔ آپؐ فرماتے ہیں:

اما والذی نفس محمد بیدہ لیوشکن الرجل منکم ان یغیب عن اھلہ الروحۃ او الغدوۃ ثم یخبرہ سوطہ او عصاہ او نفلہ بما احدث اھلہ من بعدہ۔ [1]

مجھے قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے نزدیک ہے کہ وہ وقت آن پہنچے کہ تم میں سے ایک شخص صبح یا عصر یا رات کو گھر سے نکلے اور اپنے گھر والوں سے اوجھل ہو جائے اور جیسے ہی گھر لوٹ کر آئے تو چابک، یا عصا یا اس کے جوتے اسے اطلاع دیں کہ اس کے گھر والوں نے اس کی غیر موجودگی میں کیا ہے۔

مجرم کی انگلی کے نشانات

ویڈیو فلم اور ٹیپ ریکارڈنگ کے علاوہ دوسرے ذرائع سے بھی ممکن ہے کہ ابہام برطرف ہو جائے اور مجرم کی شناخت ہو جائے۔ ان ذرائع میں سے ایک انگشت کے نشانات یا بلڈ گروپ کی تشخیص ہے۔ پیشہ ور چور چوری کے لئے ایک گھر میں داخل ہوتا ہے۔ قیمتی اموال کمرے سے باہر نکالتا ہے اور اٹھا کر لے جاتا ہے البتہ اس دوران میں اس کمرے میں موجود میز پر انگلیوں اس کے نشانات لگ جاتے ہیں اور وہی نشانات چور کی پہچان کروا دیتے ہیں اور اس کی شناخت کا سبب بن جاتے ہیں۔

---

[1] الطبقات الکبیر۔ ج ۱، ص ۱۱۴

کبھی واقعۂ قتل رونما ہوجاتا ہے اور قاتل تیزی کے ساتھ جائے وقوعہ سے فرار ہوجاتا ہے۔لیکن قاتل کے لباس پر مقتول کے خون کے ایک دو قطرے رہ جاتے ہیں۔یہی بات اس کو مشتبہ بنا دیتی ہے اور مقتول کے خون کے گروپ کی پہچان کے بعد یہ پوشیدہ راز آشکار ہوجاتا ہے اور قاتل کی پہچان ہوجاتی ہے۔غرض یہ ہے کہ فلم کا منظر، آڈیو کیسٹ، انگلی کے نشانات اور خون کے قطرات میں سے ہر ایک گواہ کے طور پر حقیقت کو واضح کرتے ہیں اور مجرم کی پہچان کرواتے ہیں۔

اللہ کی عدالت میں گناہگاروں کا طریقہ کار

جیسا کہ آیات اور روایات سے ظاہر ہوتا ہے قیامت کے دن گناہگار اللہ کی عدالت میں وہی طریقہ اپنائیں گے جو مجرم لوگ دنیا کی عدالتوں میں اختیار کرتے ہیں۔شروع میں آزادیٔ اظہار کی وجہ سے جو کچھ دل میں موجود ہوگا اس کے برخلاف بات کریں گے، اپنے جرائم کا انکار کریں گے۔انبیاء الٰہی کی تبلیغ اور فرشتوں کی گواہی کو جھٹلائیں گے حتیٰ کہ بعض مقامات پر اپنی خلافِ حقیقت باتوں کو ثابت کرنے کے لئے اور انہیں دوسروں کو باور کرانے کے لئے جھوٹی قسمیں بھی کھائیں گے۔یہاں پر اس سلسلے کی بعض آیات اور احادیث کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

ارشادِ الٰہی ہے:

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶ [۱]

پس قیامت میں ہم امتوں سے سوال کریں گے کہ کیا رسولوں نے دعوت الٰہی تم تک پہنچائی یا نہیں؟ اور اسی طرح انبیاء سے پوچھیں گے کہ کیا دینِ خدا اپنی امتوں تک پہنچایا ہے یا نہیں؟

انبیاء اور امتوں سے پوچھ گچھ

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام ایک حدیث میں قیامت میں لوگوں کے حالات کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فیقام الرسل فیسألون عن تأدیة الرسالات التی حملوها الی اممهم فاخبروا انهم قد ادوا ذلك الی اممهم وتسئل الامم فیجحدون فیقولون ما جآءنا من بشیر ولا نذیر۔ [۲]

---

[۱] الاعراف۔۶

[۲] تفسیر صافی، ص۱۲۱

پھر رسولوں کو ٹھہرایا جائے گا اور ان سے سوال کیا جائے گا: کیا جس رسالت الٰہی کے تم حامل تھے اسے تم نے اپنی امتوں تک پہنچایا؟ وہ ہاں میں جواب دیں گے اور کہیں گے: جو ذمہ داری ہمارے سپرد کی گئی تھی، ہم نے اسے انجام دیا۔ پھر امتوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ جواب میں انکار کریں گی اور کہیں گی کہ ہمیں دعوت دینے کے لئے کوئی بشارت دینے والا آیا تھا نہ کوئی ڈرانے والا۔

مشرکین کی جھوٹی قسمیں

قرآن حکیم بیان فرماتا ہے:

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ۝۲۲ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۝۲۳ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝۲۴ [1]

جس دن تمام انسانوں کو اکٹھا کیا جائے گا پھر ہم مشرکین سے کہیں گے جنہیں تم نے خدا کا شریک قرار دیا تھا تمہارے وہ معبود کہاں ہیں؟ جواب میں ان کے پاس کوئی بہانہ نہ ہوگا مگر یہ کہ وہ کہیں: اس خدا کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے ہم دنیا میں مشرک نہ تھے۔ اے رسولؐ! دیکھو، یہ کیسے اپنے رب کو جھٹلا رہے ہیں اور اپنے رب سے شرک کو بھلا رہے ہیں جو ذاتِ اقدس پر بہتان ہے۔

مزید ارشاد ہوتا ہے:

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝۲۰ [2]

اللہ کے دشمنوں کو آگ کے قریب لایا جائے گا۔ اس وقت ان کے کان، آنکھیں اور بدن کی جلد دنیا میں انجام دیئے گئے ان کے برے اعمال کی گواہی دیں گے۔

---

[1] الانعام۔ ۲۲، ۲۴

[2] حم سجدہ۔ ۲۰

گناہگار اور فرشتوں کی گواہی کا جھٹلانا

حدیث میں آیا ہے:

انها نزلت فی قوم تعرض علیهم اعمالهم فینکرونها فیقولون ما عملنا شیئا منها فتشهد علیهم الملئکة الذین کتبوا علیهم اعمالهم قال الصادق علیه السلام فیقولون لله یارب هؤلآء ملئکتك یشهدون لك ثم یحلفون بالله ما فعلوا من ذلك شیئا وهو قول الله عزوجل "یوم یبعثهم الله جمیعا فیحلفون له کما یحلفون لکم. المجادله ۱۸" وهم الذین عصوا امیر المومنین فعند ذالك یختم الله علی السنتهم وتنطق جوارحهم فیشهد السمع بما سمع مما حرم الله ویشهد البصر بما نظر الی ما حرم الله وتشهد الیدان بما اخذتا و تشهد الرجلان بما سعتا فیما حرم الله وتشهد الفرج بما ارتکب مما حرم الله۔ [1]

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن کے اعمال کو ان کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہ انکار کریں گے اور کہیں گے: ہم نے ان میں سے ایک بھی انجام نہیں دیا۔ اس وقت دنیا میں اعمال لکھنے والے فرشتے ان کے خلاف گواہی دیں گے اور ان اعمال کو ان کے لئے ثابت کریں گے۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: گناہگار کہیں گے: پروردگار! یہ تمہارے فرشتے ہیں اور تمہاری طرف سے مامور تھے یہ تمہارے حق میں گواہی دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں گے: ہم ان اعمال کے مرتکب نہیں ہوئے۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں: یہ وہی بات ہے جس کی قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے ''جس دن اللہ کے حکم سے اٹھائے جائیں گے اس کے سامنے قسمیں کھائیں گے جیسا کہ دنیا میں تمہارے سامنے قسمیں کھاتے تھے'' اور اس گروہ میں وہ افراد بھی ہوں گے جنہوں نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی طرف گناہ اور ظلم کی نسبت دی ہوگی ان کی جھوٹی قسموں کے بعد

[1] لئالی الاخبار، ص ۴۶۲

اللہ تعالیٰ ان کے منہ بند کردے گا اور ان کے اعضا و جوارح کو بولنے کا حکم دے گا۔ اس وقت کان ان چیزوں کے بارے میں جن کا سننا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا اور کانوں نے اسے سنا ہوگا، گواہی دیں گے۔ آنکھیں اس چیز کی گواہی دیں گے جن کا دیکھنا گناہ تھا اور انہوں نے ان کا مشاہدہ کیا ہوگا، ہاتھ اور اسی طرح پاؤں جن محرمات کے مرتکب ہوئے ہوں گے اور ان کی گواہی دیں گے اور آخر میں ان کی شرمگاہوں نے جن گناہوں کی ارتکاب کیا ہوگا اس کی گواہی دیں گی۔

گناہگاروں کے اعضاء کی شہادت

شاعر نے اس حدیث کے مفہوم کو شعروں کی صورت میں یوں بیان کیا ہے:

روز محشر ہر نہان پیدا شود
هم ز خود هر مجری رسوا شود
دست و پا بدہد گواہی با بیان
برفساد او بہ پیش مستعان
دست گوید من چنین دزدیده ام
لب بگوید من چنیں بوسیده ام
ہاتھ کہے گا میں نے یوں چوری کی
لب کہے گا میں نے یوں بوسہ لیا
پای گوید من شد ستم تا منیٰ
فرج گوید من بکر و ستم زنا
چشم گوید غمزه کرد ستم حرام
گوش گوید چیده ام سوء الکلام
پس دروغ آمد ز سرتاپای خویش
چون گواہی مید ہد اعضاء زپیش

مجرموں کا اپنے جوارح پر اعتراض

حضرت علی علیہ السلام نے اس آیت کے بارے میں فرمایا:

يعنى بالجلود الفروج۔ [۱]

اس آیت میں ''جلود'' سے مراد گناہگاروں کی شرمگاہیں ہیں۔

جب گناہگاروں کے اعضا و جوارح ان کے خلاف گواہی دیں گے وہ سخت پریشان ہوں گے اور گویا سب سے زیادہ اپنی شرمگاہوں کی گواہی سے شرمندہ اور پریشان ہوں گے۔ اسی لئے جب اعضا و جوارح کی گواہی ختم ہوجائے گی تو ان کے لبوں پر سے مہرِ سکوت توڑ دی جائے گی۔ وہ پہلی بار اپنی شرمگاہوں سے بات کریں گے جو ان کی رسوائی کا موجب بنی ہوں گی۔

مجرموں کو اعضاء کا جواب

قرآن مجید اس بارے میں فرماتا ہے:

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ [۲]

وہ اپنی شرمگاہوں سے کہیں گے: تم نے کیوں ہمارے خلاف گواہی دی ہے؟ وہ جواب دیں گی: ہمیں اللہ نے بات کرنے کی قوت عطا کی ہے آج اس کے حکم سے سب چیزیں بولیں گی۔

مختصر یہ کہ مجرم افراد قیامت کی عدالت میں دنیا کی عدالتوں کی طرح عمل کریں گے۔ جھوٹ بولیں گے، اپنے جرم سے انکار کریں گے، اپنے آپ کو بے گناہ قرار دیں گے اور اپنی خلافِ حقیقت باتوں کو ثابت کرنے کے لئے قسمیں کھائیں گے تاکہ عذابِ الٰہی سے نجات پاسکیں۔ لیکن ان کی یہ جھوٹی باتیں بے فائدہ ہوں گی کیونکہ ناقابل انکار گواہ ان کے جرائم پر شہادت دیں گے اور ان کے جرائم پایۂ ثبوت کو پہنچ جائیں گی۔

جیسا کہ اس کتاب کے تیسرے مقالے کے آخر میں اشارہ کیا گیا ہے قرآن کریم چند آیات میں یاد دلاتا ہے کہ اہل محشر کی نظروں میں دنیاوی عمر اس قدر کم اور کوتاہ مدت نظر آئے گی گویا وہ ایک گھڑی قیام کے مسئلے کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اس آیت اور تیسرے مقالے میں مذکورہ آیات میں چند لحاظ سے فرق ہے۔

---

[۱] تفسیر صافی، ص ۴۷۶

[۲] حم سجدہ۔ ۲۱

جھوٹے افراد دنیا اور آخرت میں

ارشاد ہوتا ہے:

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ [1]

قیامت کے دن گنگاہگار قسمیں کھائیں گے کہ انہوں نے دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ قیام نہیں کیا۔ انہوں نے جس طرح دنیا میں حق کے راستے سے انحراف کیا اور جھوٹ بولا اور آخرت میں بھی جھوٹ بولیں گے اور اپنی غلط باتوں کو ثابت کرنے کے لئے قسمیں کھائیں گے۔ صاحبان علم وایمان ان سے کہیں گے: دنیا اور برزخ میں تمہارا قیام تقدیر الٰہی کے مطابق روزِ بعث تک تھا اور اب وہ دوبارہ اٹھنے کا دن آن پہنچا ہے۔ لیکن تم اس سے ناآگاہ تھے۔

آیات قبل میں دنیا کے مختصر قیام کو ''کان'' اور ''کانہم'' کے کلمات کے ساتھ ان معنوں میں بیان کیا گیا ہے کہ گویا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے۔ لیکن اس آیت میں مجرم لوگ ایک گھڑی کے قیام کو ایک حقیقی اور ناقابلِ تردید امر کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ پہلے والی آیات میں گھڑی بھر قیام کے ذکر کے بعد قسم نہیں کھائی گئی۔ لیکن اس آیت میں گناہگار اپنے ایک گھڑی کے قیام کو ثابت کرنے کے لئے قسم کھاتے ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ ایسی بات کرنے والوں کو انحراف اور جھوٹ کی نسبت نہیں دیتا لیکن اس آیت میں مجرموں کی باتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ گفتگو فرماتا ہے۔

شاید گناہگاروں کا دنیا میں گھڑی بھر قیام کے بارے میں قسمیں کھانا اور جھوٹ بولنا، امتوں کا انبیاء کی دعوت کے جھٹلانے کی طرح ہو۔ جیسے مشرکین کا اپنے شرک کی نفی پر قسمیں کھانا اور گناہگاروں کی طرف سے فرشتوں کی گواہی کو جھٹلانا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جس طرح امتیں پیغمبروں کی دعوت اور تبلیغ کے جھٹلانے سے، مشرکین نفی شرک پر قسمیں کھانے سے، گناہگار فرشتوں کی تکذیب کرنے سے اپنی بے گناہی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اسی طرح یہ گروہ بھی قسمیں کھائے گا کہ ہم دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے اور یہ قلیل مدت ان سب گناہوں کے لئے ظرف زمانی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا جو جرائم اور زیادتیاں ہمارے نامۂ اعمال میں لکھی گئی ہیں ہم ان سے پاک اور بے گناہ ہیں۔ لیکن علم وایمان رکھنے والے اشخاص ان سے

---

[1] الروم۔ ۵۵و۵۶

کہیں گے: اللہ کی قضاء اور تقدیر سے دنیا میں تمہاری کافی عمر تھی اور تم ان اعمال کے مرتکب ہوئے ہو۔

دنیا کی عدالتیں ابتداء میں واقعے سے بے خبر ہوتی ہیں وہ ظالم اور مجرم کو نہیں جانتیں۔ جرم کے وقوع پذیر ہونے کی کیفیت سے آگاہی نہیں رکھتیں۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ مجرم کے اعتراف یا گواہوں کی شہادت یا ضروری تفتیش اور تحقیقات کے ذریعے تدریجاً وقوعہ کی تہ تک پہنچیں۔ لیکن قیامت کی عدالت کا قاضی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے وہ تمام حقائق سے آگاہ ہے، اس کے لئے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں ہے وہ خود لوگوں کے تمام اچھے اور برے اعمال کا مشاہد اور ناظر ہے۔ اسی وجہ سے قرآن شریف نے متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کو شاہد اور شہید کے نام سے یاد کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا [1]

اے رسول! تم چاہو اسی حال میں ہو اور قرآن کی کوئی سی بھی آیت تلاوت کرتے ہو تم اور تمہارے پیروکار جو بھی عمل انجام دیتے ہیں ہم تم پر شاہد اور گواہ ہیں۔

شاہد گناہ خود روزِ جزا کا قاضی ہے

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے

اتقوا معاصی اللہ فی الخلوت فان الشاھد ھو الحاکم۔ [2]

اپنی خلوتوں میں بھی گناہوں سے پرہیز کرو کیونکہ ان پر گواہ اور نگران وہ ذات ہے جو قیامت میں خود حاکم ہے۔

اس کے باوجود کہ ذات حق تعالیٰ لوگوں کی رفتار اور گفتار پر شاہد ہے اور ان کے تمام اچھے برے ظاہری یا مخفی اعمال سے آگاہ ہے۔ لیکن اس کی حکیمانہ مشیت کی بنیاد اس پر ہے کہ قیامت میں لوگوں کا حساب و کتاب، نامۂ اعمال اور گواہوں کی گواہی کے معیار پر کیا جائے اور ناقابلِ انکار ادلہ کی بنیاد پر فیصلہ صادر کیا جائے۔ جب کسی گناہگار کا جرم ثابت ہوجائے گا اور اس کی سزا قطعی ہوجائے گی اس وقت اگر عفو الٰہی اس کے شامل حال ہو تو اس کی سزا معاف ہوجائے گی اور عفو الٰہی اس کے

---

[1] یونس۔ ۶۱

[2] فہرست غرر، ص ۱۲۸

شامل حال نہ ہوتو وہ اپنی سزا بھگتے گا لیکن اسے یہ سزا عدل وانصاف، حق اور استحقاق کے ساتھ دی جائے گی اور اس پر ذرہ بھر ظلم نہیں ہوگا۔

امتوں اور افراد کے درمیان مشترکات

روز حشر کے گواہ: جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے کہ امتیں افراد کی طرح جداگانہ شخصیت کی مالک ہیں۔ دنیا اور آخرت میں ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں مشترک ہیں۔ ان میں سے چند کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ دنیا میں انفرادی حیات اور امت کی حیات، فرد کی اجل اور امت کی اجل، فرد کی موت اور امت کی موت، فرد کی ہلاکت اور امت کی تباہی، فرد کی تباہی اور امت کی نابودی، فرد کے جرائم اور امت کے جرائم وغیرہ اور آخرت میں فرد کی مسئولیت اور امت کی مسئولیت، فرد کا محاسبہ اور امت کا محاسبہ، انفرادی نامۂ عمل اور اجتماعی نامۂ عمل وغیرہ۔ ان دو کے درمیان مشترک امور میں سے ایک شاہد ہے جو عرصہ محشر میں فرد اور امت پر گواہی دے گا۔

قیامت میں امتوں کا گواہ

امتوں کا گواہ:

قرآن فرماتا ہے:

وَيَوۡمَ نَبۡعَثُ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيۡدًا ثُمَّ لَا يُؤۡذَنُ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَلَا هُمۡ يُسۡتَعۡتَبُوۡنَ﴿۸۴﴾ [1]

قیامت کے دن حکم الٰہی سے ہر امت میں سے ایک گواہ لایا جائے گا اس کے بعد اس امت کے کافر نہ عذرخواہی کرسکیں گے اور نہ رضائے الٰہی کی طرف لوٹ جانے کی طاقت رکھتے ہوں گے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لكل زمان وامة امام تبعث كل امة مع امامها۔ [2]

ہر زمانے اور ہر امت کے لئے پیشوا اور امام ہے اور قیامت کے دن ہر امت اپنے امام کے ساتھ اٹھائی جائے گی۔

---

[1] النحل۔ ۸۴

[2] تفسیر مجمع البیان، ج۵و۶ص ۳۷۸

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿۴۱﴾ [۱]

پس کافروں اور گناہگاروں کا اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت پر ایک گواہ عرصہ محشر میں لائیں گے اور تمہیں بھی ان سب پر گواہ کی حیثیت میں طلب کریں گے۔

امت اسلام کا گواہ

بعض مفسرین کا قول ہے کہ آیت میں ''ھولاء'' سے مراد رسول اکرمؐ کی امت ہے۔یعنی نبی اکرمؐ قیامت کے روز دوسرے انبیاء الٰہی کی طرح اپنی امت اور قوم کے شاہد و گواہ ہوں گے اور اس بات کا اعلان ایک طرف تو لوگوں کو اس دن کی اہمیت اور عظمت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور دوسری طرف انہیں اپنے فرائض پہچاننے کی ترغیب دیتا ہے تاکہ قیامت کے میدان میں اتنے بڑے مجمع کے سامنے انہیں شرمندگی اور رسوائی سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا:

اقراء علی قلت یا رسول الله اقراء علیك وعلیك انزل؟ قال نعم احب ان اسمعه من غیری فقرأت سورة النساء حتی اتیت الی هذه الایة "فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿۴۱﴾" فقال: حسب الان فاذا عینه تذرفان۔ [۲]

میرے لئے قرآن پڑھو۔ میں نے عرض کی آپؐ کے لئے قرآن پڑھوں جب کہ یہ کتاب آپؐ پر نازل ہوئی ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ہاں پڑھو۔ میں قرآن کو دوسرے سے سننا پسند کرتا ہوں۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں: میں نے سورہ نساء کو پڑھنا شروع کیا۔ جب اس آیت پر پہنچا کہ ارشاد ہوتا ہے: جب ہم ہر امت پر گواہ لائیں گے تو اس وقت ان کا کیا حال ہوگا اور آپؐ کو بھی ان پر بطور گواہ لائیں گے۔ اس کی تلاوت کرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا: کافی ہے جب میں نے آنحضرتؐ کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔

---

[۱] النساء۔۴۱

[۲] تفسیر المنار، ج۵ ص۱۱۰

شیخ طبرسی مرحوم تفسیر مجمع البیان میں اس حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں اوراس کے بعد یوں کہتے ہیں:

فاذا کان الشاھد تفیض عیناہ لھول ھذہ المقالۃ وعظم ھذہ الحالہ فما ذا العمری ینبغی ان یصنع المشھود علیہ۔ [۱]

جب رسول اللہؐ کہ جوخود قیامت کے گواہ ہیں، اس بات کی ہیبت اوراس حالت کی عظمت کی وجہ سے رو پڑتے ہیں تو آنحضرتؐ کی امت جن پر آپ گواہ ہیں، کوکیا کرنا چاہیے۔ اوراسے کون سا عمل بجالانا چاہیے۔

آئمہ امت پر گواہ اور پیغمبر آئمہ پر گواہ

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

فی قول اللہ عزوجل "فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ..." قال: نزلت فی امۃ محمد خاصۃ فی کل قرن منھم امام منا شاھد علیھم و محمد صلی اللہ علیہ والہ فی کل قرن شاھد علینا۔ [۲]

یہ آیت امت محمدؐ سے مخصوص ہے۔ ہرزمانے اور ہرصدی میں اس امت پر ہمارے خاندان میں سے برگزیدہ امام وپیشوا گواہ ہےاورہم پر ہرزمانے میں رسول اکرمؐ گواہ ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں امیر المومنین علیہ السلام سے ایک حدیث سے یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ اللہ کے رسول قیامت میں اپنی امتوں پر گواہ ہیں اور رسول اکرمؐ ان گواہوں پر گواہ ہیں۔ روزمحشر انبیاء سے پوچھا جائے گا: کیاتم نے اپنی ذمہ داری کوانجام دیا ہے اور دینِ الٰہی کولوگوں تک پہنچایا ہے؟ وہ جواب دیں گے: ہاں ہم نے پہنچایا ہے۔ امتیں نبیوں کی تکذیب کریں گی اور کہیں گی: ایسانہیں ہے۔ ہمیں تو ڈرانے اور بشارت دینے والے نہیں آئے تھے۔

رسولوں کا پیغمبر اکرمؐ سے گواہی چاہنا

پھرآپؑ فرماتے ہیں:

---

[۱] مجمع البیان، ج۳، ص۴۹

[۲] کافی، ج اول، ص۱۹۰

فیستشهد الرسل رسول الله صلی الله علیه واله فیشهد بصدق الرسل ویکذب من جحدها من الامم فیقول لکل امة منهم بلی قد جاء کم بشیر و نذیر۔ [1]

انبیاء الٰہی اپنی بات کی سچائی پر نبی اکرمؐ سے گواہی چاہیں گے اور رسول اللہ ان کی بات کی صداقت کی گواہی دیں گے اور انکار امم کی تکذیب کریں گے اور ہر امت سے فرمائیں گے: ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے بشیر اور نذیر آیا تھا۔

قرآن شریف میں قیامت میں امتوں کے گواہوں کے بارے میں اور آیات بھی ذکر ہوئی ہیں۔ یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

افراد پر گواہ

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے قیامت میں انسان کا ہر عضو اس کے حق یا اس کے برخلاف بولے گا اور اس کے کاموں کی گواہی دے گا۔ اسی طرح دوسرے گواہ بھی ہیں جو اللہ کے حکم سے انسانوں کے اچھے اور برے اعمال کے بارے میں شہادت دیں گے اور ان کی جزا وسزا کی راہ ہموار کریں گے۔ یہاں پر قارئین کی مزید اطلاع کے لئے ان میں سے بعض کے بارے میں کچھ وضاحت کی جاتی ہے۔

فرشتوں کی گواہی

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ⁽٢٠⁾ وَجَاۗءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَاۗىِٕقٌ وَّشَهِيْدٌ ⁽٢١⁾ [2]

اور صور پھونکا جائے گا اور بروں کے عذاب کا دن آن پہنچے گا، اس دن ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے ایک فرشتہ عرصۂ محشر میں اس کی راہنمائی کرے گا اور دوسرا اس کے کئے گئے اعمال پر گواہ ہوگا۔

---

[1] تفسیر صافی، ص ۱۲۱

[2] ق۔ ۲۰، ۲۱

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

سائق یسوقها الی محشرها وشاهد یشهد علیها بعملها۔ [1]

اس کے ہمراہ ایک سائق ہوگا جو اس کو محشر کی طرف لے جائے گا اور ایک گواہ ہوگا جو اس کے اعمال کے بارے میں شہادت دے گا۔

زمین کی گواہی

یَوْمَىِٕذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ [2]

قیامت کے دن زمین بول پڑے گی اور اپنی خبریں بیان کرے گی اور یہ کام وحی الٰہی کی وجہ سے انجام پائے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے سورۃ ''اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝'' کی زمین کی خبریں دینے کی آیت یعنی ''یَوْمَىِٕذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝'' تک تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا: تم جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا، قیامت کے دن زمین کی خبر ہر اس عمل سے آگاہ کرنا اور اس کا اعلان کرنا ہے جو اس کی پشت پر انجام پایا ہوگا۔

شاعر اسی بات کو یوں بیان کرتا ہے:

چون قیامت زگرد راہِ رسد
روز ''ما قدمت یداہ'' رسد
کرہ خاکی زمین بہ یقین
متبدل شود بغیر زمین
چہ خبرہا و راز ہای نہاں
میکند باز بان خویش بیان
ہست مینای من در این گفتار
نص ''یوم تحدث اخبار''

---

[1] نہج البلاغہ۔ خطبہ ۵۸

[2] الزلزال۔ ۴،۵

اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کہ قیامت کی کامل زمین اللہ تعالیٰ کی تکوینی وحی سے روزِ محشر بول پڑے، گواہی دے اور لوگوں کے اچھے اور برے اعمال کی شہادت دے۔ شاید اسی دنیا کی زمین میں اور اسی کی بے جان خاک وگل کی گہرائیوں میں ہمارے اعمال ریکارڈ ہو رہے ہوں۔ ہمیں خبر بھی نہ ہو اور ہمارے تمام اعمال اور تمام باتیں ایک نامعلوم اور مجہول کیفیت کے ساتھ محفوظ رہیں اور مستقبل میں سائنس کی ترقی کے باعث ان کا انکشاف ہو جائے اور بعد والی نسلوں کے سامنے پیش کئے جائیں۔ کتاب ''راہ طے شدہ'' کے صفحہ ۱۲۴ پر تحریر ہے کہ:

کوزہ اور کوزہ گر کی صدا

''دو سال پہلے تہران کے اخبارات میں سے کسی ایک نے غیر ملکی رسائل کے ایک مقالے کا ترجمہ شائع کیا جس میں یہ خبر دی گئی تھی کہ امریکہ کے چند سائنسدان قدیم مصر کے کوزہ گران کے گانے کی آواز کو ظاہر کرنے کے لئے دہرانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس مقصد کے لئے میوزیم میں یادگار کے طور پر رکھے ہوئے کوزوں کو گراما فون کی طرح کی چیز پر رکھا اور اسی ترتیب کے ساتھ یعنی جیسے مٹی کے خمیر کو کوزہ گر اپنے پہیہ پر رکھتا ہے اور اسے پاؤں سے چلاتا ہے اور ایک لکڑی کے ٹکڑے کی مدد سے مطلوبہ شکل میں اسے لے آتا ہے وہ اسی طرح گردش میں لے آئے۔''

مذکورہ کتاب میں مزید لکھا ہے کہ:

''اس زمانے میں جب کوزہ گر اپنی دکان کے گوشہ خلوت میں اپنے کام میں مشغول ہوتا تھا تو وہ گنگناتا رہتا تھا اور کوزوں کو گھماتا رہتا تھا وہ کبھی بھی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ اس کی آواز کا ارتاش لکڑی کے تختے کے ذریعے سے، جو اس کے ہاتھ میں ہے اور کوزے کی مٹی کو تراشتا ہے، غیر مرئی اور نازک خطوط کوزے پر بنا رہا ہے، ایسے خطوط جو دو ہزار سال بعد امریکی تجربہ گاہ میں بول پڑیں گے اور اسی کے جملوں کو دہرائیں گے۔

مختصر یہ کہ زمین قیامت میں انسانوں پر ایک گواہ ہوگی۔ لوگ زمین کی جس جگہ پر اچھا عمل بجالائیں یا گناہ و معصیت کا ارتکاب کریں وہ جگہ روزِ حساب اس کے اچھے یا برے عمل کی گواہی دے گی۔ اسی لئے بعض احادیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے کہ مومنین مساجد کی مختلف جگہوں پر نماز ادا کریں کیونکہ قیامت میں ہر جگہ نمازی کی عبادت کی گواہی دے گی۔

نمازی کے لئے مسجد کی شہادت

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

صلوا المساجد فی بقاع مختلفة فان کل بقعة تشهد للمصلی علیها یوم القیمة۔ [1]

مساجد کے مختلف مقامات پر نماز پڑھو کیونکہ ہر مقام جس نے وہاں پر نماز پڑھی ہو، کے حق میں روزِ جزا گواہی دے گا۔

روایت کی گئی ہے کہ:

وکان امیر المومنین علیه السلام اذا فرغ بیت المال صلی فیه رکعتین ویقول اشهدی انی ملأتك بحق وفرغتك بحق۔ [2]

جب امیر المومنین علیہ السلام بیت المال میں موجود تمام اموال کو مستحقین میں تقسیم کر دیتے تھے اور خزانہ خالی ہوجاتی تھا تو دو رکعت نماز پڑھتے تھے اور بیت المال والی زمین سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے کہ قیامت کے دن گواہی دینا کہ میں نے حق کے ساتھ تجھ پر اموال کو جمع کیا ہے اور حق کے ساتھ تقسیم کیا ہے۔

دنوں کی شہادت

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

مامن یوم یمر علی ابن ادم الا قال له ذلك الیوم یا بن ادم انا یوم جدید وانا علیك شهید فقل فی خیرا وعمل فی خیرا اشهد لك یوم القیمة۔ [3]

ہر آنے والا دن انسان سے کہتا ہے: میں ایک نیا دن ہوں اور تیرے اور تیرے اعمال پر گواہ ہوں، میرے اندر نیکی اور اچھائی کی بات کر اور پاکیزگی اور نیکی کا عمل کر، میں قیامت کے دن تیرے حق میں گواہی دوں گا۔

ایک حدیث میں ہے:

---

[1] لئالئ الاخبار، ص ۴۶۲

[2] لئالئ الاخبار، ص ۴۶۲

[3] سفینہ، ج ۲ (یوم) ص ۷۳۹

سید الایام یوم الجمعة ھو شاھد لمن حضر صلاته۔ [1]

دنوں کا سردار جمعہ ہے اور وہ اس دن نماز جمعہ میں حاضر ہونے والوں کی گواہی دے گا۔

نعمتوں کی شہادت

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

احسنوا صحبة النعم قبل فراقھا فانھا تزول وتشھد علی صاحبھا بما عمل فیھا۔ [2]

جو نعمتیں تمہیں عطا کی گئی ہیں، ان کے ساتھ بہترین سلوک کرو۔ اس سے پہلے کہ وہ تمہارے ہاتھوں سے چلی جائیں اور تمہیں چھوڑ دیں، کیونکہ نعمت بہرحال زائل ہوجائے گی لیکن وہ گواہی دے گی کہ صاحب نعمت کا عمل کیسا تھا اور اس نے اس سے کیا سلوک روا رکھا تھا۔

کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص شکر گزارِ نعمت ہے اور الٰہی عطیات کو اس کی رضا کے مطابق صحیح راستوں پر بروئے کار لاتا ہے وہ نعمت کا اچھا ساتھی ہے اور جو شخص نعمت سے سوئے استفادہ کرتا ہے اور اسے غلط اور گناہ کے راستوں پر استعمال کرتا ہے اور عملی طور پر اس کا کفران کرتا ہے وہ نعمت کا برا ساتھی ہے۔

صاحبانِ نعمت کو کفران پر اکسانے والے اور انہیں راہِ حق وفضیلت سے منحرف کرنے والے عوامل میں سے ایک غرور اور خود پسندی ہے۔ اس بات کا اکثر مشاہدہ کیا گیا ہے کہ دراز مدت تک متوسط زندگی گذارنے والے افراد اخلاقی لحاظ سے متواضع اور مؤدب ہوتے ہیں لیکن جونہی انہیں کوئی نعمت ملتی ہے مثلاً وہ کسی عہدے پر فائز ہوں گے، کسی طاقت کے حامل ہوگئے اور کہیں سے مال وثروت انہیں مل گیا تو وہ اخلاق فساد کے مرتکب ہوگئے اور وہ غرور ونخوت میں مبتلا ہوگئے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے عہدے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مظلوموں کے کام آئیں، اپنی طاقت کو کمزوروں اور محروموں کی حمایت کے لئے بروئے کار لائیں اور اپنی دولت سے ضرورت مندوں کی مدد کریں اور اپنے مقام وثروت کی نعمت سے مظلوموں، کمزوروں اور محتاجوں کو فائدہ پہنچائیں۔ ان کی تحقیر اور اہانت کرتے ہیں اور اپنے غرور آمیز اور متکبرانہ رویے سے ان کے غم و اندوہ میں اضافے اور ان کی مصیبت میں زیادتی کا باعث بنتے ہیں۔

---

[1] لسان العرب (شھد)

[2] مکارم الاخلاق، ص ۷۷

صاحبانِ نعمت اگر حق نعمت ادا کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ غرور کی بیماری میں مبتلا نہ ہوں اور سعی و مجاہدہ کے ذریعے خود سازی کریں، ہمیشہ متواضع اور مؤدب رہیں، اللہ کے بندوں کا احترام کریں اور جتنا نعمت میں اضافہ ہو اس قدر ان کی فروتنی اور تواضع میں بھی اضافہ ہو۔ اسی بات کی امام سجاد علیہ السلام نے دعائے مکارم الاخلاق میں اللہ کے دربار میں درخواست کی ہے:

وهب لی معالی الاخلاق واعصمنی من الفجر اللهم صل علی محمد واله ولا ترفعنی فی الناس درجة الاحططتنی عند نفسی مثلها ولا تحدث لی عزا ظاهرا الا احدثت لی ذلة باطنة عند نفسی بقدرها۔ [1]

میرے خدا! مجھے مکارم اخلاق اور اعلیٰ انسانی صفات عطا فرما اور غرور اور لوگوں کے درمیان فخر و مباہات کرنے سے محفوظ رکھ۔ اے پروردگار! محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیج۔ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے درجات کو تو جتنا بھی بلند کرے اسی قدر مجھے اپنے آپ کے سامنے ذلیل کر دے۔ ظاہری طور پر جس قدر عزت و احترام مجھے عطا فرما مگر یہ کہ باطنی طور پر اسی قدر فروتنی میری روح میں پیدا فرما۔

[1] صحیفۂ سجادیہ، دعاء ۲۰، ص ۱۰۰

باب نمبر 20

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَذٰلِكُمۡ ظَنُّكُمُ الَّذِىۡ ظَنَنۡتُمۡ بِرَبِّكُمۡ اَرۡدٰٮكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۲۳﴾

(سورہ حٰمٓ سجدہ آیہ ۲۳)

قیامت اور احکامِ الٰہی

قیامت کبریٰ اللہ کے تغیر ناپذیر وعدے کے مطابق برپا ہوگی۔ اولین وآخرین مخلوق قادرِ مطلق کے حکم سے دوبارہ زندگی پائے گی۔ عدالتِ الٰہی اللہ کی مطلق اور بے قید وشروط حاکمیت کے تحت برپا ہوگی اور اللہ تعالیٰ بہشتیوں اور دوزخیوں کے بارے میں اپنے آخری فیصلے سنائے گا اور ان کا اجراء ہوجائے گا۔ پہلے والی فصل میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق قیامت کے روز ظلم وجور سازش وگروہ بندی، دھمکی، لالچ اور حقوق کی پامالی کا تصور نہیں ہے۔ روزِ جزا ذات باری تعالیٰ کی طرف سے اہل محشر کے لئے صادر ہونے والے تمام فیصلہ جات اس کی دو صفتوں میں سے ایک پر مبنی ہوں گے یا تو عدل و انصاف کی اساس پر نامۂ عمل کے مفاہیم کے مطابق فیصلے صادر ہوں گے یا تفضّل اور رحمت کے تقاضوں کے مطابق عفوو مغفرت کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا۔

عدلِ الٰہی اور باریک حساب

عدل وانصاف کے حوالے سے ایک انسان کے زندگی میں انجام دیئے گئے تمام اچھے اور برے اعمال جو اس کے نامۂ عمل میں درج ہوئے ہیں، کا بہت باریک بینی سے حساب لیا جائے گا اور ان کی تمام جزئیات کا جائزہ لیا جائے گا اس کے بعد جو کچھ دفترِ عمل میں موجود ہے اس کے مطابق صاحبِ عمل کے بارے میں عادلانہ فیصلہ صادر کیا جائے گا۔

عفو الٰہی اور تفضّل

عفوورحمت کے حوالے سے اچھے وبرے اعمال کی چھان بین اور حساب وکتاب اور نامۂ عمل کی جزئیات کی جانچ پڑتال کی بات نہیں ہے۔ یہاں پر مغفرت اور بخشش کا تذکرہ ہے خدا کے تفضّل اور رحمت کی بات ہے ایسی رحمت جو قیامت میں ہر جگہ سایہ فگن ہوگی اور فضل ورحمت کے لائق تمام انسانوں کو اپنے زیرسایہ لے لے گی۔ ایسی رحمت جس کی وسعت اس

قدر ہے کہ درگاہِ الٰہی سے راندہ افراد بھی اس کی طرف امید کی نظروں سے دیکھیں گے

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اذا كان يوم القيمة نشر الله تبارك و تعالىٰ رحمته حتىٰ يطمع ابليس فى رحمته۔ [1]

جب قیامت کا دن آئے گا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو اتنا وسیع کر دے گا کہ شیطان بھی اس کی رحمت کا لالچ کرے گا۔

حضرت باری تعالیٰ کے فضل ورحمت کی طرف توجہ باایمان شخص کو عذابِ قیامت سے نجات کی امید دلاتی ہے اور اسے عفوو بخشش کی نوید دیتی ہے اور خداوند قدوس کے عدل وانصاف کی طرف توجہ ایک حقیقی مومن کے لئے عذاب قیامت سے خوف کا موجب ہے اور اسے اپنی لغزشوں اور گناہوں پر پریشانی اور خوف سے دوچار کر دیتی ہے۔ان دو حالتوں کا باایمان افراد کے دل میں ہونا ضروری ہے یعنی وہ رحمت الٰہی کے امیدوار بھی ہوں اور اس کے عذاب سے خائف بھی۔

فضل ورحمت کی امید اور عدل سے ڈر

امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

بسم الله الذى لا ارجوا الا فضله ولا اخشى الا عدله۔ [2]

اس اللہ کے نام سے کہ جس کے فضل کے سوا مجھے کسی سے امید نہیں اور جس کے عدل کے سوا مجھے کسی کا ڈر نہیں۔

روز جزا اگر افراد پر اللہ کا فضل واقع ہوجائے اور حضرت حق کی عفوو بخشش ان کے شاملِ حال ہوجائے تو وہ آسانی کے ساتھ قیامت کی سختیوں سے نجات پالیں گے اور بہشت جاوید میں ان کا قیام ہوگا۔کیونکہ ممکن ہے اللہ کی رحمت اور مہربانی کے حوالے سے ایک چھوٹی سی دستاویز کی وجہ سے بڑی بڑی لغزشوں سے صرف نظر کرلیا جائے اور گناہ کا پہاڑ عمل صالح کے تنکے کی وجہ سے بخشا جائے اور گناہگار کو سزا اور عقاب سے معافی دلا دے۔اس بارے میں ہادیانِ دین کی روایات میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

---

[1] امالی صدوق،ص ۱۲۳

[2] صحیفہ سجادیہ، دعا یوم الاحد

غریب مقروضوں سے حسن سلوک کا اثر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حوسب رجل ممن کان قبلکم فلم یجد له من الخیر شئ الا انه کان رجلا موسرا و کان یخالط الناس و کان یأمر غلمانه و ان یتجاوزوا عن المعسر فقال الله تبارك و تعالیٰ نحن احق بذلك منه تجاوزوا عنه۔ [1]

گذشتہ امتوں میں سے ایک مالدار اور قدرت مند شخص سے دربارِ الٰہی میں حساب و کتاب لیا جائے گا۔ اس کے نامۂ عمل میں کوئی نیک کام نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ اپنے معاملات اور لین دین میں غریب اور فقیر لوگوں کا خیال رکھتا تھا اور اس نے اپنے کارندوں سے بھی کہہ رہا تھا کہ اکثر کچھ افراد میرے مقروض ہوں اور وہ غریب اور تہی دس ہوں تو ان سے قرض کا مطالبہ نہ کریں اور انکے حساب سے چشم پوشی سے کام لیں کیونکہ ان کے ہاتھ دنیا کے مال سے خالی ہیں ان کے پاس کوئی چیز نہیں ہے وہ اپنے قرض کو ادا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں غریبوں اور تہی دستوں کو مہلت دینے اور چھوٹ دینے میں اس شخص سے زیادہ سزاوار ہوں۔ وہ فرشتوں اور مامورین حساب سے فرمائے گا: اس سے درگذر کرو۔ یعنی اس وقت یہ شخص خالی ہاتھ مقام حساب و کتاب پر کھڑا ہے اور اعمال صالح نہیں رکھتا۔ لہٰذا یہ سزوار ہے کہ عفو و بخشش کا مستحق قرار پائے۔

انسان فضلِ الٰہی کا محتاج ہے

اگر خداوند تعالیٰ چاہے کہ لوگوں سے عدل و انصاف کی بنیاد پر سلوک کرے اور پوری زندگی کے دوران میں ان کے نامۂ اعمال میں لکھی گئی تمام کاموں کی جزئیات کا دقیق حساب لے تو وہ ہرگز عذاب سے نجات نہیں پائیں گے اور فلاح و سعادت حاصل نہ کر سکیں گے۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ ایک انسان حتی المقدور اپنی رفتار اور گفتار میں شریعت کا لحاظ رکھے۔ ساری زندگی کسی غلطی اور لغزش کے بغیر گذار دے اور اللہ تعالیٰ کے عفو اور بخشش سے بے نیاز ہو؟ قرآن شریف اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا [2]

اگر اللہ کا فضل اور رحمت تمہارے شامل حال نہ ہو تو تم میں سے کوئی بھی پاکیزگی اور سعادت نہیں پا سکے گا۔

---

[1] مجموعہ ورام، ج ۱ ص ۸

[2] النور۔ ۲۱

صحیفۂ سجادیہ کی دعا

امام زین العابدین علیہ السلام خدا کے عفو اور عدل کے بارے میں دعا اور تضرع کی زبان میں دربارِ الٰہی میں یوں کہتے ہیں:

اللهم ان تعف عنا فبفضلك وان تشاء تعذبنا فبعدلك فسهل لنا عفوك بمنك واجرنا من عذابك بتجاوزك فانه لا طاقة لنا بعدلك ولا نجاة لأحد منا دون عفوك۔ [1]

بارِالٰہا! اگر تو چاہے تو ہمیں اپنے فضل وکرم کے ذریعے بخش دے اور اگر تو چاہے تو ہمیں اپنے عدل و انصاف کے ذریعے عذاب میں ڈال دے۔ پس ہم پر احسان فرما اور اپنے عفو کو آرام کے ساتھ ہمارے شامل حال فرما اور اپنی بخشش اور مغفرت سے اپنے عذاب سے ہمیں پناہ دے کیونکہ ہم میں تیرے عدل وانصاف کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے اور تیرے درگذر اور عفو کے بغیر ہم میں سے کوئی بھی نجات نہیں پا سکے گا۔

ایماندار افراد نہ صرف گناہوں کی بخشش اور مغفرت میں اللہ کی بیکراں رحمت کے محتاج بلکہ بہشت کے اعلیٰ درجات اور رفیع مقامات تک پہنچنے کے لئے بھی اس کے فضل وعنایت کے نیازمند ہیں اور یہ اللہ کا فرمان ہے جو رسول اکرمؐ کی حدیث میں ذکر ہوا ہے۔

رحمتِ الٰہی پر اعتماد

امام محمد باقر علیہ السلام روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قال الله تبارك و تعالیٰ: لا يتكل العاملون الى على اعمالهم التي يعملونها لثوابي فانهم لواجتهدوا واتعبوا انفسهم اعمارهم في عبادتي كانوا مقصرين غير بالغين في عبادتهم كنه عبادتي فيما يطلبون عندي من كرامتي والنعيم في جناتي ورفيع الدرجات العلیٰ في جاري ولكن برحمتي

---

[1] صحیفہ سجادیہ، دعا ۱۰

فلیتقوا وفضلی فلیرجوا والی حسن الظن بی فلیطمأنوا فان رحمتی عند ذلك.[1]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نیک لوگ جو اچھے اعمال میرا اجر حاصل کرنے کے لئے انجام دیتے ہیں وہ ان پر تکیہ نہ کریں کیونکہ وہ اگر بہت زیادہ کوشش کریں اور ساری زندگی اپنے آپ کو میری عبادت و بندگی کی خاطر سختی اور مشکل میں رکھیں پھر بھی قاصر ہیں اور ان کی عبادات بہشت میں میری نعمتوں، مہربانیوں اور میرے جوار میں درجات عالیہ جن کی وہ توقع رکھتے ہیں، کے لئے نارسا ہیں لیکن ان بلند مقامات تک پہنچنے کے لئے میری رحمت پر بھروسہ کر سکتے ہیں، میرے فضل کے امیدوار رہیں اور حسن ظن کے ساتھ مجھ پر اطمینان پیدا کریں بے شک ان شرائط کے ساتھ میری رحمت ان کے شامل حال ہوگی۔

فیضِ الٰہی کے لئے نا قابلیت

مجموعی طور پر آیات اور روایات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ قیامت میں مغفرت الٰہی تک پہنچنے کے لئے راستے اور طریقے بہت زیادہ ہیں۔ لیکن خداوند کا فیض صرف ان افراد تک پہنچے گا جو دنیا میں اللہ پر ایمان رکھتے ہوں، خفیف ہی سہی دل یا زبان یا عمل سے اس سے رابطہ رکھتے ہوں اور راہِ خیر میں انہوں نے کچھ قدم بڑھائے ہوں کیونکہ رحمتِ حق تک پہنچنے کے لئے لیاقت اور قابلیت کی بنیاد دنیا میں ہی رکھنی چاہیے اور اس جہان میں جو دارِ تکلیف ہے، لوگ کچھ نہ کچھ اپنی خودسازی ضرور کریں اور اپنی موت سے قبل فیضِ الٰہی کے شامل حال ہونے کے لئے راہ ہموار کریں۔ ورنہ مادہ پرست، مشرک اور ہٹ دھرم افراد کا قیامت کے دن رونا دھونا اور آہ وفریاد انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی ان کی اپنے گذشتہ کرتوتوں سے اظہارِ ندامت اور عذرخواہی ان کے انجام میں مؤثر نہیں ہوگی اور آنے والے عذاب سے انہیں رہائی نہیں دلا سکے گی۔

فضلِ الٰہی صفت کمال

دوسرے الفاظ میں اللہ کا فضل اور رحمت انسان کی مہربانی اور رحم کرنے سے متعدد پہلوؤں سے متفاوت ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کے اندر رقت اور رحمت کا پیدا ہونا ایک جذباتی حالت ہے جو بعض رقت آمیز مناظر دیکھنے سے انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے اور وہ اس کی وجہ سے متاثر ہوتا ہے۔ عطوفت اور شفقت کی حس انسان میں بیدار

---

[1] کافی، ج ۲، ص ۷۱

ہوجاتی ہے اور اسے رحم کھانے اور مہربانی پر اکساتی ہے۔ مثلاً روتی آنکھوں کو دیکھ کر درماندہ افراد کی آہ وفریاد سن کر، افسردہ اور بے سہارا یتیموں کو دیکھ کر، ظلم وستم کا نشانہ بننے والے مجروحین سے ملاقات کر کے مصیبت کے مارے مظلوم لوگوں کو دیکھ کر اور اس طرح کی دوسری چیزوں کو دیکھ کر انسان میں وہ حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن خداوند مہربان کی رحمت اور فضل جذباتی اور متاثر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ صفت خدا کی صفاتِ کمال میں سے ہے۔ یہ ایسی صفت ہے جو حکیمانہ ارادے سے لائق اور شائستہ افراد کے شامل حال ہوگی اور انہیں ہلاکت وتباہی سے نجات دے گی اور قابلیت نہ رکھنے والے افراد کے شامل حال نہیں ہوگی۔

شاعر کہتا ہے:

رحمتش نی رحمت آدم بود
که مزاج رحم آدم غم بود

اس کی رحمت انسان کی رحمت کی طرح نہیں ہے کہ جو انسان کے اندر ہمدردی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

رحمت مخلوق باشد غصه ناک
رحمت حق از غم و غصه است پاک

مخلوق کی رحمت جذباتی ہے اور خدا کی رحمت غم وغصہ سے پاک ہے۔

رحمت بیچون چنین دان ای پسر
ناید اندر وہم ازوی جز اثر

اے بیٹے تم اسی طرح رحمت کو سمجھو کیونکہ صرف اس کا ایک اثر ہی ہمارے وہم وگمان میں آسکتا ہے۔

رحمتِ خدا کی امید

وہ ذرائع جو انسان کے اندر تفضّل الٰہی کی صلاحیت اور قابلیت پیدا کرتے ہیں ان میں سے ایک ذات اقدس الٰہی پر حسن ظن ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے حضرت باری تعالیٰ کی رحمت کی امید کے ساتھ اس دنیا میں زندگی گذاری ہوگی اور اپنے دل میں اس کے بارے میں اچھا گمان رکھا ہوگا اور اس کے فضل کی قوی امید کے ساتھ اس دنیا سے گئے ہوں گے تو ایسے افراد کے آخرت میں اس کے عفو اور بخشش کے حقدار ٹھہرنے کے امکانات موجود ہیں۔ روایات بتاتی ہیں کہ ان لائق اور شائستہ افراد پر عرصۂ قیامت میں پروردگار کے فضل ورحمت واقع ہونے کا بہت امکان اور یہ لوگ اگرچہ ناچیز عمل رکھتے ہوں گے تاہم خداوند پر حسن ظن کے پرتو میں بہشت کے عالی مقامات اور نامحدود نعمتوں سے ان کے بہرہ مند ہونے کا قوی امکان ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔

خدا پر حسن ظن

وجدنا فی کتاب علی ابن ابی طالب علیہ السلام ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ قال وھو علی منبرہ واللہ الذی لا الہ الا ھو ما اعطی مومن خیر الدنیا والاخرۃ الا بحسن ظنہ باللہ ورجائہ لہ و حسن خلقہ والکف عن اغتیاب المومنین واللہ الذی لا الہ الا ھو لا یعذب اللہ مؤمنا بعد التوبۃ والاستغفار الا بسوء ظنہ باللہ و تقصیر من رجائہ للہ وسوء خلقہ واغتیابہ المومنین واللہ الذی لا الہ الا ھو لا یحسن ظن عبد مؤمن باللہ الا کان اللہ عند ظن عبدہ المومن لان اللہ کریم بیدہ الخیرات یستحی ان یکون عبدہ المومن قد احسن بہ الظن والرجاء ثم یخلف ظنہ ورجائہ فاحسنوا باللہ الظن وارغبوا الیہ۔ [1]

حضرت علی علیہ السلام کی کتاب میں ذکر ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب منبر پر جلوہ افروز تھے ایک روز آپؐ نے فرمایا: مجھے قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، کسی بھی مومن کو دنیا اور آخرت کی خیر عطا نہیں ہوگی مگر خدا پر حسنِ ظن کے ذریعے سے، اس سے امید لگانے سے، حسن خلق سے اور مومنین کی غیبت سے پرہیز کرنے سے، مجھے قسم ہے اس پروردگار کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کوئی بھی مومن توبہ اور استغفار کے بعد عذاب میں مبتلا نہیں ہوگا مگر خدا پر سوئے ظن اور بدگمانی کی وجہ سے، ناامیدی، برے اخلاق اور مومنین کی چغل خوری وغیبت کرنے سے۔ مجھے قسم ہے یکتا وتنہا خدا کی کوئی بھی بندۂ مومن خدا کے بارے میں اچھا اور نیک گمان نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ اس کے حسن ظن کا اسے اجر دیتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے کیونکہ تمام اچھائیاں اور خیرات اس کی قدرت کے دائرے میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو حیا آتی ہے کہ اس کا بندۂ مومن اس سے حسنِ ظن اور رحمت

---

[1] مشکوۃ الانوار، ص ۳۵

کی امید رکھے اور وہ اس کے گمان اور امید کے برخلاف عمل کرے۔ پس خدا کے بارے میں اپنے خیال اور گمان کو اچھا اور نیک رکھو اور اس کی طرف رغبت پیدا کرو۔

امیدوار شخص کی بات

ایک اعرابی نے رسول اللہؐ سے سوال کیا:

یا رسول الله من یحاسب الخلق یوم القیامة قال: الله عزوجل قال نجونا و رب الکعبة قال و کیف ذلك یا اعرابی قال: لان الکریم اذا قدر عفا۔ [۱]

قیامت میں کون مخلوق سے حساب لے گا؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ۔ اعرابی نے کہا پروردگار کعبہ کی قسم ہم نجات پا گئے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا کس طرح یہ بات کہہ رہے ہو اور اپنے آپ کو نجات یافتہ سمجھ رہے ہو؟ اس نے عرض کی: اس لئے کہ جب کریم شخص گناہگار پر غلبہ اور تسلط پیدا کر لیتا ہے اور اسے سزا دینے پر قادر ہو جاتا ہے تو اسے بخش دیتا ہے۔

اللہ کا بندوں سے سلوک

اس پاک دل اور مخلص مسلمان نے مکتب اسلام سے درس توحید لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو کریم سمجھا اور اس کی بزرگواری اور کرامت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے عفو و مغفرت کے بارے میں حسن ظن کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو نجات یافتہ سمجھا۔ رسول اکرمؐ اعرابی کی بات سنتے ہیں اور اسے یہ نہیں کہتے کہ تم نے غلط خیال کیا ہے بلکہ اپنے سکوت سے گویا اس کی تائید فرما رہے ہیں اور اس کی بخشش کی امید پر مہر ثبت کر رہے ہیں۔ کیونکہ خداوند یہ چاہتا ہے کہ اپنے مومن بندوں کے ساتھ ان کے حسنِ ظن کے مطابق سلوک کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لیس من عبد ظن به خیرا الا کان عند ظنه۔ [۲]

کوئی بھی مومن بندہ خدا کے بارے میں اچھا گمان نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسی گمان کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔

---

[۱] مجموعہ ورام، ج ۱ ص ۹

[۲] مستدرک الوسائل، ج ۲ ص ۲۹۶

خالق کائنات پر حسن ظن اور اس کے عفو و مغفرت کی امید اس کی رحمت اور عنایت کو حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اس روحانی حالت اور امید پر دینِ اسلام میں اس قدر توجہ دی گئی ہے کہ بعض احادیث یہ بتاتی ہیں کہ خدا کا اپنے بندوں کے ساتھ سلوک رحمت عطا کرنے یا نہ کرنے کے حوالے سے، اس گمان کی کیفیت سے مربوط ہے جو بندے خدا کے بارے میں رکھتے ہیں۔

رحمت کے حصول کا بہترین ذریعہ

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

احسن الظن باللہ فان اللہ عزوجل یقول: انا عند ظن عبدی المؤمن بی ان خیرا فخیرا وان شرا فشرا۔ [1]

اللہ کے بارے میں اچھا گمان کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں مومن کے گمان کے ساتھ ہوں اگر اس کا گمان اور خیال میرے بارے میں اچھا اور امید افزا ہوا تو میں بھی اسی گمان کے مطابق سلوک کروں گا اور اگر میرے متعلق اس کا گمان برا اور یاس و ناامیدی والا ہوا تو میں بھی ویسے عمل کروں گا۔

شاعر اسی مطلب کو زبان شعر میں یوں بیان کرتا ہے:

در حدیث آمد کہ حق بی گفتگو
ہست در نزد گمان بندہ او
ناتورا چبود گمان از نیک و بد
بر تو جز پاداش ظنت کی رسد
گر تورا ظن نکو باشد بر او
طاعت نیک است و پاداشت نکو
در کہ ظنت بد بود پاداش آن
ہم بد آید وین سزد بربد گمان

[1] کافی، ج ۲ ص ۷۲

خدا سے بدگمانی کا خطرہ

اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہر قسم کی بدگمانی چاہے وہ اس کے عفو اور بخشش کے بارے میں ہو یا اس کے علم اور قدرت کے حوالے سے، یا اس کی دوسری صفات کے لحاظ سے، بدگمان شخص پستی اور گھاٹے کا باعث ہے۔ یہ بدگمانی آخر کار اس کی ہلاکت اور تباہی کا موجب بن جاتی ہے۔

قرآن شریف نے خدا کے علم کے بارے میں بدگمانی کرنے والے لوگوں کے متعلق یوں فرمایا ہے:

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ۝۲۳ [1]

یہ تمہارا برا گمان تھا جو تم اپنے پروردگار کے بارے میں رکھتے تھے اور یہی بدگمانی تمہاری پستی کا باعث بنی ہے اور اسی کے باعث تم گھاٹے والے ہو گئے۔

علمِ الٰہی کے بارے میں بدگمانی

قیامت کے دن وہ لوگ حساب کی جگہ پر لائے جائیں گے جو دنیا میں خدا پر ایمان رکھتے تھے لیکن ذات مقدس الٰہی کے علم کے بارے میں بدگمان تھے اور خیال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے پوشیدہ اور پنہاں اعمال سے آگاہ نہیں ہے۔ لہٰذا انہوں نے خلوتوں میں نہایت بے باکی کے ساتھ گناہوں کا ارتکاب کیا۔ روز جزا میں یہ بدگمانی ان کے گلے میں پڑ جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ وہی سوءِ ظن اور بدگمانی جو تم دنیا میں اپنے رب کے متعلق رکھتے تھے آج تمہاری بدبختی کا باعث ہے اور تمہاری پستی اور ہلاکت کا موجب ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

لیس من عبد ظن باللہ خیرا الا کان عند ظنه به ولا ظن به سوء الا کان عند ظنه به وذلك قوله تعالیٰ "وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ۔" [2]

کوئی بھی بندۂ مومن اللہ کے بارے میں جو نیک گمان کرتا خدا اسی گمان کا لحاظ رکھے گا اور خدا پر بدگمان ہر شخص سے اللہ اسی بدگمانی کے مطابق پیش آئے گا۔ پھر آپؐ نے قرآن مجید کی مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔

---

[1] حٰم سجدہ۔ ۲۳

[2] تفسیر برہان ج ۳، ص ۱۰۹

نا امیدی کا خطرہ

جولوگ اللہ پر حقیقی ایمان رکھتے ہیں اور یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ وہ خلوت اور جلوت میں بندوں کے ساتھ ہے اور ان کے تمام ظاہری اور باطنی اعمال سے آگاہ ہے جب انہیں ہوائے نفس اور شہوات انحراف اور کجروی پر لے جاتی ہیں اور ان کے دامن کو گناہوں کی پلیدگیوں سے آلودہ کر دیتی ہیں تو لازمی طور پر وہ گھبرا جاتے ہیں۔ جن غلط کاموں کا انہوں نے ارتکاب کیا ہوتا ہے ان پر وہ شرمسار اور پشیمان ہوتے ہیں۔ ممکن ہے روح کی یہ حالت آہستہ آہستہ ان کی مایوسی اور نا امیدی کا سبب بن جائے اور آخرکار شدید مایوسی کی وجہ سے وہ دینی اور دنیاوی فرائض کو بجا نہ لائیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایماندار افراد کو اس دردناک اور افسوس ناک حالت سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے عفو و مغفرت کی امید جو اس کی مقدس ذات پر حسنِ ظن ہے، کو ان کے دلوں میں باقی رکھنے کے لئے توبہ اور استغفار کا دروازہ ان پر کھلا رکھا ہے اور اس طرح گناہگاروں کو گناہوں کی بخشش کی امید دلائی ہے۔ قرآن مجید میں اس نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور گناہگاروں کو اپنے سایۂ عفو و بخشش میں لے لیتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾ ۔ [1]

توبہ امید ہے

اے رسول! گناہگاروں اور جنہوں نے اپنے آپ پر زیادتی کی ہے، سے کہہ دو کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، بے شک وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

گناہ، وہ اعمال ہیں جن سے شارع اسلام نے منع کیا ہے اور انہیں انجام نہ دینے کا حکم دیا ہے گناہ کا ارتکاب گناہگار شخص کی پلیدی اور آلودگی کا باعث ہے اور توبہ پاک و صاف پانی کی طرح ہے جو نجاستوں اور پلیدیوں کو دھو ڈالتی ہے ناپاکیوں کو دور کر دیتی ہے۔ گناہگار توبہ کے بعد اس طرح ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا۔

---

[1] الزمر۔ ۵۳

گناہوں کے داغوں کو دھونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

التائب من الذنب کمن لا ذنب له۔ [1]

وہ گناہگار جو معصیت سے توبہ کر لیتا ہے اس شخص کی طرح ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔

شاعر کہتا ہے:

مومن شرمندہ از لطفِ خدا
مغفرت می خواہد از جرم و خطا
چون زسنگی چشمہ ای جاری شود
سنگ اندر چشمہ متواری شود
کس نخواند بعد از آن آنرا حجر
چونکہ جاری شد از آن سنگ ایں گہر

وجدان کے خلاف گناہ

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض گناہ دینی لحاظ سے غیر قانونی عمل ہونے کے علاوہ فطری پہلو سے بھی غیر انسانی اور خلافِ ضمیر ہوتے ہیں۔ ایسے گناہوں کا ارتکاب مسلمان اور غیر مسلمان دونوں کے لئے وجدان وضمیر اخلاق کی سخت سرزنش اور ملامت کا موجب بنتے ہیں۔ ذہنی طور پر گنگاہگار پر اس قدر دباؤ پڑتا ہے کہ آرام وسکون اس سے چھن جاتا ہے، زندگی تلخ اور ناقابل برداشت ہوجاتی ہے۔

مثال: آپ ایک چار سالہ خوبصورت لڑکی کا تصور کریں جو اپنے گھر کے سات گلی میں کھڑی ہے اس نے سونے کا گلوبند پہن رکھا ہے۔ ایک چور کا وہاں سے گذر ہوتا ہے۔ وہ سونے کا گلوبند دیکھتا ہے۔ اس کے دل میں اس ہار کو چرانے کا لالچ پیدا ہوتا ہے۔ وہ لڑکی کے قریب جاتا ہے اور ایک قریبی رشتہ دار کی طرح اس کو اپنی گود میں اٹھا لیتا ہے اور چومنے لگ جاتا ہے۔ اپنی جیب سے ایک سیب نکال کر دیتا ہے۔ اسی دوران میں وہ گلوبند کو کھول لیتا ہے اور لڑکی کو چھوڑ دیتا ہے اور خود اپنی راہ لیتا ہے۔ یہاں پر قانون اور شریعت کے خلاف عمل واقع ہوا ہے۔ چنانچہ اگر چور ایماندار ہو تو وہ اپنے دل میں احساسِ

---

[1] تفسیر برہان، ج ۳ ص ۱۰۹

ندامت کرے گا اور اگر بے ایمان ہو تو کسی احساسِ شرمندگی کے بغیر وہ واقعے سے گذر جائے گا۔

اگر یہی چھوٹی لڑکی گلو بند کھولنے کی طرف متوجہ ہو جائے اور شور مچانا شروع کر دے اور ننھے منے ہاتھوں سے گلو بند کو پکڑ لے اگر وہ انسان بدمعاش اور طاقت ور ہو تو وہ لڑکی کے منہ کو بند کر کے کسی سنسان جگہ پر لے جا کر اس کا گلہ دبا کر خاموش کر دے گا اور گلو بند کھول کر مردہ بچی کو وہیں چھوڑ کر فرار ہو جائے گا۔ یہاں پر اس نے دو گناہوں کا ارتکاب کیا ہے۔ ایک چوری جو غیر قانونی عمل ہے دوسرا بچی کو قتل کرنا جو قانون کے بھی خلاف ہے۔ اور فطرت اور انسانی ضمیر کے بھی خلاف ہے۔

قاتل اگر بے دین ہو اور وہ چوری سے اللہ کے حضور احساسِ شرمندگی بھی نہ کرے، پھر بھی بچی کے گلا گھوٹنے کو ذہن سے نہیں نکال سکتا اور اس سے بے پرواہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جب سے اس نے بچی کو قتل کیا ہے اس کا ضمیر اور ذہن بے سکون اور بے قرار ہو گیا ہے۔ رات کو بستر پر لیٹتا ہے لیکن اسے نیند نہیں آتی، ہر وقت وہ اپنے اندر کڑ ہتا رہتا ہے اور جس واردات کا اس نے ارتکاب کیا ہے اس کے بارے میں فکر مند رہتا ہے۔ جب معصوم بچی کے ہاتھ پاؤں مارنے کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو وہ لرز جاتا ہے۔ وحشت اور اضطراب اس کے تمام وجود کو گھیر لیتا ہے۔ گویا اس کے باطن میں ایک نامعلوم قدرت اور طاقت نے اسے عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے۔ یہ عدالت اسے عمر بھر چین سے نہیں بیٹھنے دیتی، ہمیشہ اسے غصے اور سختی سے پکارتی ہے اور کہتی ہے: اے بدبخت! کیوں تم نے معصوم بچی کو مار ڈالا؟ کیوں تم نے اس بربریت کا ارتکاب کیا؟

در اندرون من خستہ دل ندانم کیست
کہ مومن خموشم داو در فغاں و در غوغا است

نجانے مجھ بے چارے کے اندر کیا ہے کہ میں تو چپ ہوں لیکن وہ آہ و فریاد کر رہا ہے۔

دیوانگی ضمیر کے شکنجے

کبھی کبھار ایسے جرائم باطنی ملامت اور وجدان و ضمیر کے دباؤ کی وجہ سے انہیں جنون کی حالت تک پہنچا دیتے ہیں اور یہ حالت اتنی شدید اور سخت ہوتی ہے کہ اس کا صرف ایک ہی علاج ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ان کی باطنی گرہ کھولی جائے اور جس خلاف انسانیت جرم کا انہوں نے ارتکاب کیا ہوتا ہے اسے ان کے صفحۂ ذہن سے محو کیا جائے اور یہ عام حالات میں ناممکن بات ہے۔ ماہر نفسیات کی نظر میں ایسے مریض اگر مذہبی عقائد سے کچھ بہرہ مند ہوں تو ممکن ہے ان کی روحانی مشکل خدا پر ایمان اور گناہوں کی بخشش کے عقیدے سے حل ہو جائے اور وہ اس بدبختی سے نجات پائے۔

کتاب ''چہ میدانم'' بیماریہای روحی و عصبی'' کے صفحہ ۴۴ پر ہے کہ:

''ضمیر انسانی کی اذیتیں بہت جانکاہ اور نا قابل برداشت ہیں کبھی وہ پشیمانی کی حالت سے دوچار ہوجاتا ہے جسے غلطی کے ازالے اور تدارک یا فدیہ دینے کے بغیر سکون کی حالت میں نہیں لایا جاسکتا اسی لئے ادیان میں گناہوں کی بخشش کا پہلو بہت اہمیت کا حامل ہے۔''

ممکن ہے ایسے مواقع پر بعض ایماندار افراد دینی تعلیمات سے عدم آگاہی اور رحمتِ الٰہی کے بارے میں علم نہ رکھنے کی وجہ سے اپنے گناہ کو نا قابلِ بخشش وعفو خیال کریں اور یہ تصور کریں کہ جس جرم کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے وہ بخشش اور مغفرت کے قابل نہیں ہے اور اللہ کی رحمت ان کے شامل حال نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے وہ ہر وقت اپنی اندر کی آگ میں جلتے رہتے ہیں اور انسانی ضمیر کے کچوکوں سہتے رہتے ہیں۔ اگر انہیں ایک قابل مربی اور بہترین عالم میسر آجائے جو انہیں اللہ کی بے پناہ اور لامحدود رحمت کی طرف متوجہ کردے اور کئے گئے گناہوں کی معافی کی امید دلادے تو بہت جلد ان کے باطنی عقیدے کھول جائیں گے اور وہ رنج وعذاب سے رہائی پالیں گے۔ اس بات کے شاہد کے طور پر ذیل میں ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے:

اموی قاضی اور بے گناہ کا قتل

بنی امیہ کے ایک مقتدر قاضی نے ایک بے گناہ شخص کے قتل کا حکم دے دیا اور سپاہیوں نے اسے قتل کر دیا۔ وہ حاکم بے گناہ شخص کے مارے جانے کے بعد اپنے ناحق فیصلے پر سخت ذہنی پریشانی اور روحانی ناآرامی کا شکار ہوگیا۔ وہ دن رات اپنے ظالمانہ عمل کی وجہ سے عذاب میں مبتلا رہنے لگا۔ اس نے حکومتی کاموں کو ترک کر دیا اور لوگوں سے کنارہ کش ہوگیا۔ لیکن ضمیر کے دباؤ اور ملامت نے اسے آرام وسکون سے نہ بیٹھنے دیا۔ آخر کار وہ دیوانہ ہوگیا۔ اس کے اقرباء اسے مکہ لے آئے تاکہ لوگوں کو کچھ دیکھ کر شاید اس کی حالت بہتر ہوجائے۔ خوش قسمتی سے اس سال امام سجاد علیہ السلام بھی مکہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس واقعے کی اطلاع آپ تک پہنچی۔ امام علیہ السلام نے چند جملے اس سے کہے اور آپؑ کے امید بخش کلمات سے اس قاضی کی مشکل حل ہوگئی۔ روایت یوں ہے:

قاضی کا پاگل پن

کان علی ابن الحسین علیهما السلام فی الطواف فنظر فی ناحیة المسجد الی جماعة فقال: ما هذه الجماعة؟ فقالوا هذا محمد بن شهاب الزهری اختلط عقله فلیس یتکلم فاخرجه اهله لعله اذا رأی الناس ان یتکلم قضی

علیه السلام طر انه خرج حتی دنا منه فلما راه محمد بن شهاب عرفه فقال له علی ابن الحسین مالك؟ قال: ولیت ولایة فاصبت دما فدخلنی ما تری فقال له علی بن الحسین: لأنا علیك من یأسك من رحمة الله اشد خوفا منی علیك مما اتیت ثم قال له اعطهم الدیة فقال قد فعلت فابوا قال اجعلها صررا ثم انظر مواقیت الصلوة فالقها فی دراهم۔ [1]

امام زین العابدین علیہ السلام طواف میں مشغول تھے کہ آپ کی نظر مسجد الحرام کے ایک گوشے میں لوگوں کے ایک ہجوم پر پڑی آپ نے دریافت فرمایا: کیا مسئلہ ہے؟ یہ لوگ کیوں جمع ہیں؟ عرض کیا گیا: محمد بن شہاب زہری عقلی طور پر مفلوج ہوگیا ہے اور وہ کوئی بات نہیں کرتا۔ اس کے گھر والے اسے مکہ لے آئے ہیں کہ شاید لوگوں کو دیکھ کر بول پڑے۔ آپؑ طواف کے بعد اس کی طرف آئے۔ محمد بن شہاب نے امام سجاد علیہ السلام کو پہچان لیا۔ امامؑ نے اس سے فرمایا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا میں ایک صوبے کا والی تھا۔ میرا دامن ایک بے گناہ کے خون سے آلودہ ہوگیا ہے اور میں ذہنی پریشانیوں اور قلبی و بے حسی و بے آرامی کی وجہ سے دوچار ہوگیا ہوں جو آپ ملاحظہ کررہے ہیں۔ امام علیہ السلام نے اس کی باتوں سے یہ اندازہ لگایا کہ وہ عفو الٰہی سے مایوس ہو چکا ہے اور اسی یاس و ناامیدی کی وجہ سے اس کا یہ حال ہوگیا ہے۔ آپؑ نے فوراً اسے فرمایا: ''مجھے تیرے رحمت و عفو الٰہی سے مایوس ہونے کا تیرے بے گناہ کے خون میں ملوث ہونے سے زیادہ خوف ہے۔'' اور اپنے اس مختصر سے جملے سے اسے گناہ کی مغفرت کی امید کی شمع اس کے دل میں روشن کر دی۔ پھر آپؑ نے فرمایا: مقتول کی دیت ورثاء کو ادا کرو۔ اس نے عرض کی: میں نے دیت ادا کرنے کے لئے اقدام کیا اور ورثاء سے رجوع کیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ امام نے فرمایا: مقتول کی دیت کو چھوٹے چھوٹے تھیلیوں میں ڈال کر ان کا منہ سی کر جب مقتول کے گھر والے نماز جماعت کے لئے گھر سے باہر نکلیں تو یہ تھیلیاں ان کے گھر میں پھینک دو۔

خدا پر حسن ظن اور اس کے فضل و رحمت کی امید اطمینان قلب اور ذہنی سکون کا موجب بن گئی خدا پر حسن ظن اور اس

---

[1] مجموعہ ورام، ج ۲، ص ۴

کی مغفرت کی امید مایوسی اور ناامیدی کو دل سے نکال دیتی ہے۔ معصیت کے داغوں کو حتیٰ وجدان کے خلاف کئے گئے گناہوں کو بھی دھوڈالتی ہے اور انسان کی دنیاوی اور اخروی سعادت ونجات کی راہ ہموار کر دیتی ہے۔ ایماندار افراد کو ایسے جذبے سے سرشار ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ پر حسن ظن کے ساتھ زندگی گذارنی چاہئے اور اس کے فوائد سے بہرہ مند ہونے کے لئے اپنے آپ کو دنیا میں اس اچھی اور پسندیدہ صفت سے آراستہ کرنا چاہئے اور اس اعلیٰ اور سعادت بخش صفت کو اپنے اندر پروان چڑھانا چاہیے۔ اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے گذشتہ عمر کو غفلت میں گذار دیا ہے اور اس قیمتی سرمائے سے محروم رہے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اب ہوش میں آجائیں اور کوشش کریں کہ اپنی باقی ماندہ زندگی میں اپنے گمان کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں اچھا اور نیک بنائیں۔ اپنے دل کو نور امید سے روشن کریں اور ایسا کام کریں کہ ان کی زندگی کا دفتر خدا پر حسن ظن سے معمور ہوجائے اور وہ اس کی رحمت کی امید کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوں تا کہ قیامت میں اپنے نیک گمان سے بہرہ مند ہوں اور خدا کی رحمت اور عفوان کے شامل حال ہو۔

موت کے وقت خدا پر حسن ظن

حضرت جابرؓ نبی اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

لا یموتن احدکم الا وھو یحسن الظن باللہ فان قوما قد أرداھم سوء ظنھم باللہ عزوجل۔ [1]

تم میں سے کوئی بھی نہ مرے مگر اللہ پر حسنِ ظن کے ساتھ کیونکہ ایک قوم اللہ عزوجل پر سوئے ظن کی وجہ سے پستی اور ہلاکت کا شکار ہوگئی۔ پھر آنحضرتؐ نے اس بارے میں نازل ہونے والی قرآن کی آیت تلاوت فرمائی جو اسی فصل کے آغاز میں ذکر ہوچکی ہے۔

خدا پر حسن ظن اور اس کی بخشش اور عفو کی امید گناہوں کی مغفرت اور اس کی رحمت کو پانے کا بہترین ذریعہ ہے۔ لیکن خدا پر حسنِ ظن کے ساتھ ساتھ اس کی سزا اور عذاب کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیے۔ یعنی وہ لوگ جو خدا کے فضل ورحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کی بخشش اور عفو کی امید اپنے دل میں پروان چڑھاتے ہیں انہیں اس کے عدل وانصاف سے غافل نہیں ہونا چاہیے اور اپنے غلط کاموں کی سزا اور عذاب کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ یہی مطلب مختلف تعبیرات کے

---

[1] تفسیر درالمنثور، ج۵، ص۳۶۲

ساتھ بہت ساری روایات میں بیان ہوا ہے۔

خوف ورجاء میں توازن

امام صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

قال لقمان لابنه ناتان یابنی خف الله خوفا لو اتیت یوم القیمة ببر الثقلین خفت ان یعذبك وارج الله رجاء لو وافیت یوم القیمة باثم الثقلین رجوت ان یغفر الله لك۔ [1]

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے ناتان سے یوں کہا: اللہ سے ڈرو اور ایسے ڈرو کہ اگر قیامت کے دن تمام انس وجن کی نیکیاں کے ساتھ آؤ تو بھی خوف کھاؤ کہ کہیں وہ تمہیں نامعلوم گناہ اور لغزش کی وجہ سے عذاب دے اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھو ایسی امید کہ اگر قیامت کے دن تمام انس وجن کے گناہوں کے ساتھ آؤ پھر بھی امید ہو کہ وہ تمہیں معاف کر دے گا۔

ایک اور نکتہ جو خدا تعالیٰ کے بارے میں حسن ظن کے سلسلے میں قابل توجہ ہونا چاہیے وہ یہ ہے کہ عفو الٰہی کی امید رکھنے والے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ اپنے افکار میں افراط سے کام نہ لیں یعنی اللہ تعالیٰ پر حسن ظن کی حدود سے تجاوز نہ کریں۔ رحمت کی امید ان کے غرور اور خودسری کا باعث نہ بن جائے اور انہیں گناہ و پلیدی کے راستے کی طرف نہ لے جائے اور انہیں اس کا برعکس نتیجہ دیکھنا پڑے اور وہ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائیں۔

حدیث کا راوی کہتا ہے کہ میں نے امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی:

قوم یعملون بالمعاصی ویقولون نرجوا فلا یزالون کذلك حتی یاتیهم الموت۔

کچھ لوگ ہمیشہ گناہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں رحمت خدا کی امید ہے اور وہ اسی غلط روش پر قائم رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ موت ان کو آ لیتی ہے۔

تو آپ نے جواب میں فرمایا:

هولاء قوم یترجحون فی الأمانی کذبوا لیسوا ابراجین ان من رجا شیئا

---

[1] مستدرک الوسائل، ج ۲ ص ۲۹۰

طلبه ومن خاف من شئ هرب منه۔ [1]

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی آرزوؤں کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتے ہیں یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور یہ لوگ خدا پر امید رکھنے والے ہیں کیونکہ اگر کوئی کسی چیز کی امید رکھتا ہے تو وہ اسے طلب کرتا ہے اور اگر کسی چیز سے خائف ہے تو وہ اس سے گریز کرتا ہے یعنی یہ لوگ ہمیشہ گناہ کر کے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ خدا کی رحمت کے طالب ہیں نہ کہ اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

سرکشی اور غرور امید کے نام پر

امام صادق علیہ السلام ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

حسن الظن يدعوا الى حسن العبادة والمغرور يتمارى فى المعصية ويتمنى المغفرة۔ [2]

اللہ پر حسن ظن انسان کو حسنِ عبادت واطاعت کی دعوت دیتا ہے یہ مغرور وسرکش انسان ہے جو حسنِ ظن کے نام پر گناہ اور نافرمانی کرتا رہتا ہے اور اپنے خیالوں میں عفو ومغفرت کی امیدیں پروان چڑھاتا رہتا ہے۔

امید کی پہچان اسلام کی کسوٹی پر

جو شخص اسلام کے معیاروں کے مطابق رحمت الٰہی کا امیدوار بننا چاہتا ہے اور خدا پر حسن ظن کو شریعت مقدس کے اصولوں کے مطابق اپنے ذہن میں راسخ کرنا چاہتا ہے تا کہ قیامت کے دن وہ عفو الٰہی کا مستحق قرار پائے اسے چاہیے کہ اسلام کو پہچانے، قرآن شریف کا علم حاصل کرے اور اپنی امید کی کیفیت دین کے صحیح معیاروں پر پرکھے اور اسے ان کے مطابق ڈھالے۔ کتاب کی آئندہ فصلوں میں حساب کے مقامات، میزان، اعمال کی جانچ پڑتال، حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارے میں پوچھ گچھ وغیرہ اس کے علاوہ قیامت کے فیصلہ کن مراحل اور بہشتیوں اور دوزخیوں کے جدا ہونے کے مواقع کے بارے میں بحث کی جائے گی اور یہ کہ ان تمام مراحل میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور بخشش گناہگاروں کی نجات کے لئے بہترین وسیلہ ہے اور اس کی رحمت اور ان افراد کے شامل حال ہوگی جو دنیا میں اس کی رحمت کی امید رکھتے تھے اور انہوں نے

---

[1] کافی، ج۲ ص۶۸

[2] کافی، ج۲ ص۶۸

دنیا میں ان پر حسن ظن کے ساتھ زندگی گزاری ہوگی۔اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس فصل میں مذکورہ مطلب کے بارے میں ہی بحث اور گفتگو کی جائے تا کہ قارئین احادیث میں ذکر ہونے والے خدا پر حسن ظن کے معنی کو اچھی طرح جان لیں۔اور اس کی رحمت کی امید کو اچھے انداز میں اور صحیح بنیادوں پر اپنے ذہنوں میں جگہ دیں اور اپنے آپ کو رحمت اور مغفرت الٰہی کا حقدار بنانے کی کوشش کریں۔

امید کے متعلق گفتگو

اس مقدس مقصد کے حصول کے لئے اور خدا پر حسن ظن کا معنی جاننے کے لئے ضروری ہے کہ آغاز میں انبیائے الٰہی کے پروگرام کا عموماً اور نبی اکرمؐ کے پروگرام کا خصوصاً گہری نظروں سے جائزہ لیا جائے۔ان کے طریقہ کار سے آگاہی حاصل کی جائے۔جنہوں نے انسانوں کے ایمانی افکار بنائے اور وہ خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ تھے اور ہمیں جاننا چاہیے کہ آسمانی مربیوں نے کس طرح لوگوں کو دعوت دی اور کیسے انسانوں پر اثر کیا اور انہوں نے کس انداز سے اپنے پیروکاروں کو خدا سے امید رکھنا سکھایا۔

انبیاء اور خوف ورجا

جو کچھ قرآن پاک اور احادیث میں آیا ہے اس کی بنیاد الٰہی کی دعوت دو بنیادی اصولوں اور دو طاقت ور قوتوں یعنی خوف ورجاء یا امید اور ڈر پر استوار ہے اور دو مثبت اور منفی طاقتوں کے زیر اثر وہ لوگوں کو اپنے مکتب کی دعوت دیتے تھے انہیں تدبر اور تفکر کرنے پر ابھارتے تھے اور اس ذریعے سے وہ انسان سازی کے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہناتے تھے۔

بشارت اور انذار کی بنیاد پر دعوت

قرآن مجید نے ان دو بڑی قوتوں کو بشارت اور انذار کہا ہے:

قرآن شریف تمام پیغمبروں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ [1]

ہم نے رسولوں کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تھے۔

یعنی ایک طرف تو وہ اطاعتِ اوامر الٰہی کے حوالے سے رحمت کا مژدہ اور جاوداں نعمت کی بشارت دیتے تھے اور

---

[1] سورہ انعام آیت ۴۷

دوسری طرف نافرمان اور گناہگار افراد کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے تھے اور انہیں عقوبت کے خطرات سے خبردار کرتے تھے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں قرآن ارشاد فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا [1]

ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر ہر دور اور ہر زمانے میں دنیا کے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے، تا کہ تم ایماندار اور نیک افراد کو رحمتِ الٰہی کی بشارت دو اور بے ایمان اور ہٹ دھرم افراد کو عذابِ الٰہی سے ڈراؤ۔

ڈاکٹر اور مریض

اللہ کے پیغمبر لوگوں کی روحانی اور معنوی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ اور اطبا ان کی جسمانی امراض کا۔ اطباء مریضوں کے علاج کے لئے انبیاء کی طرح بشارت اور انذار کی بات کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ مریضوں کو خوشخبری سناتے ہیں کہ اگر دواء اور پرہیز کے نسخے پر عمل کیا اور اسی کا خیال رکھا اور جو چیز نقصان دہ ہے اس سے پرہیز کیا تو امید کی جاتی ہے کہ تمہاری بیماری اتنی مدت میں ختم ہوجائے گی اور تم سلامتی کے ساتھ اپنے کام کرنے لگ جاؤ گے اور اپنی معمول کی زندگی گذارنے لگ جاؤ گے۔ لیکن اگر نسخے پر جیسا کہ اس پر عمل کرنا چاہیے نہیں کرو گے اور مضر اشیاء سے پرہیز نہیں کرو گے تو تمہارا مرض شدید ہوجائے گا اور ممکن ہے تمہاری موت کا سبب بن جائے۔

ایمرجنسی مریض اور خطرے کا الارم

اطباء اور ڈاکٹروں کا بشارت و انذار عام بیماریوں کے حوالے سے ہوتا ہے۔ لیکن اگر مریض اپنڈکس کی بیماری میں مبتلا ہو اور اگر فوراً اپریشن نہ کیا جائے تو وہ دو تین گھنٹے کے بعد مر جائے ایسی صورتِ حال میں صرف انذار ہے۔ ڈاکٹر ایسی بیماری کا معائنہ کرنے کے بعد فقط خطرے سے آگاہ کرتا ہے اور پریشانی و اضطراب کے عالم میں کہتا ہے: مریض کی جان خطرے میں ہے اسے جتنی جلدی ہو سکے اپریشن کے لئے ہسپتال لے جائیں ورنہ اس کی موت واقع ہوجائے گی۔

اللہ سبحانہ کے انبیاء کو بھی مقام دعوت میں کبھی کبھار خاص حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا جن کا تقاضا یہ ہوتا تھا کہ وہ خطرے سے خبردار کریں اور اس ذریعے سے خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو بیدار کریں اور انہیں ان کی موجودہ حالت سے آگاہ کریں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آغاز دعوت میں فقط

---

[1] سورہ سبا آیۃ ۲۸

ڈرانے کا حکم دیا تھا اور ان سے فرمایا:

یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ [1]

اے چادر میں لپٹے ہوئے اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ۔

پیغمبرؐ اسلام اور لوگوں کو انذار

حضور اکرمؐ ایک ایسے معاشرے میں نبی مبعوث ہوئے۔ جہاں پر جہالت و نادانی کا دور دورہ تھا اور اعتقادی اور اخلاقی بیماریاں اپنی اوج کو پہنچی ہوئی تھیں۔ لوگ بے جان بتوں کی پوجا کرتے تھے اور ان کے لئے حیوانات اور کبھی کبھار انسانوں کی قربانی دیتے تھے۔ اپنی نومولود لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے۔ عورتوں کی مال کی طرح جوئے میں بازی پر لگا دیتے تھے اور جیسے ہی انہیں بازی میں جیت لیتے تھے تو ہارنے والے انہیں دوسروں کے حوالے کر دیتے تھے۔ کبھی وہ عورتوں کو بھیڑوں کی طرح بازار میں بیچ دیتے تھے، قافلوں کو لوٹ لیتے تھے، عام لوگ بڑے اور رئیس لوگوں کے سامنے جان و مال کی امان نہیں رکھتے تھے۔ مختصر یہ کہ اس ماحول میں عقل و وجدان، عدل و انصاف اور حق و فضیلت کا جنازہ نکل چکا تھا۔ فساد و تباہی کے عوامل کے سوا معاشرے میں کوئی اور چیز حاکم نہیں تھی۔ ایسے معاشرے میں فقط انذار اور خطرے سے خبردار کرنا ہی پردۂ غفلت کو ہٹا سکتا تھا اور لوگوں کو ہلا سکتا تھا اور ان پر امید کا دریچہ کھول سکتا تھا۔

ننگا ڈرانے والا

کتاب لسان العرب میں مشہور جملہ ''انا النذیر العریان''، یعنی میں عریاں ڈرانے والا ہوں، کے بارے میں ہے:

وذلك ان ربیئه القوم وعینهم یکون علی مکان عال فاذا رای العدو وقد اقبل نزع ثوبة ولأح به لینذر قومه و یبقی عریانا۔

لشکر کشی یا تجارتی قافلوں کے گزرنے کے وقت ایسا ہوتا تھا کہ سنتری یا محافظ جو لشکر یا قافلے کی آنکھ کی مانند ہوتے تھے وہ آگے آگے چلتے تھے اور ایسے مقام پر اپنے آپ کو پہنچا دیتے تھے جہاں سے ہر طرف سے نگرانی کی جاسکتی ہو۔ جب وہ دیکھتے کہ دشمن کی فوج یا مسلح ڈاکو ان کی طرف آرہے ہیں تو وہ اپنے لباس کو اتار دیتے تھے اور اپنے آپ کو اس بلندی پر برہنہ کر کے اپنے لباس کو

---

[1] المدثر۔ ۱، ۲

ہاتھ میں لے کر اپنے سر کے اوپر اور اس ذریعے سے وہ دور سے دیکھنے والوں کو آنے والے خطرے سے آگاہ کرتے تھے۔

دشمن کے حملے کا خطرہ

لسان العرب اس مطلب کو بیان کرنے کے بعد کہتی ہے:

فی الحدیث ان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم قال: انما مثلی ومثلکم کمثل رجل انذر قومہ جیشا فقال انا النذیر العریان انذرکم جیشا۔ [1]

حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آغاز نبوت میں قوم کو اقتصادی انحرافات اور اخلاقی فساد کے خطرات سے آگاہ کرنے اور سمجھانے کے لئے فرمایا: میری اور تمہاری مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنی قوم کو دشمن کے حملے سے آگاہ کرتا ہے اور آپؐ نے فرمایا: میں برہنہ خبردار کرنے والا ہوں اور تمہیں دشمن کی فوج کے خطرے سے خبردار کرتا ہوں۔

مختصر یہ کہ چند مخصوص موارد کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے اللہ کے رسولوں کا بنیادی پروگرام اور طریقہ کار بشارت اور انذار ہے۔ وہ لوگوں کو رحمت کا مژدہ بھی سناتے ہیں اور عذاب الٰہی سے بھی خوف دلاتے۔ مکتب انبیاء کے پیروکار فریضہ دینی کے مطابق ذمہ دار ہیں کہ ہمیشہ خوف ورجاء کی حالت میں رہیں اور ان دو انگریزوں کے ساتھ فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب میں جدوجہد اور کوشش کریں۔

امام کاظمؑ کی حدیث

حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے ہشام بن حکم سے فرمایا:

یا ھشام لا یکون الرجل مؤمنا حتی یکون خائفا راجیا ولا یکون خائفا راجیا حتی یکون عالما لما یخاف ویرجو۔ [2]

اے ہشام! کوئی شخص اس وقت حقیقی مومن ہوتا ہے جب وہ خائف بھی ہو اور امیدوار بھی اور باایمان شخص کا خوف ورجاء علم وآگاہی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

---

[1] لسان العرب، (عرا) ص ۴۸

[2] مستدرک الوسائل، ج ۲، ص ۲۹۰

ایک بات جس کا جاننا شرع مقدس کے تمام پیروکاروں کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ خوف ورجاء کو کون سے میزان اور معیار پر رکھیں۔ دوسرے الفاظ میں ایک مومن شخص کس طریقے اور ذریعے سے سمجھے کہ خدا تعالیٰ پر امید رکھنے میں اس نے افراط سے کام نہیں لیا اور وہ غرور میں مبتلا نہیں ہوا نیز اللہ تعالیٰ سے خوف کھانے میں اس نے زیادتی نہیں کی اور حق وشرع کی حدود سے تجاوز نہیں کیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک سبق آموز اور مختصر حدیث میں اسی مطلب کو بیان کیا ہے۔

امید اور خوف کا معیار

آپؑ فرماتے ہیں:

ارج اللہ رجاء لا یجرئك علی معصیة وخف اللہ خوفا لا یؤیسك من رحمته۔ [1]

اللہ سے اتنی امید رکھو کہ وہ تمہیں گناہ پر جری نڈر اور بے باک نہ بنادے۔ اور اس سے اتنا ڈرو کہ وہ تمہیں اس کی رحمت سے مایوس اور ناامید نہ کردے۔

اس حدیث سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کی رحمت کی امید کے نام پر جرأت کرے اور بے دھڑک ہر برائی کا ارتکاب کرنے لگا تو اسے جاننا چاہیے کہ وہ امید کی حدود سے خارج ہوگیا ہے اور غرور وسرکشی میں مبتلا ہوگیا ہے اور اس نے ہلاکت کی راہ اپنالی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی خدا تعالیٰ سے خوف کے نام پر اپنے آپ کو رحمت الٰہی سے مایوس کردے اور اپنے گناہ ناقابل عفو خیال کرے تو اسے بھی جان لینا چاہیے کہ وہ خوف کی شرعی حدود سے آگے بڑھ گیا ہے اور ہلاکت وتباہی کے راستے پر گامزن ہے۔

مکتبِ اسلام میں خداوند تعالیٰ ارحم الرحمین ہے۔ لیکن اپنے مقام پر نہ یہ کہ ہر لاپروا اور گناہوں میں نڈر شخص اپنے آپ کو رحمت الٰہی سے متمسک سمجھے، اللہ کے قوانین کو عملی طور پر پامال کرے اور ڈھٹائی کے ساتھ ہر جرم اور برائی کا ارتکاب کرتا پھرے اور اس عنوان سے کہ خدا تعالیٰ ارحم الرحمین ہے اپنے آپ کو عفو الٰہی کا مشمول اور اس کے عذاب سے محفوظ خیال کرے۔ مکتب اسلام میں خدا کی ذات شدید العقاب بھی ہے۔ لیکن اپنے مقام پر نہ یہ کہ اس کی سخت پکڑ اور شدید سزاؤں پر عقیدہ ناآگاہ افراد سے امن کا دامن چھڑادے، وہ اپنے گناہوں کو ناقابل معافی سمجھنے لگیں اور اپنے آپ کو اس کی رحمت، عفو اور فیض سے محروم خیال کرنے لگیں۔ یہ بات دعائے افتتاح میں جسے مومنین ماہِ رمضان کی راتوں میں پڑھتے ہیں۔ یاد دلائی گئی ہے۔

وایقنت انك انت ارحم الراحمین فی موضع العفو والرحمة واشد المعاقبین

---

[1] مشکوٰۃ الانوار، ص ۱۱۸

فی موضع النکال والنقمة۔

میں یہ بات یقین سے جانتا ہوں کہ تو رحمت وفضل کے مقام پر ہر رحم کرنے والے اور بخشنے والے سے زیادہ مہربان ہے اور سزا وعقاب کے موقع پر ہر سزا دینے والے سے زیادہ سخت ہے۔

خوف ورجا کے درمیان سفر

مختصر یہ کہ مومن شخص ہمیشہ خوف ورجا کے درمیان رہے اور جان لے کہ خدا کی رحمت سے مایوسی اور اس کی پکڑ سے امان میں سمجھنا آیات اور احادیث کی صراحت کے مطابق کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

عمرو بن عبید امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام کرنے کے بعد بیٹھ گیا اور اس نے کبیرہ گناہوں اور بہت ہی قبیح برائیوں سے اجتناب سے مربوط قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی۔

دو کبیرہ گناہ

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ (النجم۔ ۳۲)

اس کے بعد وہ چپ ہو گیا۔ امام علیہ السلام نے اسے فرمایا:

ما اسکتك؟ قال احب ان اعرف الکبائر من کتاب الله عزوجل فقال نعم یا عمرو اکبر الکبائر الاشراك بالله یقول الله: "ومن یشرك بالله فقد حرم الله علیه الجنة۔ مائدہ۔ ۷۲" وبعدہ الا یاس من روح الله لان الله عزوجل یقول انه "لا ییاس من روح الله الا القوم الکافرون۔ یوسف ۸۷" ثم الامن لمکر الله لان الله عزوجل یقول "فلا یأمن مکر الله الا القوم الخسرون۔ الاعراف۔ ۹۹"۔

کس چیز نے تمہیں چپ کروا دیا؟ اس نے جواب دیا: میں کبیرہ گناہوں کو کتاب الٰہی کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ہاں عمرو! سب سے بڑا کبیرہ گناہ خدا تعالیٰ سے شرک ہے۔ قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: خدا نے مشرک پر جنت کو حرام قرار دیا ہے۔ شرک کے بعد گناہِ کبیرہ رحمتِ الٰہی سے مایوسی اور ناامیدی ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ کافروں کے علاوہ کوئی بھی رحمتِ

الٰہی سے مایوس نہیں ہوتا۔ اس کے بعد گناہ کبیرہ عذاب الٰہی سے اپنے آپ کو امان میں سمجھتا ہے۔ قرآن شریف میں ارشادِ الٰہی ہے کہ گھاٹا اٹھانے والوں کے علاوہ کوئی بھی اپنے آپ کو اللہ کی پکڑ سے محفوظ نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد امام علیہ السلام نے دیگر گناہانِ کبیرہ کی یکے بعد دیگرے وضاحت کی اور ہر ایک کے لئے قرآن مجید سے ایک شاہد ذکر فرمایا:

ملاحظہ فرمائیں کہ رحمت خدا سے ناامیدی اور اس کے عذاب سے اپنے آپ کو محفوظ جاننا اسلام کے آئین میں دو گناہ کبیرہ بیان کیے گئے ہیں اور ایک مسلمان کو ان دونوں سے اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ مایوسی اور ناامیدی اسے فرائض کی انجام دہی میں بددل اور سست کردے گی اور کمال و بلندی کے حصول میں رکاوٹ بن جائے گی اور عذابِ الٰہی سے امان اسے گناہ اور برائی پر جری بنادے گی۔ جو اس کی ہلاکت وتباہی کا سبب بن جائے گی۔

امید وخوف کے مابین

مومن افراد کے لئے رحمت خدا کی امید اور اس کے عذاب کا خوف دو پروں کی مانند ہے۔ ضروری ہے کہ یہ دونوں اکٹھے اور باہم ہوں تاکہ ان کے افکار اور اعمال کا توازن برقرار رہے اور ان کی ترقی کی راہ ہموار ہو۔ اسی لئے آئمہ علیہم السلام نے اپنے پیروکاروں کو بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے کہ ہمیشہ ان دو پہلوؤں کی طرف متوجہ رہیں اور تمام مواقع پر خوف ورجاء کے مابین حرکت کریں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے:

ینبغی للمؤمن ان یخاف اللہ خوفا کانہ یشرف علی النار ویرجوہ رجاء کانہ من اھل الجنۃ۔ [1]

ایک مومن کے لئے سزاوار ہے کہ وہ اللہ سے اس طرح ڈرے گویا آگ کی زد میں ہے اور اس سے اس طرح امید رکھے گویا وہ بہشتیوں میں سے ہے۔

مومن افراد کی روش

مومن افراد اپنی پوری زندگی میں بہت زیادہ اعمال صالح انجام دیتے ہیں لیکن سعادت ابدی کے حصول کے لئے ہرگز اپنے نیک اعمال پر تکیہ نہیں کرتے بلکہ ان کی تمام امیدیں اللہ کے فضل ورحمت سے وابستہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے

[1] تفسیر برہان، ج۲ ص۱۰۸

کہ اولاً ان کے نیک اعمال خلوص اور پاکیزگی کے ساتھ انجام پائے ہیں اور دربارِ الٰہی میں قبولیت کے درجے پر پہنچے ہیں یا نہیں؟ ثانیاً اس فرض کے ساتھ کہ وہ قبول ہو گئے ہیں ان قبول شدہ اعمال کی اہمیت اور قیمت کو نہیں جانتے یعنی کیا وہ اعمال ان کے لئے راہ نجات پیدا کر سکتے ہیں اور ان کی سعادت وخوش بختی کا موجب بن سکتے ہیں یا نہیں؟ لیکن رحمت وفضل الٰہی پر بھروسہ حق تعالیٰ کے بیکراں دریائے رحمت سے متصل ہونا ہے۔ ایسی رحمت کہ اگر وہ انسان کے شامل حال ہوجائے تو اسے نہایت آسانی کے ساتھ سعادت تک پہنچادے۔ تمام رکاوٹوں کو برطرف کر کے اسے جاوداں کی طرف لے جائے۔

رحمت کی امید اور عذاب کا ڈر

باایمان اور پرامید انسان ذاتِ باری تعالیٰ کی لامحدود رحمت کے سہارے کے باوجود عذاب الٰہی سے بھی ڈرتا ہے اپنے گناہوں کو فراموش بھی نہیں کرتا اور اپنے کئے گئے برے اعمال کی سزا پر خوف کھاتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اس کے گناہ معاف نہ ہوئے تو وہ ضرور خدا کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ یہ خوف اور امید مجموعی طور پر حسنِ ظن کے معنوں میں ہے۔

راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

حسن الظن باللّٰہ ان لا ترجوا الا اللّٰہ ولا تخاف الا ذنبك۔ [1]

اللہ پر حسن ظن یہ ہے کہ اس کی ذات کے علاوہ کسی شخص یا چیز سے امید نہ رکھو اور کسی شخص یا چیز سے نہ ڈرو مگر اپنے گناہوں سے۔

خدا پر حسن ظن کے معنی

ملاحظہ فرمائیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام خدا پر حسنِ ظن کا معنی بیان کرتے ہوئے خوف ورجاء کو ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں اور ہر دو پہلوؤں امید وخوف کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ مکتب اسلام کے پیروی کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ خدا پر حسن ظن کے سلسلے میں اپنے آپ کو ایسا ہی بتائیں اور ہر وقت ان دو پہلوؤں کو مدنظر رکھیں۔

سوال اور جواب

لیکن یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ امید کے حوالے سے امام علیہ السلام کیوں باایمان افراد کی تمام توجہ حضرت حق تعالیٰ کی طرف مبذول کرواتے ہیں اور ان کی عبادات اور ان کے نیک اعمال کا ذکر نہیں کرتے۔ جب کہ خوف کے معاملے میں ان

---

[1] کافی، ج ۲، ص ۷۲

کی تمام تر توجہ ان کے گناہ اور معاصی کی طرف مبذول کرواتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بات نہیں کرتے؟

اس سوال کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ فرائض کی بجا آوری اور شرعی محرمات کا ترک کرنا ایک با ایمان شخص کے حوالے سے اس کی دربارِ الٰہی میں اطاعت وعبادت کے مراتب کی حکایت کرتا ہے اور یہ امر اسے رحمت اور فضل الٰہی کے لائق بنا سکتا ہے اور اس کی غلطیوں اور گناہوں کی بخشش کا سبب بن سکتا ہے۔لیکن اگر وہ چاہے کہ اپنے اچھے اعمال پر بھروسہ کرے اور خیال کرے کہ اگر اس کے نامۂ اعمال کا اچھے طریقے سے حساب وکتاب لیا جائے اور اس کے بارے میں عادلانہ فیصلہ ہوتو وہ ذات باری تعالیٰ کی رحمت اور فضل کی نیاز کے بغیر سعادت ابدی کو پا سکتا ہے اور بہشت جاوداں کا حق دار بن سکتا ہے۔ایسے شخص سے کہنا چاہیے کہ وہ سخت غلطی کر رہا ہے۔کیونکہ اگر ایسا ممکن ہوتا ہے تو امام سجاد علیہ السلام خالقِ بے نیاز کی بارگاہ میں دستِ نیاز دراز کرتے ہوئے دعا وتضرع کی زبان میں یوں نہ کہتے:

فانه لا طاقة لنا بعدلك ولا نجاة لاحد منا دون عفوك۔ [1]

بے شک ہم میں تیرے عدل کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے اور تیرے عفو وفضل کے بغیر ہم میں سے کوئی بھی نجات نہیں پا سکتا۔

خدا سے ڈر یعنی اپنے گناہوں سے ڈر

روایت کے دوسرے جملے سے مربوط سوال کے جواب میں کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو کہ تمام صفات کمالات کا حامل ہے، سے انسانوں کے خوف کھانے اور ڈرنے کا معنی ان کے اپنے گناہوں سے خوف کھانے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لوگ طاقت ور ظالم سے خائف ہوتے ہیں کہ مبادا وہ ان پر ظلم وستم کرے اور خدا تعالیٰ ایسا قادر عادل ہے جو ظلم سے منزہ ہے۔لوگ طاقت ور جاہل سے ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ نادانستہ طور پر انہیں اپنے ظلم کا نشانہ نہ بنائے اور اللہ تعالیٰ عالم قادر ہے اور جہل ونادانی سے مبرا اور پاکیزہ لوگ بے وقوف قدرت مند سے خوف کھاتے ہیں کہ جو کبھی کبھار فضول عمل سے دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے۔اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور حکیم بے ہودہ اور لغو کام انجام نہیں دیتا۔لوگ ایسے طاقتور سے ڈرتے ہیں جو اپنی خامیوں اور خسارے کو پورے کرنے کے لئے دوسروں کے مال، عہدہ یا زمین اور پانی یا دوسرے وسائل زندگی کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے۔اس لئے کہ وہ کہیں ان سے ظلم وتعدی سے پیش نہ آئے۔جب کہ اللہ تعالیٰ ایسا قادر ہے جو غنی بالذات ہے اور اس کی ذات اقدس میں کسی قسم کی کمی اور نقص نہیں ہے۔

---

[1] صحیفہ سجادیہ۔دعائے ۱۰

جوخوف اور ڈر اولیاء الٰہی اور مومنین کو ذات حق تعالیٰ سے ہے اور جس کی طرف قرآن حکیم میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ رب العزت کے بلند و باعظمت مقام کا خوف ہے۔

خدا سے خوف

ارشاد ہوتا ہے:

وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰىۙ‏ ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الۡجَـنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰىؕ‏ ﴿۴۱﴾ [1]

جوشخص اپنے پروردگار کے مقام سے ڈرتا ہے اور اپنے نفس کو ہوا و ہوس اور ناجائز خواہشات کی پیروی سے روکتا ہے اس کا ٹھکانا بہشتِ جاوداں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

من علم ان الله یراه ویسمع ما یقول ویعلم ما یفعله من خیر او شر فیحجز ذلك عن القبیح من الاعمال فذلك الذی خاف مقام ربه و نهی النفس عن الهوی۔ [2]

جوشخص یہ جانتا ہے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے، جو کچھ وہ بولتا ہے خدا اسے سنتا ہے اور اس کے اچھے برے اعمال سے آگاہ ہے اس کا یہی جاننا اس کے برے کاموں میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ ایسا شخص اپنے پروردگار کے مقام سے خوف کھاتا ہے اور اپنے نفس کو ہوا و ہوس کی پیروی سے روکتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے:

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالۡمِرۡصَادِ۔ [3]

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے تمام گفتار و کردار کو دیکھتا ہے۔ یعنی بندوں کے تمام کام علم الٰہی میں ہیں اور کوئی بھی عمل چاہے وہ جتنا بھی چھوٹا ہو اس سے اوجھل نہیں ہے۔

---

[1] النازعات۔ ۴۰،۴۱

[2] تفسیر صافی، ص ۵۱۷

[3] الفجر۔ ۱۴

علم وآ گاہی کا مقام

اللہ کا مقام ومرتبہ علم وآ گاہی ہے۔خدا مقام بصیرت اور سماعت ہے،مقام خدا بندوں کے افکار اور اعمال پر احاطہ ہے اللہ کے مقام کی مثال نگران اور محافظوں جیسی ہے جو کسی چیز کی نگرانی پر مامور ہوں۔مقامِ خدا مظلوم کی حمایت اور ظالم کی مخالفت ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ کا مقام نیک لوگوں کو جزا دینا اور برے افراد کو سزا دینا ہے۔اس لئے اللہ سے ہمارا ڈر اور خوف ہمارے اپنے گناہوں سے ڈر اور خوف کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔وہ گناہ جو ہم اپنے ارادے اور مرضی سے انجام دیتے ہیں اور اپنے آپ کو اس کی بارگاہ میں سزا کا حقدار بناتا ہے۔

مذکورہ تشریح سے امام صادق علیہ السلام کی حدیث کی وضاحت ہوگئی کہ آپؑ نے فرمایا تھا کہ خدا پر حسن ظن کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی چیز سے امید نہ رکھو اور اپنے گناہوں کے علاوہ کسی چیز سے نہ ڈرو۔

حضرت علی علیہ السلام نے بھی خوف ورجا کے حوالے سے یہی بات ایک روایت میں اپنے دوستوں سے فرمائی ہے۔

لا یرجون احد منکم الا ربه ولا یخافن الا ذنبه۔ [1]

تم میں سے کوئی بھی ہرگز خدا کے سوا کسی سے امید نہ رکھے اور اپنے گناہوں کے علاوہ کسی چیز سے خوف نہ کھائے۔

عادل وزیر انصاف کا ڈر

وزیر انصاف ایسے مقام کا حامل ہوتا ہے جو قانون کے سبب قاتل پر مقدمہ دائر کرتا ہے اور اسے عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کرتا ہے۔وہ اس مقدمے کا اس قدر پیچھا کرتا ہے یہاں تک کہ قاتل کو بعنوانِ قصاص سزائے موت کا فیصلہ سنا دیا جائے اور وہ پھانسی کے تختے پر چڑھ جائے۔

انسانی قتل اور وزیر انصاف کا عہدہ

وزیرِ انصاف اگر ذاتی طور پر عادل، انصاف پسند، بااخلاق، مہربان، ہمدرد اور بافضیلت انسان ہو تو لوگوں کو اس سے کوئی بھی ڈر اور خوف نہیں ہوتا۔البتہ وہ شخص جس نے ارتکاب جرم کیا ہے اور ایک بے گناہ شخص کو موت کے گھاٹ اتارا

---

[1] نہج البلاغہ۔۸۲

ہے وہ اس سے بہت خوفزدہ ہوگا۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہ اسے عدالت میں پیش کرے گا اور کیفر کردار تک پہنچائے گا۔ کیا قاتل خود وزیر انصاف سے ڈرتا ہے یا اس کے مقام سے ڈرتا ہے؟ البتہ وزیر انصاف کا مقام بھی ایسا مقام وعہدہ جو مستحق کو اس کا حق دلاتا ہے اور قاتل کو اپنے انجام تک پہنچاتا ہے۔ کیا وزیر انصاف کے عہدے نے قاتل کو خوف و ہراس سے دوچار کیا ہے یا بے گناہ شخص کے قتل نے؟ واضح ہے کہ وہ قتل کی وجہ سے خوف زدہ اور ڈرتا ہے۔ اس نے اگر قتل نہ کیا ہوتا تو وزیرِ انصاف سے کبھی بھی خوف نہ کھاتا۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ اولاً قاتل کا خوف وزیر انصاف کے مقام اور مرتبے سے ہے۔ ثانیاً اس کے ڈر کی وجہ سے اس کا ارتکاب جرم ہے۔ یعنی مجرم اور گناہگار فقط اپنے گناہ سے خائف ہے۔

اسلام کے ماننے والوں کا اللہ تعالیٰ کے مقام سے ڈر اسی طرح کا ہے یعنی عارف وآ گاہ مومنین فقط اپنے گناہ اور جرم سے خوف زدہ ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ گناہ ہی ہے جو انہیں بارگاہِ الٰہی میں مورد مواخذہ اور سوال قرار دے گا اور ان کی سزا کا موجب بنے گا۔

ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ اگرچہ اسلام کے پیشواؤں اور رہبروں نے اپنے پیروکاروں کو سختی سے تاکید ہے کہ وہ اپنے اندر خوف اور امید میں توازن وتعادل برقرار رکھیں اور ہر وقت توازن کا خیال رکھیں تاکہ ناامیدی یا غرور کا شکار نہ ہوں لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے اقوال میں انہیں یہ خوشخبری بھی سنائی ہے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اور اس کا عفو وبخشش کا پلڑا اس کے سزا وعذاب کے پلڑے سے بھاری ہے۔ یہاں پر بطور شاہد امام سجاد علیہ السلام کے دو جملے ذکر کئے جاتے ہیں جو صحیفہ سجادیہ میں بیان ہوئے ہیں۔

یامن عفوہ اکثر من نعمتہ ویامن رضاہ اوفر من سخطہ۔ [۱]

اے وہ جس کا عفو اس کے عقاب سے بیشتر ہے اور جس کی رضا اس کی ناراضی سے زیادہ ہے۔

انت الذی عفوہ اعلیٰ من عقابہ وانت الذی تسعی رحمتہ امام غضبہ وانت الذی عطاؤہ اکثر من منعہ۔ [۲]

تیری ذات وہ ہے جس کی بخشش اس کے عقاب پر برتری رکھتی ہے۔ تیری ذات وہ ہے جس کی رحمت اس کے غضب سے آگے ہے اور تو وہ ہے جس کا انعام اور عطا اس کے محروم کرنے سے زیادہ ہے۔

شاعر اسی مطلب کو اپنے انداز میں بیان کرتا ہے:

---

[۱] صحیفہ سجادیہ، دعائے ۱۲

[۲] صحیفہ سجادیہ، دعائے ۱۶

رحمت او سابقت از قہر او
سابقی خواہی برو سابق بجو

اس کی رحمت اس کے قہر پر سبقت رکھتی ہے اگر سبقت چاہتے ہوتو سابق کو تلاش کرو۔

رحمت او بیحد است و بیکراں
او حکیم است و کریم و مہربان

رحمت اس کی بے حد اور بیکراں
وہ حکیم ہے اور کریم و مہربان

سبق رحمت گشت غالب برغضب
ای بدیع افعال نیکو کار رب

اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب آ گئی۔اے رب کے بدیع افعال اور نیک بندے۔

مغفرت اور عفو الٰہی

قیامت میں مختلف وسیلوں سے حضرت حق تعالیٰ کی بیکراں اور لا محدود رحمت گناہگاروں کے شامل حال ہوگی اور ان کے گناہ قابل عفو و مغفرت قرار پائیں گے۔روایات بتاتی ہیں کہ وہ وسائل اور ذرائع جو انسان کی رحمت اور مغفرت کے فیض تک پہنچا سکتے ہیں ان میں سے ایک خدا پر حسن ظن ہے۔باایمان اور مومن افراد اگر اس دنیا میں اپنے افکار کو رحمت الٰہی کی امید سے پروان چڑھائیں اور اپنے دلوں میں اس کی مقدس ذات کے بارے میں نیک گمان رکھیں تو روز جزا گناہوں کی مغفرت کے لئے ان کے پاس مناسب وسیلہ موجود ہوگا اور امید کی جاتی ہے کہ خدا پر حسن ظن رکھنے اور اس کی رحمت کی امید کی وجہ سے وہ عذاب اور عقاب سے رہائی پالیں گے۔

راوی امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل کرتا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

يؤتى بعبد يوم القيمة ظالم لنفسه فيقول الله ألم امرك بطاعتى؟ الم انهك عن معصيتى؟ فيقول بلى يا رب ولكن غلبت على شهوتى فان تعذبنى فبذنبى لم تظلمنى فيأمر الله به الى النار فيقول: ماكان هذا ظنى بك فيقول ماكان ظنك بى: قال كان ظنى بك احسن الظن فيأمر الله به الى

الجنة فیقول اللہ تبارك و تعالیٰ لقد نفعك حسن ظنك بی الساعة۔ [1]

قیامت کے دن اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ایک بندے کو مقام حساب پر لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: کیا تجھے میں نے اپنی اطاعت کا حکم نہیں دیا تھا؟ کیا تجھے اپنی نافرمانی سے منع نہیں کیا تھا؟ وہ جواب دے گا: ہاں میرے پروردگار! لیکن میری شہوت مجھ پر غالب آ گئی اور میں نے ارتکاب گناہ کیا۔ اب اگر تو مجھے میرے گناہوں پر عذاب دے گا تو تو نے ظلم نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے عذاب میں ڈالے جانے کا حکم کرے گا۔ گناہگار کہے گا بارِالٰہا تیرے بارے میں میرا یہ گمان نہ تھا۔ ارشاد ہوگا تم کیا گمان کرتے تھے؟ وہ جواب دے گا میرا بہترین گمان عفو ومغفرت تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف کردے گا اس کے بارے میں بہشت کا حکم صادر کرے گا اور فرمائے گا کہ جو حسنِ ظن تو نے میرے بارے میں رکھا اس وقت اس نے تجھے فائدہ پہنچایا ہے۔ شاعر مفہوم حدیث کو یوں بیان کرتا ہے:

بندہ گوید آنچہ فرمودی بیان
صد چنانیم صد چنانم صد چنان
لیک بیرون از جہاد و فعل خویش
از وریٰ خیر و شر و کفر و کیش
بود امیدم بہ عفو و رحمت
برعطایای بزرگ و رأفت
امر آید با آزار یدش بہا
کہ بدستش چشم دل سوی رجاء
برگمان خوب آزادش کنیم
وان خطاہا راہمہ خط برزنیم

مجموعی طور پر اس گفتگو سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ پر حسن ظن اور اس کی لامحدود رحمت کی امید روزِ جزا میں انسان کی نجات کا وسیلہ ہے۔ لیکن رحمت الٰہی سے امید کے ساتھ ساتھ اس کے عذاب سے خوف کو فراموش نہ کیا جائے اور اپنے رب پر نیک گمان رکھنے کے ہمراہ گناہوں پر عقاب کو نہ بھلایا جائے کیونکہ اس صورت میں انسان غرور میں مبتلا ہو جاتا

---

[1] وسائل، ج ۱۱، کتاب جہاد، ص ۱۸۲

ہے اور ہلاکت وتباہی کی گھاٹی میں جا گرتا ہے۔ اسی لئے دین کی پیشواؤں نے ہمیشہ خوف ورجاء کی بات کی ہے اور اپنے ماننے والوں کو ڈر اور امید کی وصیت کی ہے۔

اولیاءدین اور امید وخوف کی وصیت

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

ان استطعتم ان یشتد خوفکم من الله ویحسن ظنکم به فاجمعوا بینهما فانما یکون حسن ظن العبد بربه علی قدر خوفه فان احسن الناس بالله ظنا اشدهم خوفا فدعوا الأمانی منکم وجدوا واجتهدوا وادوا الی الله حقه والیٰ خلقه فما مع احد براْة من النار ولیس لاحد علی الله حجة ولا بین احد وبین الله قرابة۔ [1]

اگر ہمت کر سکتے ہو تو اپنے دل میں اللہ سے شدید خوف اور اس پر شدید حسن ظن رکھو اور ان روحانی حالتوں کو اپنے اندر راسخ کرلو کیونکہ ہر نیک انسان کا اپنے خدا سے خوف اس کی ذات سے امید کے برابر ہے۔ بے شک خدا پر حسن ظن کے لحاظ سے بہترین افراد وہ ہیں جن کا اللہ سے خوف بیشتر اور شدید تر ہے۔ خام خیالیوں اور آرزوؤں کو ترک کر دو، جد وجہد اور کوشش کرو، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرو، کسی کے پاس بھی آگ سے آزادی کا پروانہ نہیں ہے، کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر دلیل اور حجت نہیں رکھتا اور کسی کی بھی اللہ سے رشتہ داری اور قرابت نہیں ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ①

کتاب معاد کے دوسرے حصے کا ترجمہ بتاریخ ۱۵ شعبان بروز جمعۃ المبارک ۱۴۱۴ ہجری ۱۲ بج کر پانچ منٹ پر اختتام کو پہنچا۔

الاحقر
سید حسنین عباس گردیزی
حوزہ علمیہ قم المقدس

---

[1] مستدرک الوسائل، ج ۲ ص ۲۹۶